یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ھیں.

منجانب.



سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پا کستان





۷۸۶

۹۲-۱۱۰

یا صاحب الزماںؑ ادرکنیؑ

DvD Version

لبیک یا حسینؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری ۔

www.ziaraat.com

SABIL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.page.tl
sabeelesakina@gmail.com

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنیٔ ذبح عظیم آمد پسر

شہیدِ ابنِ شہید

حضرت علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ

حسین علیہ السلام

چشتی کتب خانہ
جھنگ بازار ۞ فیصل آباد

شہیدِ ابنِ شہید

حصہ اوّل

حضرت علامہ
صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ

چشتی کتب خانہ
جھنگ بازار ۞ فیصل آباد

سبیل سکینہ
حیدر آباد لطیف آباد، یونٹ نمبر ۸-C1

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر — معنئ ذبح عظیم آمد پسر

معرکۂ کرب بلا کی سرخ تصویر کتابِ لاجواب

شہید ابن شہید

جلد اوّل

تصنیف لطیف:
حضرت علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ



چشتی کتب خانہ
جھنگ بازار ○ فیصل آباد

نام کتاب	ـــــــــ	شہید ابن شہید اوّل
مصنف	ـــــــــ	حضرت علاّمہ صائم چشتی
پہلی بار	ـــــــــ	12 ذوالحجہ 1395ھ
بیالیسویں بار	ـــــــــ	جنوری 2005ء
تعداد	ـــــــــ	گیارہ سو
طابع	ـــــــــ	محمد شفیق مجاہد
کتابت	ـــــــــ	چشتی کمپیوٹرز
صفحات	ـــــــــ	688
ہدیہ		دو جلدیں مکمل سیٹ -/600 روپے

ملنے کا پتہ

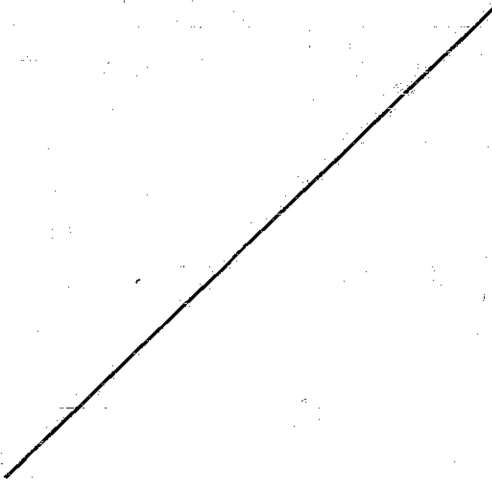
شبیر برادرز اردو بازار لاہور

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؑ، ابتداء ہیں اسماعیلؑ

﴿اقبالؒ﴾

انتساب

بصد خلوص ان تمام شہیدانِ وفا کے نام
جو حق و صداقت کے لئے قربان ہو جاتے ہیں



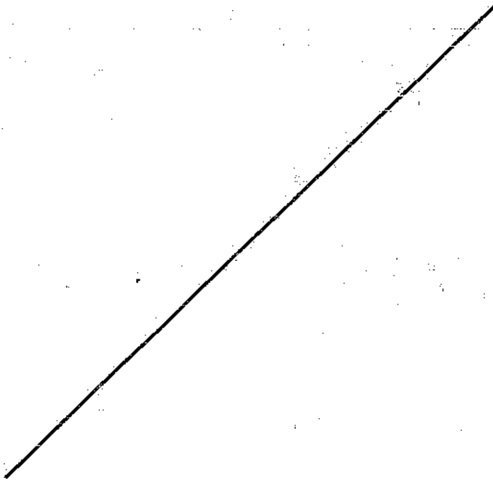
گدائے آلِ رسولؐ
صائم چشتی

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؒ، ابتداء ہیں اسماعیلؑ

﴿اقبالؒ﴾

انتساب

بصد خلوص ان تمام شہیدان وفا کے نام
جو حق وصداقت کے لئے قربان ہو جاتے ہیں



گدائے آل رسولؐ
صائم چشتی

نذر

بصد احترام وادب شہزادی رسولؐ سیدہ زہرا بتول ؑ
کے حضور میں گر قبول افتد زہے عزّ و شرف



گدائے آل رسولؐ
صائم چشتی

فہرست مضامین

نقشِ اول

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُولِہِ الکَرِیْمِ

سوانحِ کربلا کی ہمہ گیری سے کون انکار کرسکتا ہے۔ بظاہر یہ چند اَفراد پر مُشتمل چھوٹی سی اللہ والی جماعت کی شہادت کا رنگین واقعہ ہے۔ مگر اپنی اِنفرادیت کے اعتبار سے تاریخِ عالم کا وہ روشن ترین باب ہے، جس کی تابانیاں تا ابدالآباد قائم رہیں گی۔

اِس واقعہ کی ہمہ گیر وسعتوں کا اَندازہ آپ اس طرح بھی لگا سکتے ہیں کہ تیرہ صدیوں کا طویل عرصہ گُذر جانے کے بعد بھی اِسکی اثر آفرینیوں میں ذرّہ برابر بھی کمی نہیں آسکی۔

دُنیا بھر کی مختلف زبانوں میں اِس موضوع پر ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور دُنیا کا شاید ہی کوئی اَیسا آدمی ہو جو اس دردناک واقعہ سے واقف نہ ہو۔

میری اپنی معلومات کے مُطابق تاریخِ عالم کے اِس درخشندہ باب کا کوئی ایسا گوشہ نہیں جسے اُجاگر نہ کیا گیا ہو اور کوئی اَیسا پہلو نہیں جو نمایاں نہ کیا جا چکا ہو۔

نظم ہو یا نثر۔ شہادتِ حسینؑ بصد اَندازِ زیبائی قرطاسِ عالم پر بہر نوع مرقُوم نظر آتی ہے۔ اِس اعترافِ حقیقت کے بعد مُجھے اب یہ بتانا ہے کہ

اس موضوع پر لا تعداد کتب موجود ہیں تو میں نے یہ کتاب کیوں تصنیف کی۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔

اول یہ کہ باوجود اپنی بے بضاعتی اور بے سروسامانی کے خریداران یوسفؑ میں اپنا نام لکھوانے کی تمنا تھی۔ یا پھر اسے نگاہ حسینؑ کا کرشمہ سمجھ لیجئے۔

دوم یہ کہ شہادت حسینؑ کی ہمہ گیر اثر انگیزی ہے کہ یہ واقعہ ہر دور میں لکھنے والوں کی توجہ کا مرکز بنا رہے گا۔ اگر مجھ سے پہلے ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں تو میرے بعد بھی ہزاروں کتابیں لکھی جائیں گی اس عظیم داستان الم میں ایسی زبردست کشش اور مقناطیسی اثرات ہیں کہ قلم خود بخود اس کی طرف کھنچے چلے جارہے ہیں۔

سوم وجہ اس کتاب کو لکھنے کی یہ ہے کہ ہمارے ملک میں چند ایسے لوگ پیدا ہو چکے ہیں جو اس خونچکاں داستان کی سرخی اڑا لینے کی فکر میں ہیں

حالانکہ وہ قیامت تک ایسا نہیں کر سکتے۔ اور نہ وہ اس مذموم کوشش میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

ان لوگوں کو ان کی خرافات کا جواب دینے والا اگر اس دنیا میں کوئی بھی باقی نہ رہے تو جب بھی خون حسینؑ میں وہ طاقت موجود ہے کہ وہ اپنی حرمت اور عظمت کا تحفظ کر سکے اپنی عصمت وعفت اور طہارت و پاکیزگی کی

حفاظت کر سکے

حسینؑ ابن علی عَلَیہِ السّلام کی شہادت نَقش فِی الحَجر کی حیثیت رکھتی ہے اِسے مٹایا نہیں جا سکتا۔ حُسینؑ عَلَیہِ السّلامؑ کی عظمت ومحبّت ومودّت وعقیدت پُھولوں کی خُوشبو کی طرح مومنوں کہ دِلوں میں رَچ بس گئی ہے اِس کو نکالا نہیں جا سکتا ہے۔

حُسینؑ علیہ السّلام کے خُون کی سُرخی تو فضاؤں میں شَفق بن کر بِکھری ہوئی ہیں اسے کس طرح مٹایا جا سکتا ہے۔

جِس طرح قُرآن مجید کا ہر لفظ حفّاظ کرام کے سِینوں میں قیامت تک محفوظ رہے گا اِسی طرح قُرآنِ ناطِق جناب حُسین عَلَیہِ السّلامؑ کی محبّت مومنوں کے دِلوں میں تا ابد آلاباد قائم ودائم اور باقی رہے گی۔

جِس حُسینؑ عِلیہ السّلام کی عَظمت وسربلندی کے نقوش یزیدیوں کی تلوار نہ مٹا سکی۔ اُس حُسینؑ عَلَیہِ السّلام کی سرفرازیوں کی داستان کو یزیدیوں کے قلم کس طرح تبدیل کر سکتے ہیں۔ جِس مقام پر یزید کی عسکری قُوّت ناکام رہی ہے اُس مقام پر یزید کے میرِ مُنشیوں کی سیاست بھی ناکام رہے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ دُنیا بھر کے مُصنّفین مل کر بھی سیّدنا حُسینؑ عَلَیہِ السّلام کی مخالفت پر اپنے قلم حرکت میں لے آئیں تو خُون حسینؑ عَلَیہِ السلام کے رنگ ونور میں ذرّہ برابر بھی کمی واقع نہیں کر سکتے اور اگر دُنیا بھر کے تمام لوگ شہادت حُسینؑ عَلَیہِ السّلام میں حُسنِ عقیدت کا رنگ بھرنا چاہیں تو اس

کی ذاتی دِلکشی اور حُسن ورعنائی میں ذرّہ برابر بھی اِضافہ نہیں کر سکتے۔

اِس لئے کہ اِمام عالی مقام سیّدالشُّہداء اِمام حُسین عَلَیہِ السّلام عظمت وسر بلندی کے جِس مینارۂ نور پر کھڑے ہیں وہاں تک نہ تو مخالفین ومُعاندین کی پہنچ ہو سکتی ہے اور نہ ہی مُخلصین ومحبّین کی رسائی ممکن ہے۔

شہادتِ حُسین عَلَیہِ السّلام تو ایک معیار ہے۔ اَیسا معیار جس کو سامنے رکھ کر حقّ وباطل اور کُفر وایمان کا اِمتیاز کیا جا سکے۔ ایک ترازُو ہے جس میں بُغض وعَداوت اور محبّت ومودّت کا وزن کیا جا سکے۔

اگر کوئی مَبغُوض ومَغضوب شخص رحمتِ خُداوندی سے دُور رہنا چاہتا ہے تو اُسکے سینے میں نَواسئہ رسول سے بُغض اور عَداوت آجاتے ہیں۔ اور اگر کِسی کو رحمتِ خُداوندی کے حلقہ میں رہنا ہوتا ہے تو حُسین عَلیہ السّلام سے محبّت وعقیدت کا سمندر اُسکے سِینے میں مَوجزن ہو جاتا ہے اور یہ مَعیار کسی دُنیادار منطِق دَان اور فلاسفر کا قائم کیا ہُوا نہیں۔ بلکہ یہ چیز قُرآن وحدیث سے مَنصوص ہے۔

باتِ دُور نکل آئی۔ بتانا یہ تھا کہ میری اِس کِتاب سے عظمتِ حُسین عَلَیہِ السّلام میں تو کُچھ اضافہ نہیں ہو سکتا۔ البتّہ مُجھے اُن کے دربارِ گوہر اور منبعِ فیض وعطا سے سندِ مغفرت ضرور مل سکتی ہے۔

میرے سامنے بھارت اور پاکستان کے باطل نواز یزید کے کاسہ لیسوں اور مُنشیوں کی لِکھی ہُوئی چند کتابیں یکے بعد دیگرے آئیں جن میں

اِن کوتا اندیش یزیدی مُصنفوں نے پُوری پُوری کوشش صرف کردی ہے۔ کہ کِسی طرح یزید کو خلیفۂ برحق، امیر المُومنین اور ولی اللہ ثابت کیا جاسکے اور امام حُسین علیہ السلام کو [نعوذ باللہ] شر انگیز، فِتنہ پرداز، خلافتِ اللٰہیہ کا باغی اور مُفسد قرار دیا جائے۔

اِن شر انگیز کِتابوں کے جواب میں چند رسائل اور ایک ضخیم کتاب بھی نظر سے گُذری جن میں معاندینِ اہلِ بیت کے بُہتانوں کا جواب دینے کی

حتیّ الامکان سعیٔ بلیغ کی گئی ہے۔ اور یہ جوابات ایسے بھی نہیں جن میں ہلکا پن اور بوداپن پایا جاتا ہو۔

تاہم ان میں ایک تشنگی ضرور معلوم ہوتی ہے اور اِس تشنگی کی وجہ یہ ہے کہ جواب دینے والے حضرات نے یزیدیوں کے اِستدلال کو توڑنے کی طرف کم توجّہ دی ہے اور اپنے دلائل پیش کرنے میں زیادہ محنت کی ہے۔

حالانکہ اگر تھوڑی سی توجہ مزید دی جاتی تو ارضِ پاکستان میں اُٹھنے والے شرارت کے اِس طوفان کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جاتا۔ ہماری تحقیق کے مطابق یزید کے حواریوں نے اپنے پیشوا یزید ہی کی طرح اپنے اِستدلال کی بنیاد بے ایمانی اور سیاست پر رکھی ہے۔ انہوں نے حوالے پیش کرتے وقت عبارتوں کو قطع برید کر کے اپنی ضرورت کے ٹکڑے نقل کئے ہیں حالانکہ ایسا کرنے سے قرآن مجید جیسی عظیم آسمانی کتاب سے جو دِل

چاہے مطلب نکالا جاسکتا ہے اور اِن ناعاقبت اَندیشوں نے قُرآن کی آیات سے بھی اس طریقہ سے اَپنا مطلب نِکالنے کی کوشش ہے کسی بھی عبارت کے سیاق وسباق کو نظر اَنداز کر کے مطلببر آری کرنا لِکھنے والے کی بے ایمانی کی اِنتہا ہوتی ہے اور اَیسے شخص کو محقّق کا نام دینا لفظِ تحقیق کی کُھلی توہین اور واضِح تکذیب ہے۔

بہر صُورت جانبَین کی کِتابوں کا مُطالعہ کیا تو دِل کے کسی گوشہ سے عشقِ حُسینؑ عَلَیہِ السلام نے کروٹ لی اور تقریباً پانچ صد کُتب تفاسر واَحادیث اور تواریخ و سیّر کی عِبارتوں پر مُشتمل کتاب "شہید ابنِ شہیدؑ کا خاکہ تیّار ہوگیا ۔ضخامت کا اندازہ کیا تو دو ہزار صفحات بنتے تھے۔اور اَب اس کے بعد یہ مرحلہ سامنے آگیا کہ طبع کیسے ہو۔

چند خُوش نصیب لکھنے والوں کو چھوڑ کر ہر مصنّف اِسی مصُیبت میں گرفتار نظر آتا ہے۔ بہر حال اِسی تگ ودَو میں سات سال کا طَویل عَرصہ گُذر گیا۔اِسی دوران میں عوام کے ذہنوں کو بھی پڑھتا رہا۔

اپنی کوشش بھی جاری رکھی ۔بلآخر ایک تجویز سامنے آگئی کہ اس تحقیقی شاہکار کو مزید کچھ دیر معرضِ اِلتوأ میں رہنے دُوں اور اس کے اِبتدائیہ طور پر ایک اَیسی مختصر کتاب ترتیب دوں جس میں بحث ومناظرہ سے مکمّل طور پر اجتناب کیا گیا ہو۔اور اس میں بجائے حوالوں کی بھر مار کرنے کے سوزو گداز بھر دیئے گئے آہوں کے طُوفان بند کر دیئے جائیں آنسوؤں کے

سمندر سمودیئے جائیں اور درد و اَلم کی تصویر کھینچ دی جائے اور اِس کتاب کو شہید ابن شہید کے پہلے حصّے کے طور پر متعارف کرایا جائے۔ چنانچہ یہ کتاب آپ کے سامنے ہے۔

بحث و تمحیص نقد و نظر تعدیل و جرح اور تبصرہ و مناظرہ کے لئے اِسکے دُوسرے اور تیسرے حِصّہ کو مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اِس حصّہ کے حوالوں کو خُدا کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ اِنشاء اللہ العزیز دُوسرے حصّوں میں قارئین کو حوالوں کے حوالے کر دیا گیا ہے۔

دُعا فرمائیں کہ یزیدیوں کی تردید میں لکھی ہوئی بقیہ کتاب کی طباعت کے سِلسلہ میں اللہ تعالیٰ میری اِمداد اِستعانت فرمائے اور حِفاظت حقِ کے لئے نواسۂ رسول صلّی اللہ عَلَیہِ وآلِہ وسلّم کی رگوں میں مچل جانے والے خُون کے صدقہ سے میری اِس نذر کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

جب اِس صحیفۂ درد کو پڑھتے ہُوئے آپ کی آنکھیں وضو کر رہی ہوں تو مجھے بھی اس عبادت میں شریک کر لینا میری دُعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب صلّی اللہ عَلَیہِ وآلہ وسلّم کے صدقہ سے محبّت حُسین عَلَیہِ السّلام اور مودّت اہلِ بیت مُصطفےٰ نصیب فرمائے اور یزیدیوں کے شر سے مُسلمانوں کے ایمان کو محفوظ فرمائے

قارئین کرام کی خِدمت میں آخری اِستدعا یہ ہے کہ جب کتاب کو آپ ختم فرمائیں تو میرے والدین مرحومین کے لئے دُعا فرمادیں کہ اللہ

تعالیٰ اُن کی قبر کو منّور فرما کر جنّت کا باغ بنا دے۔

آپ میرے والدین کے لئے دُعا کریں میں آپ کے تمام فوت شُدگان کے لئے دُعا کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دِن پرچمِ حُسینؑ علیہ السّلام کا سایہ نصیب فرمائے۔

آمین بجاہِ سیّد المرسلین۔

دُعاگو صائم چشتی

۱۰۔ ذیقعد ۱۳۹۵ھ ء ٭ نومبر ۱۹۷۵ء

شانِ اہلبیت مُصطفیٰ

لِی خَمسَۃٌ اُطفِی بِھَا حَرَّ الوَبَاءِ الحَاطِمَۃ
اَلمُصطَفیٰ وَالمُرتَضیٰ وَابنَاھُمَا وَالفَاطِمَۃ

بیدمؔ یہی تو پانچ ہیں مقصودِ کائنات
خیرُ النساء حُسینؑ و حَسنؑ مُصطفیٰؐ علیؑ

﴿بیدم وارثی﴾

جن کی مدح وستائش اور تعریف وتوصیف قُرآن بیان کرے انسان اُن کی تعریف کا کیا حق ادا کرسکتا ہے گُلستانِ رسالت کی بہاروں اور چمنستانِ نبّوت کے پھُولوں کے حضُور میں کون سے عقیدت کے پھُول پیش کرنے کے قابل ہوسکتے ہیں۔

آفتابِ عالم کی درخشندہ کرنوں کے حضُور ایک حقیر ذرّہ کیا نذر پیش کرسکتا ہے۔میں تو اہلِ بیت رسول صلّی اللہ علَیہِ وآلِہ وسلّم کے دروازے کا حقیر سگ ہُوں۔

مالکوں کی توجہ مبذول کرانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا رہتا ہوں

شاید کبھی رحم کھا کر کرم کا ٹکڑا ڈال دیں اور میری نجات ہو جائے۔بس اس کے سوا اور کیا ہے اس چمنستانِ کرم کی پُوری پُوری تعریف تو خُدا ہی کرسکتا ہے

اھلِ بَیت سے محبّت کرو

خُداوندِ قدوس نے اپنے محبوب کریم عَلَیۂِ الصّلوٰۃُ وَالتّسلِیم کو اِرشاد فرمایا محبوب اِعلان فرمادیجئے کہ ہم نے تمہیں گمراہی اور ضلالت سے نِکال کر ہدایت کا راستہ دکھایا ہے۔اور ہم تجھ سے اپنے حقّ تبلیغ یہ مانگتے ہیں۔کہ ہماری اہلِ بَیتِ اطہار سے محبّت کرو مودّت کرو۔

قُل لَا اَسْئَلُکُم عَلَیۡہِ اَجراً اِلّا اَلمَوَدّۃَ فِی اَلقُربیٰ

﴿سُورۃ شوریٰ آیت ۲۳﴾

صحابہ کرام رضوان اللہ عَلَیہِم اَجمعین نے خُداوند تعالیٰ کا یہ حُکم سُنا تو دربارِ مُصطفےٰ میں عرض کیا

یَا رَسُول اللّٰہ مَنۡ قَرابَتِکَ ہٰؤلاءِ الّذِین و جیت علینا مَوَدّتھم

یارسول اللہ صلّی اللہ عَلَیۂِ وآلہٖ وسلم ہمیں فرمادیا جائے کہ آپ کے وہ کون قریبی ہیں جن کی محبّت ومودّت ہم پر واجب کردی گئی ہے۔

امام الانبیاء صلّی اللہ عَلَیۂِ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔

علی و فا طمہ والحسن والحسین وابناء ھما

یعنی علیؑ فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ اور ان کے بیٹے

دوسری روایت

دُوسری روایت میں ہے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم من قرابتک والذین نزلت فیهم الآئة

یارُسول اللہ صلّی اللہ عَلَیہ وآلہ وسلّم وہ آپ کے کون قریبی ہیں جن کے حقّ میں یہ آیت نازل ہوئی ہے

تو اِمام الانبیاء نے فرمایا۔

علی و فاطمة و ابناهما

یعنی علی فاطمہ اور ان کے بیٹے

﴿تفسیر جلالین مِصری ج ۲ ص۔۳۲﴾

﴿تفسیر مدارک ج ۴ ص ۱۰۵﴾

﴿تفسیر کبیر ج ۷ ص ۳۹۰﴾

﴿تفسیر ابنِ جریر ج ۲۵ ص ۱۴﴾

﴿تفسیر خازن معالم ج ۴ ص ۱۲۲﴾

﴿تفسیر صاوی ج ۱ ص ۱۴۲﴾

﴿تفسیر حقّانی ج ۳ ص ۱۱۸﴾

﴿صواعق محرقہ ص ۱۱۸﴾

﴿زُرقانی علی المواہب ج ۳ ص ۷﴾

یہ آیت صحابہ کے حق میں نہیں

کُچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیت کریمہ صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی شامل ہے مگر یہ خیال درست نہیں۔

اہل بیت کے خصائص صحابہ کے لئے نہ بھی ثابت کیۓ جائیں تو جب بھی صحابہ کی شانِ وفضیلت بہت بلند و بالا ہے۔ اِس آیت کریمہ میں صحابہ کرام کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے حقِّ تبلیغ مانگنے کے لیۓ اِرشاد فرمایا ہے اور پھر صحابہ کے پُوچھنے پر سرکارِ دو عالم صلّی اللہ عَلَیۡہِ وَآلہ وسلّم نے پُوری پُوری وضاحت فرمادی ہے کہ تمُہاری محبّت مودّت کے حقدار جناب عَلی کرم اللہ وجہہ الکریم، جناب، فاطمۃَ الزّہرا اور جناب حَسنَین کریمین سلامُ اللہ عَلَیہم اجمعین ہیں۔

کیا بات رضاؔ اِس چمنستانِ کرم کی
زُہرا ہے کلی جس کی حُسین اور حَسن پھول

﴿اعلیٰ حضرت بریلویؒ﴾

صاحبِ قُرآن اور تفسیرِ قُرآن

قرآن اِمام الانبیاء صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر نازل ہوا، اور آپ ہی نے اس کی تفسیر فرمادی پھر تاویلوں کی کیا ضرورت ہے۔ حضور صاحبِ قُرآن ہیں جس کے لیے جو چاہیں اِعزاز مخصوص فرمادیں۔ آپ مالِک ومُختار ہیں، صاحبِ اختیار ہیں

آئتِ تطہیر بلاشُبہ اُمہات المومنین رضی اللہ تعالی عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔ مگر صاحبِ قُرآن رسول ہاشمی کے لامحدود اختیارات کی وُسعت تو دیکھیے۔ آپ کی حضرت علی وفاطمہ اور حسن و حُسین سے وَالہانہ محبّت وشفقت کا اندازہ تو کیجئے۔

آیت نازل ہوتی ہے۔

اِنَّمَا یُرِیدُ اللّٰہُ لِیُذھِبَ عَنکُمُ الرِّجسَ
اَھلَ البَیتِ وَیُطَھِّرَکُم تَطھِیراً۔ ۞

﴿الاحزاب ۳۳﴾

اے نبی کے گھر والو! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تُم سے ہر آلودگی کو دُور کر کے تمہیں خُوب پاکیزہ کر دے۔

یہ آیت اَزواج و اولاد کے لئے

نزولِ آیت ہوا تو اِمام الانبیاء نے آواز دی عُلی آجاؤ، بیٹی فاطمہ تم

بھی آجاؤ اور حسنؑ و حسینؑ کو بھی ساتھ لیتی آؤ۔

فدعاالنّبی، عَلِی وَفا طِمَه وَالحَسَنؑ وَالحُسینؑ۔

چاروں نفوسِ قُدسیہ حاضر ہو گئے۔ امام الانبیاء نے ایک طرف حضرت علی کو بٹھایا۔ دُوسری طرف جنابِ فاطمہ کو بٹھایا۔ جنابِ حسنؑ و حسینؑ کو گود میں لیا اور شانِ مزّمل کی حامِل کملی مقدّس میں سب کو چُھپا لیا اور ربّ عالم کی بارگاہ میں دعا کی۔

اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلاءِ اَھلُ البَیتِی فَاذْھب عَنْھُم الرجس وَمُطَّھرھُم تَطْھِیراً۔

یا اللہ یہ میرے اہلِ بیت ہیں تو اِن سے ہر آلُودگی کو دُور فرما کر خوب پاکیزہ فرما دے۔

آیتِ تطہیر حضرت اُمّ سلمہ کے گھر میں نازل ہوئی تھی اور وہیں پر ہی یہ بزمِ نُور سجائی گئی تھی۔ اُمّ المؤمنین اُمِّ سَلمہ نے یہ کیف پرور اور نُور بیز سماں دیکھا تو آگے بڑھ کر دَربارِ رسالت میں عرض کیا۔

اَنَا مَعَھُم یَا رَسُول اللّٰه؟

یا رسول اللہ صلّی اللہ علیکَ وسلّم میں بھی اِس بزمِ نُور میں شامل ہوں۔ تو امام الانبیاء صلّی اللہ عَلَیہِ وآلہ وسلّم نے تالیفِ قلبی فرماتے ہُوئے فرمایا۔ اُمّ سلمہ تم خیر پر ہو اور اپنے مقام پر ہو۔

انت علی مکانک انت علی الخیر۔

آیت مقدسہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب گھر والوں کے لئے عام حکم فرمادیا ہے اس لئے اِس میں کسی کو بھی خارج نہیں کیا جاسکتا۔

دُعا کے لئے اِمام الانبیاء صلّی اللہ علیہ وآلِہ وسلّم نے صرف چار ہستیوں کو انتخاب فرمایا ہے۔ اِس تخصیص کو توڑا نہیں جاسکتا۔

یُوں تو آپ پُوری کائنات کے لئے رحمت بن کر آئے ہیں۔

صحابہ کرام ہوں یا آپ کی اُزواجِ مطہّرات آپ کی نگاہِ رحمت وشفقت نے ہر ایک کو نوازا ہے۔

ہر ایک کی تالیفِ قلبی فرمائی ہے جو جو بھی آپ کے حلقۂ رحمت میں آ گیا فضیلتوں کا پیکر بن گیا۔

☆ ذرّہ تھا تو آفتاب بن کر چمکنے لگا،

☆ قطرہ تھا تو بحرِ بیکراں بن گیا۔

☆ کانٹا تھا تو پُھول بن گیا۔

☆ پتّھر تھا تو لعل والماس بن گیا۔

☆ غُلام تھا تو آقا بن گیا۔

☆ شقی تھا تو سعید ہو گیا۔

☆ مقتدی تھا تو امام بن گیا۔

☆ فقیر تھا تو غنی ہو گیا۔

☆ ناپاک تھا تو پاک ہو گیا۔

☆ اُبوبکر تھا تو صدّیق ہو گیا۔

☆ عُمر تھا تو فاروق ہو گیا۔

☆ عُثمان تھا تو ذُوالنُّورَین ہو گیا۔

☆ راہزن تھا تو رہنما ہو گیا۔

☆ حَبشی تھا تو قَرشیوں کا سَردار ہو گیا۔

☆ اِعرابی تھا تو صَحابی ہو گیا۔

☆ رحمت سے دُور تھا تو قریب ہو گیا۔

دُشمن تھا تو حبیب ہو گیا۔ اَلغرض مُحمّد عربی کی جس جس پر بھی نگاہ اِلتفات پڑتی گئی اسے مہرِ عَالم تاب بناتی گئی۔ جس کسی کے بھی فضائل پڑھو یُوں معلوم ہوتا ہے کہ تمام تر اعزازات اسی کو تفویض کو دیئے گئے ہیں۔

خاص اعزاز

مگر کملی میں آنے والے چاروں نفوسِ قُدسیہ تمام کائناتِ عالم سے ایک خاص اور علیحدہ شان کے مالک ہیں۔ جس قسم کی محبّت اِمام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اِن چاروں سے تھی اُس میں کوئی بھی ان کا شریک و سہیم نہیں۔

محبّت کا راز

کبھی آپ نے اِس بات پر بھی غور کیا ہے کہ قُرآن نے ان سے

محبّت کرنے کا حکم کیوں دیا ہے۔ خُدا نے کیوں حُکم فرمایا ہے کہ، محبوب! اہلِ ایمان سے مطالبہ کیجئے۔ کہ میری اہلِ بیت سے محبّت کیجئے۔ اِس میں راز یہ تھا کہ اِمام الانبیاء صلّی اللہ علیہٖ وآلہٖ وسلّم کو اِن سے والہانہ محبّت تھی۔

سرورِ انبیاء خُدا کے محبوب تھے۔ خُداوندِ کریم کو رسول کریم سے محبّت تھی رسول کریم کو علی و فاطمہ اور حسنؑ و حسینؑ سے محبّت تھی۔ حضُور خُدا کے محبّ تھے۔ یہ چاروں حضُور کے محبوب تھے۔ محبوب کی محبوب چیز سے دوہری محبّت ہوتی ہے۔

حضُور نے عرض کیا۔ یا اللہ میں تیرا محبوب ہُوں اور یہ میرے محبوب ہیں تو بھی ان سے محبت کا فرما خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ محبوب میں تو ان سے محبت کرتا ہوں میری محبت کا تقاضا یہ ہے کہ جن سے تو محبت کرتا ہے میرے خاص بندے بھی ان سے محبت کریں اس لئے **مَوَدّۃ فِی القُربٰی** کا اِعلان فرما کر وضاحت کر دیجئے کہ آپ کے محبوب قریبی کون لوگ ہیں۔

سرکار کے اعلانات

یہ کوئی مفروضہ یا اندھی عقیدت کا سیلاب نہیں بلکہ ایک نا قابلِ تردید حقیقت اور ارشادات رسول صلّی اللہ علیہٖ وآلہٖ وسلّم ہیں جن کی روشنی میں ظاہر ہوتا ہے کہ اِمام الانبیاء صلّی اللہ علیہٖ وآلہٖ وسلّم کو اِن چاروں سے منفرد قسم کی محبّت تھی چند روایات ملاحظہ ہوں۔

عن ابی ھریرۃ قال نظر النّبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الیٰ علی والحسن والحسین والفاطمۃ فقال انا حرب عن حاربکم سلم لمن سالمکم

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حضرت علیؑ و فاطمہ اور حسن و حسین کی طرف دیکھ کر فرمایا ہماری اُس سے لڑائی ہے جو ان سے لڑے گا اور اُس سے صلح ہے جو ان سے صلح رکھے گا۔

البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۰۵

سب سے زیادہ محبت

آپ سے پوچھا گیا یارسول اللہ آپ کو اہلِ بیت میں کس کے ساتھ زیادہ محبت ہے آپ نے فرمایا حسن و حسین سے۔

اِنَّہٗ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِکٍ یَقُوْلُ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم اَیُّ اَھْلِ بَیْتِکَ اَحَبُّ اِلَیْکَ قَالَ الْحَسَنُ وَالْحُسَیْنَ

محبّت والوں سے محبت بغض والوں سے بغض

پھر فرمایا جو ان سے محبّت رکھے گا ہم اُس سے محبّت رکھیں گے جو اِن سے بُغض رکھے گا ہم اس سے

عداوت رکھیں گے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من احبھما فقد احبنی و من البغضھما فقد البغضنی یعنی حسنا و حسینا من احب الحسن والحسین فقد احبنی ومن یغضبھما اغبنی

یہ روایتیں چاروں نفوس قدسیہ حضرت حسن و حسین علیہم السلام کے لئے تھیں۔اب حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کیلئے روایت ملاحظہ فرمائیں۔

سیدہ فاطمہ اور حضرت علی سے محبت

عن عبد اللہ عن ابیہ قال کان حب النساء انی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمۃ ومن الرجال علی

ترجمہ !

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں میں سب سے زیادہ محبت فاطمہ سے فرماتے تھے اور مردوں میں علی کے ساتھ۔

سب سے زیادہ محبت سیدہ فاطمہ سے

اور جب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے

ان کے بھتیجے ربیع بن عمیر نے پوچھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ محبت کس کے ساتھ فرماتے تھے۔

قالت فاطمة فرمایا فاطمہ سے پوچھا مرد (؟) سے؟ فرمایا زوجھا۔ ان کے شوہر سے ایک اور روایت میں ہے کہ جب امام الانبیاء سے پوچھا گیا آپ سب سے زیادہ محبت کس سے فرماتے ہیں۔

تو آپ نے فرمایا !

فاطمة احب الی منک انت عزالی منها قاله لعلی

پھر ایک فیصلہ کن ارشاد فرمایا !

احب اهلی انی فاطمة

ہمیں سب اہل بیت سے زیادہ محبت فاطمہ کے ساتھ ہے۔

بیٹی سے محبت کی معراج

کسی شخص نے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں ریشمی چادر پیش کی آپ نے حضرت علی علیہ السلام کو فرمادی حضرت علی علیہ السلام وہ چادر پہن کر دربار مصطفےٰ میں آ گئے۔ امام الانبیاء نے علی کو چادر پہنے دیکھا تو رخ انور متغیر ہو گیا۔ علی مزاج شناس رسول تھے فوراً سمجھ گئے۔ عرض کیا حضور اس کا کیا کروں؟

آپ نے فرمایا کہ اسکے ٹکڑے کر کے فاطمہ نام کی عورتوں میں تقسیم

کردو۔ اسے رسول پاک کی بیٹی کے ساتھ محبت کی معراج کہا جا سکتا ہے ۔آپ کو اپنی بیٹی کی ذات سے ہی نہیں نام سے بھی محبت ہے۔رسول کریم بتانا چاہتے تھے کہ میری بیٹی کی ہمناموں کو بھی انعام و اکرام سے نواز جائے۔

عن علی اکیدر ادومۃ اھدی الی النبی علی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثوبا حریرا فا عطاہ علیا۔فقال اشققہ خمرا بین الفواطم

سید ہ کی غضبنا کی

اور بیٹی سے اپنے والہانہ ربطہ و تعلق کا اظہار آپ اس طرح بھی فرماتے ہیں کہ،، فاطمہ میرا ٹکڑا ہے۔جس نے اسے غضبناک کیا اس نے ہمیں غضبناک کیا۔جس نے انہیں ایذا دی۔اس نے ہمیں ایذا دی۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۲۔قال فاطمۃ بضعۃ منی فمن اغضبھما اغضبنی وفی روائۃ یر ینی ما ارابھا ویوذ ینی ما اذاھا۔

خدا غضبناک ہو جاتا ہے

یہی نہیں بلکہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ فاطمہ کے غضبناک ہونے سے خدا غضبناک ہو جاتا ہے اور اس کے راضی ہونے سے خدا راضی ہو جاتا ہے۔

ان الله یغضب بغضب فاطمه و یرضی برضا ھا۔

جو سیدہ کو ایزا دیتا ھے

تاجدار دو عالم کی اپنی بیٹی سے محبت ایسی محبت ہے جس کی مثال دنیا میں موجود ہی نہیں ۔ آپ فرماتے ہیں ۔ فاطمہ میرا ٹکڑا ہے۔ فاطمہ میرا دل ہے۔ فاطمہ میری روح ہے ۔ جو اس کو ایذا دیتا ہے ۔ وہ مجھ کو ایذا دیتا ہے ۔ اور جو مجھے ایذا دیتا ہے۔ وہ خدا کو ایذا دیتا ہے۔

وھی بضعة منی وھی قلبی و ھی روحی التی
بین حیتی من اذاھا فقد اذانی و اذانی
فقد اذی اللہ

اعزاز تو دیکھو

محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کا اعزاز تو دیکھو۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود روح کائنات ہیں لیکن سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو اپنی روح کہتے ہیں ۔ روح کائنات کی روح کے مقام کو کون جان سکتا ہے آپ فرماتے ہیں میری بیٹی کے غضبناک ہونے پر خدا غضبناک ہو جاتا ہے ۔ میری بیٹی کو ایذا دینا خدا کو ایذا دینا ہے۔

ھم پوچھتے ھیں کہ

امام حسن علیہ السلام کو زہر دینے والے پر امام الانبیاء کی بیٹی ناراض

ہوگی یا خوش؟

کربلا کے تپتے ہوئے صحرا میں اپنے جگر گوشوں کے ٹکڑے کرنے والوں پر آپ غضبناک ہوئی ہیں یا نہیں؟

اپنی بیٹی کے ہاتھوں میں زنجیریں دیکھ کر آپ کو ایذا ہوئی ہوگی یا نہیں؟

حُسین علیہ السلام کی لاش پر گھوڑے دوڑاتے دیکھ کر آپ کو تکلیف پہنچی یا نہیں؟

اور اگر آپ کو واقعی اذیت ہوئی اور آپ کو تکلیف پہنچی ہے تو پھر نصِ حدیث کے مطابق سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو ایذا دینا رسول اللہ کو ایذا دینا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا خدا کو اذیت دینا ہے، اور قرآن میں آتا ہے جس نے خدا اور رسول کو اذیت دی اس پر اللہ کی لعنت ہے۔

جو اللہ کو ایذا دیتے ھیں

ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا ولآخرۃ واعد لھم عذاباً مھیناً (احزاب آیت ۵۷)

ترجمہ!

بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو اللہ کی لعنت ہے ان پر دنیا اور آخرت میں ہیں۔ اور اللہ نے ان کے لئے عذاب تیار کر رکھا ہے

والذین یؤذون رسول اللہ لھم عذابٌ الیم (التوبہ آیت ۲)

ترجمہ!

اور جو اللہ کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔

یزید کے ہمنواؤں کو کچھ تو شرم آنا چاہیے کہ جس ملعون پر نص قرآن و حدیث سے لعنت کا جواز موجود ہے اس کی صفائی پیش نہ کرتے پھریں۔

بر سبیل تذکرہ ایک بات آ گئی اس حصہ کو ہم نے بحث سے پاک رکھنا

جناب سیدہ کا صبر

جناب سیدۃ النساء العالمین حضرت فاطمۃ الزہرہ سے محبت رسول کونین کا اندازکیا ہی نہیں جا سکتا۔

جناب سیدہ ایک روز نماز پڑھ رہی تھیں، امام الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تشریف لائے، بیٹی قیام میں کھڑی تھی لیکن ضعف ونقاہت کی وجہ سے جسم اقدس لرز رہا تھا۔

بیٹی نے سلام پھیرا، باپ کو تعظیم دی، باپ نے بیٹی کی پیشانی انور کو بوسہ دیا اور ضعف ونقاہت کا سبب پوچھا۔ صابر کی بیٹی تھی، صابر کی بیوی تھی، صابروں کی ماں تھی اور خود بھی صابر تھی، باپ کے سوال پر پریشان ہو گئی۔

شکوہ تو کرنا ہی نہ تھا۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے کائنات لرز کر رہ گئی۔ امام الانبیاء

نے پوچھا تھا جواب تو دینا ہی تھا جھجکتے جھجکتے اور شرما شرما کر حقیقت بیان کر دی۔ ابا جان تین روز سے بھوکی ہوں علی جو کچھ لائے تھے ان کی روٹیاں پکا کر کچھ کھانا بچوں کو کھلایا اور باقی خیرات کر دیا۔ پیٹ پر پتھر باندھنے والے رسول معظم تڑپ کر رہ گئے۔ بیٹی کی نقاہت دیکھی نہ گئی۔ آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے اور پھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے گئے اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا یا اللہ آج کے بعد میری بیٹی فاطمہ کو بھوک نہ ستائے۔

قال اللهم مشبع الجمعة و قاضي الحاجة و رافع الوضعه لا تجيع فاطمة بنت محمد سالتها بعد ذالك فقالت ما جعت بعد ذالك

خدا کے برگزیدا پیغمبر اور محبوب کی دعا تھی کیسے مستر د ہوتی اس دن کے بعد بنت رسول کو کبھی بھوک نے بیقرار نہیں کیا۔

سیدہ فاطمہ کے لئے جنتی لباس

ایک روز امام الانبیاء کی بارگاہ میں چند یہودی عورتیں حاضر ہو کر کہنے لگیں ہمارے گھر شادی ہے۔ اگر آپ کرم فرما کر اپنی بیٹی کو ہماری شادی میں بھیج دیں تو یہ ہم پر احسان ہوگا اور ہمیں فخر حاصل ہوگا کہ رسول خدا کی بیٹی ہمارے گھر تشریف لائی ہیں۔

امام الانبیاء کی نظر دور تک تھی۔ ان کے دلوں کی بات بھی جان لی اور ان کا دل بھی نہ توڑا وعدہ فرمالیا۔

یہودی عورتوں کا خیال تھا شادی کے دن ہم لباس فاخرہ میں ہوں گی۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کے لباس پر پیوند لگے ہوں گے اور ہم ان کا تمسخر اُڑائیں گی۔ کہ یہ مسلمانوں کے رسول کی بیٹی ہے۔

ادھر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹی کو شادی میں شرکت کے لئے حکم دے دیا۔

بنت رسول سوچ میں پڑ گئی۔ اپنے لباس کو دیکھا تو آنسو آ گئے۔

روح کونین لرز کر رہ گئی

حوروں کی چیخیں نکل گئیں

غیرت خداوندی کو جوش آ گیا

جبریل کو حکم دے دیا جبریل جلدی کرو جنت سے کپڑوں کا جوڑا لے کر میرے محبوب کی بیٹی کے حضور میں پیش کرو

جبریل نے جنت کا جوڑا لیا اور چند لمحوں بعد رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں پیش کر دیا

آپ نے وہ جوڑا سیدہ کو دیتے ہوئے فرمایا

بیٹی ! یہ جنت کا جوڑا جبریل لایا ہے اسے پہن کر تمہیں شادی میں شرکت کرنا ہے۔

سیدہ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ یہ کونیا جوڑا پہننے کا کوئی شوق نہیں تھا بس یہی غم تھا یہودنیں طعنہ دیں گی ابا جان کی عزت پر حرف آئے گا آپ نے

وہ جوڑا پہنا اور شادی والے گھر میں تشریف لے گئیں وہاں یہودی عورتوں نے پوری تیاری کر رکھی تھی اور سب زرق برق لباسوں میں ملبوس تھیں۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہزدی کو دیکھا تو ہکا بکا رہ گئیں سارا پروگرام دھرے کا دھرارہ گیا سیدہ کے لباس کا تمسخر کیا اڑاتیں خود تمسخر بن کر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں انہوں نے خواب میں بھی ایسا لباس نہیں دیکھا تھا سیدہ کے لباس کو بوسے دینے لگیں آپ کے ہاتھ چومنے لگیں۔

یھودی عورتوں کی کیفیت

اب پہلا خیال ذہنوں سے نکل گیا تھا عورتوں کی نفسیات ہی ایسی ہے اپنے سے بہتر زیور اور لباس والیوں کو دیکھ لیں تو یا تو حسد سے جل جاتی ہیں اور یا کسر نفسی کا شکار ہو جاتی ہیں یہودی عورتیں کسر نفسی کا شکار ہو گئیں وہ کنیزوں کی طرح آپ کے آگے پیچھے پھرنے لگیں؟

آپ شہزادیوں کی طرح ایک جگہ بیٹھ گئیں یہودنوں نے سوال کیا آپ نے یہ جوڑا کہاں سے لیا؟

آپ نے فرمایا اپنے باپ سے انہوں نے پوچھا آپ کے باپ کو کس نے دیا؟

فرمایا جبریل سے!

پوچھا جبریل کہاں سے لائے؟

فرمایا جنت سے!

انہوں نے کہا ہم گواہی دیتیں ہیں کے سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور پھر ان کے شوہر بھی مسلمان ہو گئے۔

مختصر عربی متن ملاحظہ ہوا !

فنزل الجبريل بحله من الجنة فلما بستها و اتذرت و جلست بينهن رفعت الانوار فلمعت انوار فقالت النساء من اين لك هذا يا فاطمة

فقالت من ابی !

فقلن من اين لا بيك ؟

قالت من جبريل ۔

قلن من اين الجبريل ؟

قالت! من الجنت فقلن نشهد ان لا اله الا الله محمد رسول الله ۔فمن اسلم زوجها

* نزهته المجالس ج ۲ص۲۲۲*

بنت رسول کی حیات طیبہ پر میں نے دو کتابیں لکھی ہیں۔ایک پنجابی اشعار میں ہے اس کا نام خاتون جنت ہے۔

ایک اردو نثر میں ہے اس کا نا البتول ہے یہ خاندان نبوت کا کرم

ہے جو مجھ سے یہ خدمت لے رہے ہیں ورنہ من آنم کہ من دانم۔

یہ کتاب امام عالی مقام حسین علیہ السلام کی حیات طیبہ اور واقعہ کربلا کیلئے مخصوص ہے۔اس لئے سیدۃ النساء العٰلمین کے تفصیلی حالات پڑھنے کے لئے مندرجہ بالا کتابوں کا مطالعہ کریں۔اس کتاب میں بھی آپ کا اور جناب حیدر کرار کا ضمناً ذکر ضروری تھا۔آپ شہزادۂ کونین کے والدین ہیں ۔ماں باپ کا رنگ اولاد سے ظاہر ہوتا ہے۔اس لئے مختصر طور پر یہ تعارف پیش کیا جارہا ہے

جنتی عورتوں کی سردار

امام الانبیاء نے فرمایا۔میری بیٹی دونوں جہان کی عورتوں کی سردار ہے۔دوسرے مقام پر فرمایا۔میری بیٹی جنت کی عورتوں کی سردار ہے۔

فاطمۃ سیدۃ النساء العٰلمین

فاطمۃ سید النساء اھل الجنۃ

دونوں صورتوں میں ہی تمام عورتوں پر سیدۃ النساء العالمین کی سرداری مسلم ہے کوئی عورت خواہ وہ کتنے ہی بلند مرتبے پر فائز ہو محمد عربی کی بیٹی کی کنیز ہے۔اور یہ شان امام الانبیاء نے خود اپنی بیٹی کے لئے مخصوص فرمائی ہے۔

حضور سے سیدہ کی مشابہت

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں نے گفتار و کردار میں سیدہ فاطمۃ الزہرا سے زیادہ رسول کریم کے ساتھ کسی کی مشابہت نہیں دیکھی۔ آپ صورۃ بھی حضور کی تصویر تھیں اور معناً بھی۔

حضور سیدہ کا استقبال فرماتے

جب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرہ بتول میں تشریف لاتے تو سیدہ آپ کی تعظیم کے لئے کھڑی ہو جاتیں۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیکر بیٹھ جانے کا حکم فرماتے۔ اور جب سیدہ حجرہ رسول میں حاضر ہوتیں تو امام الانبیاء اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کر آپ کا استقبال کرتے، مرحبا فرماتے، پیشانی کو چومتے اور بیٹھ جانے کا حکم فرماتے۔

عن عائشة بنت طلحة ممن ام المومنين
عائشه رضى الله تعالىٰ عنها قالت مارايت
احد كان اشبه كلام وحديثامن فاطمة برسول
الله صلى الله عليه وآله وسلم وكانت اذا
دخلت عليه اُحب بها وقام اليها فا اخذ بيدها
فقبلها واجلسها فى مجلسه

اللہ اکبر یہ ہے شان بتول سلام اللہ علیہا جس پیغمبر اعظم کی تعظیم وتکریم کے لئے انبیاء کرام کھڑے ہو جاتے ہیں وہ نائب رب اکبر سیدہ فاطمہ کا اٹھ کر استقبال کرتے ہیں

محبت و شفقت کی انتہا

یہ محبت وشفقت کی انتہا ہے۔ روائتوں میں آتا ہے کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیٹی کو سونگھا کرتے تھے اور فرماتے تھے اس سے جنت کی خوشبو آتی ہے۔

بنت رسول سیدہ زہرا بتول کے ساتھ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت تو وہ بحر بے کنار ہے۔ جس کا کنارا تلاش ہی نہیں کیا جا سکتا اسی طرح سیدہ پاک کے فضائل اور عظمتوں کا احاطہ واستعیاب ناممکن الامر ہے اور سیدہ کے ساتھ ساتھ آپ کے بیٹوں اور شوہر کے ساتھ بھی امام الانبیاء کی محبت عظیم ترین خصوصیتوں کی حامل ہے نجران کے چودہ ۱۴ عیسائی دربار رسالت میں مناظرہ کے لئے حاضر ہوتے ہیں مدینۃ العلم سے گفتگو کی تو تمام علم بھول گئے لیکن ضد میں اڑ گئے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا محبوب ان کے ساتھ مباہلہ کریں مباہلہ میں دونوں فریق ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ جھوٹے کو فنا کر دیتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے فرمایا !

فقل تعالوا ندع ابناء نا وابناء کم ونساء نا ونساء کم و انفسنا وانفسکم ثم نبتهل فنجعل لعنة الله علی الکاذبین

محبوب انہیں فرما دیجئے کہ ہم تم بلائیں اپنے

بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری
عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ
کریں اور جھوٹوں پر لعنت کریں۔

یہ اہل بیت ہیں

آپ نے خدا کا ارشاد فرمودہ اعلان فرما دیا۔ اور جناب علی علیہ السلام سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسن علیہ السلام، و حسین علیہ السلام، کو ساتھ لے کر بارگاہ خداوندی میں عرض کیا۔

یا الٰہی! یہ میرے اہل بیت ہیں۔

ہم اس بحث میں نہیں الجھیں گے کہ آپ نے **نساء نا** میں ازواج مطہرات کو کیوں شامل نہیں فرمایا اور **انفسنا** میں دیگر صحابہ کبار کو کیوں نظر انداز کر دیا ہم اس بحث میں بھی نہیں جائیں گے جو یزید نوازوں نے آجکل شروع کر رکھی ہے کہ مباہلہ تو ہوا نہیں تھا۔ عیسائیوں کے ساتھ تو ان کی عورتیں اور بیٹے آئے ہی نہ تھے اس لئے کہ ہمیں کتاب کے اس حصہ کو تمام تر مباحث سے بچانا ہے یزیدیوں کے لئے صرف ایک بات ہے کہ تم یہ سوال خدا پر کرو اور اچھی طرح پوچھو کہ یا اللہ عیسائیوں کی عورتیں اور بچے تو وہاں موجود ہی نہیں تھے۔ پھر یہ کیسے کہہ دیا کہ محبوب ان کو فرما دیجئے کہ اپنی عورتیں اور بچے لے کر آؤ۔

ہر قسم کی بحث کو چھوڑتے ہوئے آپ رسول خدا کی جناب علی وفاطمہ حضرات حسنین کریمین علیہم السلام سے محبت کا کمال دیکھیں کہ جب بھی فضیلت کا کوئی موقعہ آتا ہے تو آپ انہی کو یاد فرماتے ہیں۔

عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنه قال لما نزلت هذه الا ئة۔فقل تعا لوا ندع ابناء نا وابناء كم۔دعا رسول الله صلی الله عليه وآله وسلم عليا وفا طمة وحسنا وحسينا فقال اللهم هو لاء اهل البيتی۔

﴿مسلم شریف ج ۲ ص ۲۷۸﴾ ﴿ترمذی شریف ج ۲ص ۲۳۶﴾
﴿ریاض النضرہ ج۲ ص ۲۴۸﴾ ﴿الصواعق المحرقہ ص ۱۰۷﴾
﴿المستدرک ج ۲ ص ۵۹۴﴾ ﴿نسیم الریاض ج ۲ص ۲۶۷﴾

ترجمہ!

حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت مباہلہ نازل ہوئی تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی وفاطمہ اور جناب حسن وحسین کو بلا کر فرمایا۔ یا اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔

حدیثِ مُصطفی

حضرت شعبی حضرت جابر رضی اللہ عنہ، سے روایت کرتے ہیں کہ **اَنْفُسَنَا** سے مراد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ، الکریم ہیں۔

نساء نا سے مراد جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا ہیں۔

ابناء نا سے مراد حسن اور جناب حسین علیہم السلام ہیں۔

قال جابرٌ انفسنا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وعلى ابناء ناالحسن ولحسين ونساء نا فاطمة رضى الله عنها۔

﴿دلائل النبوت ج ۱ ص ۲۹۸﴾ ﴿درمنشور ج ۲ ص ۳۸﴾

﴿معالم التنزیل دخازن ج ۱ ص ۱۶۳﴾ ﴿ابن کثیر ج ۱ ص ۳۷۱﴾

﴿کبیر الرازی ج ۲ ص ۴۹۹﴾ ﴿فتح الباری ج ۲ ص ۵۳﴾

﴿ابوسعود ج ۲ ص ۶۹۸﴾ ﴿عرائس البیان ج ۱۲ ص نمبر ۳۵۱﴾

﴿المدارک ج ۱ ص ۱۶۱﴾ ﴿الاتقان ج ۲ ص نمبر ۲۰۰﴾

﴿زادالمعاد ج ۱ ص ۴۹۱﴾ ﴿تاریخ الخلفاء ص نمبر ۱۱۵﴾

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارگاہ خداوندی میں یہ عرض کرنے کے بعد کہ یا اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔

قافلہ نور کی آمد

چاروں نفوس قدسیہ کو ساتھ لے کر اس شان سے باہر تشریف لاتے ہیں کہ آگے آگے آپ ہیں امام عالی مقام امام حسین کو گود میں اٹھایا ہوا ہے۔ امام حسن علیہ السلام انگلی پکڑے نانا کے ساتھ جا رہے ہیں جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا آپ کے پیچھے ہیں اور سب کے پیچھے حضرت علی

کرم اللہ وجہہ آ رہے ہیں۔

کسی شان کا یہ قافلہ نور ہے اور کس قدر اہتمام ہے سیدۃ النساء العالمین خاتون قیامت جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے پردے کا کہ نقش قدم کو بھی پردہ دیا جا رہا ہے

امام الانبیاء کے نقش قدم پر جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا قدم رکھتی ہیں اور جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کے نقش قدم پر حضرت علی علیہ السلام کا قدم آتا ہے۔ نیچے ابا جان کا نشان قدم ہے۔ اور اس طرح سید العالمین کی صاحبزادی کا نشان قدم پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ جسے نہ زمین دیکھ سکے اور نہ آسماں دیکھ سکے۔

امام الانبیاء نے حضرت علی علیہ السلام اور جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کو فرمایا جب میں دعا مانگوں تو تم آمین کہنا۔

روایت کا عربی متن یہ ہے۔

قد احتض الحسن و اخذ بيد الحسين و فا طمة تمشی خلفه وعلياً يمشی خلفها و يقول النبی صلی الله عليه و آله وسلم اذا دعوت فا آمنو.

﴿نور الابصار ص ۱۱۱﴾

جب اس قافلہ نور کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا تو عیسائیوں کے ایک سردار نے اٹھ کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔

اے گروہ نصاریٰ! میں جن صورتوں کو دیکھ رہا ہوں۔

اگر یہ دعا کر دیں کے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو وہ یقیناً اپنی جگہ چھوڑ دے گا

اگر انہوں نے بد دعا کر دی تو کوئی عیسائی قیامت تک زمین پر باقی نہیں رہے گا اور تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

عیسائیوں کا مباہلے سے فرار

قال اسقف یا معشر النصاریٰ انی لاریٰ وجوھا لو سئا لو اللہ ان یزیل جبلا من مکانہ لا زالہ من مکانہ لا زالہ فلا تبتھلوا فھلکوا ولایبقی علی الارض نصرانی الیٰ یوم القیامۃ

﴿نورالابصار ص ۱۱۱ اشعۃ اللمعات ص ۶۸۲﴾

عیسائی اپنے سردار اسقف کی بات سن کر مباہلے سے رک گئے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

والذی نفسی بیدہ ان العذاب تدلی علی اھل نجران ولو لالا عنوا لمسخو اقردۃ وخنا زیر ولا ضطرم علیھم

﴿اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۶۸۲﴾

اللہ نجران واھلہ حتیٰ الطیر علی الشجر و لھا حال الحول علی النصاری کلھم حتیٰ ھلکوا

ترجمہ! ﴿معارج النبوت ج ۴ ص ۳۰۶﴾

قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے اگر ہم
ان لوگوں پر لعنت کر دیتے تو ان کی صورتیں مسخ ہو جاتیں اور یہ بندر اور خنزیر
بن جاتے ان کا شہر نجران تباہ ہو جاتا اور وہاں کے شہری جل جاتے اور آگ
کی ایسی بارش ہوتی کے درختوں پر پرندے بھی جل جاتے اور کلہم عیسائی
ہلاک ہو جاتے ہیں۔

چاروں نفوس قدسیہ کی شان

ہم تفصیل میں نہیں جائیں گے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بد دعا کی تاب کون لاسکتا ہے ان سے بغض رکھنے
والا تو فنا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو ان سے محبت اور دوستی رکھنے
کا حکم اللہ رب العزت نے کتاب مقدس کے ذریعے لوگوں تک پہنچایا ہے
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام اہل بیت خواہ وہ سکنی ہو یا نسبی یا
سلمان فارسی کی طرح کسی کو شامل کر لیا گیا ہو سب اپنے اپنے مقام پر شان
والے ہیں مگر جن کو ہر مقام پر اعلیحدہ کر کے حضور فرماتے ہیں اور وہ یہی
چاروں نفوس قدسیہ ہیں یعنی علی و فاطمہ حسن و حسین علیہم السلام۔

...ی اہل بیت ہیں

آیت مودّۃ اتری تو آپ نے صحابہ کے جواب میں فرمایا کہ یہی وہ میری اہل بیت ہے جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے مودّۃ کا حکم دیا ہے آیت تطہیر نازل ہوئی تو آپ نے انہی چاروں کو کملی میں چھپا کر دعا فرمائی۔

اللھم ھؤلاء اھل البیتی

یا اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔

آیت مباہلہ نازل ہوئی تو آپ نے پھر ان چاروں کو ہی بلایا اور مباہلے کے لئے تشریف لائے اور کہا۔

اللھم ھؤلاء اھل البیتی

یا اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔

چاروں کی خصوصیت

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر ان چاروں کی جگہ اور ہر مقام پر تخصیص فرماتے ہیں تو اس میں حیرت کی بات نہیں ان سے آپ کی نسل قائم ہونا تھی ان کی نسل میں ہزاروں لاکھوں غوث قطب ابدال اوتاد اور ولی پیدا ہونے تھے اپنی نسل کی افزائش کون نہیں چاہتا۔

ان اعطینک الکوثر

کفار مکہ کا سب سے بڑا طعنہ تھا محمد عربی ﴿صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم﴾ تو ابتر ہیں ان کے اولاد نرینہ نہیں ہے۔

یہ منقطع النسل ہیں غیرت خداوندی کو ہوش آ گیا فرمایا محبوب یہی لوگ منقطع النسل اور ابتر ہیں۔

ہم نے آپ کو خیر کثیر سے نواز رکھا ہے۔

انا عطینک الکوثر ہ فصل لربک والنحر،
انا شانئک ھو الابتر (قرآن مجید)

﴿سورۃ الکوثر پارہ عم﴾

امام الانبیاء فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء کی نسل ان کے بیٹوں سے شروع ہوئی اور میری نسل میری بیٹی سے شروع ہوگی۔

لکل نبی ام عصبۃ ینتمون الاّ النبی فاطمہ
فانا ولیھما وعصبتھما

﴿المستدرک ج ۳ ص ۱۶۴﴾

پھر فرمایا تمام نبیوں کا سلسلہ نسل ان کی اپنی پشت سے چلا لیکن میری اولاد کا ظہور پشت علی سے ہوگا۔

ان اللہ تعالیٰ جعل ذریۃ کل نبیٍّ فی صلبہ
وجعل ذریتی فی صلبہ علیؑ ابن ابی طالب۔

﴿جامع الصغیر ج ۱ ص ۴۹﴾

سلسلہ نسب منقطع نہیں ہو گا

ایک جگہ فرمایا قیامت کے دن تمام دنیا کا سلسلہ نسب منقطع ہو جائے گا لیکن میرا سلسلہ نسب و سبب منقطع نہیں ہوگا۔

ان الانساب تنقطع یوم القیا مة غیر النسبی وسبلبی وصھری

﴿المستدرک ج ۳ ص ۱۵۴﴾

﴿جامع الصغیر ج ۲ ص ۷۴﴾

امام الانبیاء اگر اہل بیت کرام میں سے ان چاروں کی تخصیص فرماتے ہیں تو اس تخصیص کی وجہ بھی بہت بڑی ہے نسل مصطفےٰ کا جاری ہونا کائی معمولی بات نہیں اس نسل پاک کا جس نے تقدیر عالم کو بدلنا ہے جو سید الانبیاء کے لئے وجہ افتخار ہے اور جو کفار و مشرکین کے طعنوں کا جواب ہے۔

کتاب اللہ اور اہل بیت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اس نسل پاک کے متعلق حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی ناقہ مبارک قصور پر سوار ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے ہیں۔

یا ایھا الناس انی ترکت فیکم ما ان اخذ تم به لن تضلو اکتاب وعترتی اھل بیتی

﴿ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۴۲﴾

﴿مسلم شریف ج ۲ ص ۲۷۹﴾

﴿مظاہر حق ج ۴ ص ۱۵۲﴾

﴿اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۴۹۰﴾

اے لوگو!

میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ اگر تم انہیں پکڑے رہو

گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے ایک تو اللہ کی کتاب ہے اور دوسری میری عترت و اہل بیت پھر فرمایا۔

فخذ و ابکتاب الله تعالیٰ وستمسکو ا به اذ کر کم فی اهل البیتی اذ کر کم فی اهل البیتی۔

﴿مشکوٰۃ شریف ج ۲ ص ۶۳۹﴾

﴿جامع الصغیر ج ۱ ص ۱۶۴﴾

﴿اسعاف الراغبین ص ۱۱۰﴾

پس اللہ کی کتاب کو پکڑو اور مضبوطی سے تھام رکھو میں تمہیں اپنی اہل بیت کے بارے میں اللہ سے ڈراتا ہوں میں تمہیں اپنی اہل بیت کے بارے میں اللہ سے ڈراتا ہوں۔

اهل بیت امان هیں

ایک اور مقام پر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کو اہل بیت سے وابستگی رکھنے کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

ان النجوم امان لا هل الارض من الغرق و ا هل البیتی امان لا متی من الاختلاف فا ذا خا لفتها قبیلة اختلفوا فصار واحزب ابلیس

﴿خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۲۶﴾

بیشک ستارے اہل زمین کے لئے امان ہیں جو غرق ہونے سے

بچاتے ہیں اور میری اہل بیت امان ہے میری امت کے لئے جو دور کرتی ہے اختلافوں کو۔ پس جو قبیلہ ان سے مخالفت کرے گا، وہ ہو جائے گا حزب شیطان

میری وجہ سے محبت کرو

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے ساتھ اور اپنی اہل بیت کے ساتھ محبت رکھنے کی وجوہات بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

ایک اور مقام پر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

اہل بیت سے محبت حکم خدا ہے

قال مؤدتنا اهل البيت فانه من لقى الله عزوجل فهو اليؤدنا دخل الجنة بشفاعتنا والذى نفسى بيده لا ينفع احد عم له الا بمعرفة حقنا۔

﴿اسعاف الراغبین ص ۱۱۳﴾

﴿جامع الصغیر ج ۱ ص ۱۰۱﴾

ترجمہ!

ہماری اہل بیت سے مودت ومحبت کرنے کا حکم اللہ عزوجل نے فرمایا ہے پس جو ہماری اہل بیت سے مودت رکھے گا وہ ہماری شفاعت سے جنت

میں داخل ہوگا اور قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے تمہارا کوئی عمل تمہیں نفع نہیں دے گا جب تک ہمارا حق نہیں پہچانو گے۔

فرمان رسول

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں !

ہم عنقریف اپنی اہل بیت کے متعلق تمہاری آزمائش کریں گے کہ تم ان کے ساتھ میرے بعد کیا سلوک کرتے ہو۔

انکم ستبتلون فی اہل البیتی من بعد ی

﴿اسعاف الراغبین ص ۱۱۳﴾

اور یہ بھی فرمایا!

کہ جو میرے اہل بیت کو ستائے گا اس پر اللہ تعالیٰ کا شدید غضب نازل ہوگا۔

محب اہل بیت کے لئے مغفرت

اشد غضب اللہ علی من اذا نی فی عترتی

﴿جامع الصغیر ج ۱ ص ۱۰۱﴾

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا!

جو شخص بھی میری اہل بیت کی محبت میں فوت ہوگا وہ یقیناً بخشا جائے گا اور وہ اس وقت تک فوت ہی نہیں ہوگا جب تک وہ توبہ نہ کرلے

وقال علیہ السّلام الا من مّات علی حبّ آل

محمدا مات مغفورا له الا ومن مات علیٰ حب
آل محمد امات تا ئبا

﴿اسعاف الراغبین جلد اص ۱۴۲﴾

﴿نور الابصار ص ۱۱۲﴾

اور فرمایا!

کہ جو محبت اہل بیت میں فوت ہوگا وہ مومن فوت ہوگا۔

الا ومن مات علیٰ حب آل محمدمات مؤ منا

محب اہل بیت کے لئے شہادت کی موت

یہی نہیں بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبت اہل بیت میں فوت ہونے والے کے لئے ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ مکمل ایمان کے ساتھ فوت ہوگا اور اس کی موت شہید کی موت ہوگی۔

الا ومن مات علیٰ حب آل محمد مات
شہید استکمل الایمان۔

﴿ تفسیر ابن عربی جلد ۲ ص ۲۱۲﴾

جنت کی بشارت

اور پھر فرمایا کہ میری اہل بیت کی محبت میں فوت ہونے والے کو عزرائیل علیہ السلام جنت کی بشارت دیتے ہیں اور جب وہ قبر میں جاتا ہے تو اسی بشارت کے ساتھ منکر اور نکیر اس کا استقبال کرتے ہیں۔

الا ومن مات علیٰ حب آل محمد بشروا ملک
الموت بالجنة ثم منکر و نکیر۔

﴿تفسیر روح البیان جلد۴ ص ۴۰۷﴾

محب اھل بیت کی قبر زیارت گاہ ملائکہ

اس کے بعد امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص محمد اور آل محمد کی محبت سینے میں لیکر فوت ہو گا وہ جنت میں اس طرح جائیگا جس طرح عروسہ نکھر کر اپنے شوہر کے گھر جاتی ہے اور اس کی قبر میں جنت در وازے کھول دیتے جاتے ہیں اور اس کی قبر کو ملائکہ رحمت کی زیادہ گاہ بنا دیا جاتا ہے

الا ومن مات علیٰ حب محمد و آل محمد
یزف الی الجنة کما تزف العروس الی بیت
زوجها فتح له فی قبره بابان الی الجنة
جعل الله قبره مزار ملائکة رحمة۔

﴿تفسیر کبیر جلد ۷ ص ۳۹۰﴾

محب اھل بیت اھل سنت و جماعت

اور اس کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل بیت سے محبت رکھنے والے کے لئے ایک معیار قائم کر دیا کہ وہ میری سنت کا پیرو ہو گا اور عقیدۂ اہل سنت و جماعت پر فوت ہو گا۔

الا ومن مات علیٰ حب آل محمد مات
علی السنة والجماعت ﴿نزہۃ المجالس جلد۲ ص ۲۲۲﴾

یہ تو تھیں اہل بیت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھنے والوں کے لئے بارگاہ رسالتمآب سے بشارتیں اور خوشخبریاں اب ذرا دشمنان اہل بیت اطہار اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض وعناد رکھنے والوں کا جو حال ہوگا وہ بھی ملاحظہ کریں۔

رحمت سے مایوس شخص

امام الانبیاء تاجدار مدینہ دشمنان اہل بیت کیلئے فرماتے ہیں کے انہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کر دیا جائے گا۔ اور ان کی آنکھوں کے درمیان تحریر کر دیا جائے گا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کر دیئے گئے اور وہ کافر ہو کر مریں گے۔ انہیں جنت کی خوشبو سے محروم کر دیا جائے گا۔

الا ومن مات علیٰ بغض آل محمد جاءَ یوم
القیامہ مکتوبأعبداَبینالیس من رحمة الله
الاَ وَمَن مات علی بغض آل محمد مات
کانو لم یشم رائحة الجنة

﴿تفسیر ابن عربی جلد۲ ص۲۱۲﴾

معیار محبت

ہم کسی کے دل میں نقب نہیں لگاتے۔ فرامین رسول کو سامنے رکھو اور اپنے دلوں کو خود ٹٹولو۔ اپنا محاسبہ خود کرو۔ اپنی منزل کا تعین خود کرو۔ محمد

عربی کی اہل بیت۔ ایک معیار ہے اور یہ معیار خود رسول صادق نے مقرر فرمایا ہے۔ اپنے دلوں کی کیفیت اس معیار پر وزن کرو۔ اہل بیت کی محبت میں مر نے کا مطلب ہے ان کی محبت میں فنا ہونا۔ تمام اولیاء کرام محبت اہل بیت اطہار میں فنا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مزارات ملائکہ رحمت کی زیارت گاہ بن جاتے ہیں جنت کے قطعات بن جاتے ہیں اور وہاں پر ہر وقت خدا تعالیٰ کی بے پایاں رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دوست بنتا ہے تو اہل بیت مصطفیٰ کی محبت میں فنا ہو جاؤ۔

اسی گھر سے پروانۂ نجات ملے گا

یہی وہ گھر ہے جہاں سے پروانہ نجات ملے گا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی محبت واجب قرار دی گئی ہے یہی وہ لوگ ہیں جن کی پاکیزگی اور طہارت پر قرآن نے مہر لگادی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو سفینہ نجات ہیں ان کا ساتھ چھوڑ دو گے تو غرق ہو جاؤ گے۔

اعمال بیکار ہوں گے

تاجدار مدینہ کا فرمان ہے۔ میری اہل بیت سے محبت نہیں رکھو گے تو تمہارے اعمال بیکار ہو جائیں گے۔ ہمارا حق نہیں پہچانو گے تو تمہاری عبادتیں ضائع ہو جائے گی۔

محمد عربی کا امتی کہلانا ہے تو اپنے پیغمبر کا حق پہچانو۔ ان کی اہل بیت کا

احترام کرنا سیکھو۔ان سے عقیدت و محبت رکھو۔اللہ تعالیٰ تم سے ان کی مودت
طلب کرتا ہے۔عناد اور بغض نہیں مانگتا۔ان کی شان بیان کرنے سے پہلو
تہی نہ کرو۔

مقابلہ اور موازنہ نہ کیا کرو

اہل بیت کی شان بیان کرنے سے دوسروں کی شان میں کمی کا کوئی پہلو نہیں ہے ان کی اپنی شان ہے دوسرے ذیشان حضرات اپنی شان کے مالک ہیں مقابلہ اور موازنہ نہ کیا کرو۔رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان بیان کرنے سے دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی شان کم نہیں ہوتی۔البتہ دوسروں کی تنقیص کرنا جرم عظیم ہے۔

صحابہ کرام پر طعن جرم ہے

صحابہ کرام کی غلطیاں نکالنا اوران کو سب وشتم کرنا بھی جرمِ عظیم ہے یہ ایسا گناہ ہے جس کی معافی نہ خدا دے گا اور نہ رسول اور نہ ہی اہل بیت مصطفیٰ معاف فرمائیں گے اس لئے کہ یہی تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے اہل بیت مصطفیٰ کی غلامی کا حق ادا کیا ہے۔یہی تو وہ مقدس نفوس ہیں جنہیں رسول غیب دان نے منتخب فرمایا ہے۔

انتخاب رسول میں غلطی نہیں ہو سکتی

انتخاب رسول علیہ السلام میں خامیاں اور نقائص تلاش کریں گے تو

یہ براہ راست رسول خدا پر حملہ ہوگا۔ نگاہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غلط قرار دینا پڑے گا اگر نگاہ حسین میں غلطی کا امکان نہیں تو پھر نگاہ مصطفیٰ میں غلطی کا امکان کیسے ہوگا۔ اہل بیت محمد سے پیار کرنا ہے تو محمد عربی سے بھی پیار کرنا پڑے گا۔ اس کے انتخاب سے بھی پیار کرنا پڑے گا۔ اس کے احباب سے بھی پیار کرنا پڑے گا۔

خدا و رسول کے پسندیدہ

شمع رسالت کی روشنی میں چلنے والے لوگ گمراہ نہیں ہو سکتے۔ نگاہ مصطفائی کے نوازے ہوئے لوگوں پر تنقید گناہ کبیرہ ہے۔

محمد عربی کے تربیت یافتہ اور مدینۃ العلم کے شاگردوں پر بہتان لگانا حق و دیانت اور ایمان و انصاف کا دامن چھوڑ دینے کے مترادف ہے۔ اور احتیاط و سلامتی کا خون کر دینے کے برابر ہے۔

یہ لوگ خدا کے چنے ہوئے ہیں، محمد عربی کے پسندیدہ ہیں، خدا ورسول نے ان سے راضی ہونے پر مہر لگا دی ہے، پھر ہم ان سے ناراض کیوں ہوں۔

خلافت بلافصل اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے لئے مخصوص ہوتی تو یقیناً انہیں مل جاتی

خلافت کرنے والے اگر غلط لوگ ہوتے تو حیدر کرار ضرور ان سے

ٹکرا جاتے۔

اگر حسین علیہ السلام اپنے حق کے حصول کے لئے میدان کربلا کو لالہ زار بنا سکتے ہیں اور یزیدی حکومت کو غیر اسلامی قرار دے سکتے ہیں تو فاتح خیبر علیہ السلام بھی یہ اقدام ضرور کرتے۔

حضرت علی علیہ السلام شیر خدا تھے۔

صاحب ذوالفقار تھے،

وہ اپنا حق وصول کرنا جانتے تھے۔

ان کا حق غصب کرنے کی طاقت کس میں تھی۔

علی علیہ السلام غاصبوں کو کیسے معاف کر سکتے تھے۔

علی علیہ السلام کا حق ہوتا تو وہ لے لیتے۔لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہوئی اہل اسلام کا فیصلہ آپ نے قبول کر لیا۔

علی علیہ السلام غلط بات کو کیسے قبول کر سکتے تھے۔

علی علیہ السلام تو حق کے ساتھ تھے اور حق علی کے ساتھ تھا۔

علی علیہ السلام کے فیصلے پر تنقید نہ کرو۔علی کا فیصلہ خدا کا فیصلہ ہے اور خدا کا فیصلہ غلط نہیں ہو سکتا۔

علی علیہ السلام اپنے حق کی خود حفاظت کر سکتے تھے۔ہم تیرہ صدیاں بعد ان کا حق محفوظ کرنے والے کون ہے۔ان حکمتوں کو سمجھو ترتیب خلافت میں مضمر ہیں۔اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو پہلی خلافت مل جاتی تو دیگر

اصحاب ثلاثہ خدمت قوم سے محروم ہو جاتے۔ زندگی کا ایک ایک سانس لوح محفوظ پر مرقوم ہے۔ ہر پیدا ہونے والے کو اپنے تعین شدہ وقت کے ساتھ اس دنیا کو خیر باد کہنا ہی پڑتا ہے۔

چوتھی خلافت ارشاد علی المرتضیٰ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دنیا سے پہلے تشرف لے جانا تھا ۔ان کو پہلی خلافت مل گئی۔

جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما سے پہلے داعیٔ اجل کو لبیک کہنا تھا ان کو دوسری خلافت مل گئی سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حیدر کرار سے پہلے جام شہادت نوش کرنا تھا ان کی تیسری خلافت مل گئی

جناب علی المرتضیٰ علیہ السلام کو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے تشریف لے جانا ان کو چوتھی خلافت مل گئی۔

اب جب کہ آپ نے چوتھی خلافت کو قبول کر لیا ہے اور پہلی خلافت آپ کو ملی ہی نہیں تو پھر یہ کہنا کہ آپ خلیفہ بلافصل یا خلیفۂ اول ہیں، ایک مفروضہ نہیں تو اور کیا ہے۔

بحث کرنا ہمارا مقصود نہیں ایک سیدھی سی بات عرض کرنا تھی وہ کر دی شیر خدا مشکل کشا کو اگر چوتھی خلافت ملی تو اس سے آپ کی شان میں ذرا

بھی فرق نہیں آتا پہلی خلافتیں بھی آپ ہی کے مشورے سے قائم تھیں۔

حضرت علی سے سوال اور اس کا جواب

یہ واقعہ آپ کو یاد ہوگا حضرت علی علیہ السلام پر سوال کیا گیا کہ پہلی خلافتوں کے وقت مسلمانوں میں وہ انتشار نہیں تھا جو آپ کی خلافت کے وقت ہے

تو آپ نے فرمایا۔

خلفاء کے مشیر ہم تھے اور ہمارے مشیر تم ہو۔اس ایک واقعہ سے ہی حضرت علی علیہ السلام پہلے خلفائے سے ربط و تعلق کا انداز آسانی سے ہوسکتا ہے۔

حیدر کرار خلیفہ اول ہوتے یا خلیفہ چہارم بنے۔ حیدر کرار ہی ہیں۔ان کی جو عظمت جو رفعت جو شان امام الانبیاء کی زبان فیض ترجمان سے بیان ہو چکی ہے۔اس میں کچھ بھی فرق نہیں آسکتا۔علی وہ ہیں جن کی ولادت بھی خدا کے گھر میں ہوئی اور شہادت بھی خدا کے گھر میں ہوئی۔

کسے را میسر نہ شد ایں سعادت

بکعبہ ولادت بمسجد شہادت

علی وہ ہیں جن کے چہرہ کو دیکھنا عبادت ہے۔

النظر الیٰ وجه علی عبادة۔

علی وہ ہیں جن کو رسول ہاشمی نے اپنا بھائی کہا ہے۔﴿المستدرک﴾

انتِ اخی فی الدنیا الآخرة

علی وہ ہیں جن کو اللہ کے رسول نے اپنی اہلبیت کہا،

اپنی جان کہا،

﴿الاستعیاب مع اصابہ ج۴ص ۹۵﴾

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام الاولیاء سیدنا حیدر کرار مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔

انا مدینة العلم وعلیٌّ بابہا

ہم علم کا شہر اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

﴿ترمذی جلد۲ص ۶۷۲﴾

انا دار الحکمة علیٌّ بابہا

ہم حکمت کا گھر ہیں اور علی اس کا دروازہ ہیں ۔

﴿مسند احمد جلد ۱ص ۱۳۱، ۳۳۰،﴾

من کنت مولاہ فعلیٌّ مولاہ

جس کے ہم مولا ہیں اس کے علی مولا ہیں ۔

﴿مسند احمد ج۴ص ۳۸۲﴾

ان علیاً منیّ وانا منہ وہوولیٌّ کل مؤمن بعدی

علی ہم سے ہیں اور ہم علی سے ہیں اور

ہمارے بعد تمام مومنوں کے ولی ہیں۔

﴿ترمذی ج ۲ ص ۶۳۲﴾

علی منی وانا من علیؑ لحمه لحمی ودمه من دمی

علی سے ہیں اور ہم علیؑ سے ہیں علی کا گوشت ہمارا گوشت۔ اور علی کا خون ہمارا خون ہے۔

﴿بخاری شریف ص ۶۲ ترمذی ج ۲ ص ۶۳۲﴾

علی منی بمنزلة راسی من جسدی

علی اور ہم ایسے ہیں جیسے سر اور جسم۔

﴿ریاض النضرۃ ج ۲ ص ۲۱۴﴾

انا وعلی من نور واحد

ہمارا اور علی کا نور ایک ہے۔

﴿ینابیع المودۃ ص ۳۰۵﴾

انا و علی من شجرواحد

ہم اور علی ایک درخت سے ہیں۔ ﴿الصواعق﴾

۔انا مدینة العلم و علی با بها زلن تؤ تی المد ینۃ الا من قبل الباب۔

ہم علم کا شہر ہیں اور علی اس کا دروازہ۔ اور نہیں کوئی آئے گا شہر میں مگر دروازے سے پہلے۔

﴿ینابیع المودت ص ۳۰۵﴾

علی مع القرآن والقرآن مع علی

علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی کے ساتھ۔

علی مع الحق والحق مع العلی

علی حق کے ساتھ ہیں اور حق علی کے ساتھ۔

﴿صواعق محرقہ ص ۱۲۳﴾

لکل نبی ولئی ووارث ان علیا وصی ووارثی

ہر نبی کا وارث اور وصی ہے اور ہمارے وارث و وصی علی ہیں۔

﴿ینابیع المودة ج۱ ص ۹۰﴾

امام دو جہان سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام الأولیاء سیدنا حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔

انت سید فی الدنیا والآخرة

تم دنیا اور آخرت کے سردار ہو۔ ﴿المستدرک﴾

ان تکون بمنزلة هارون و موسیٰ ولا نبیّ بعدی

تم مجھے ایسے ہو جیسے ہارون اور موسیٰ مگر میرے بعد نبی نہیں۔

﴿ترمذی شریف ج۲ص ۶۷۱﴾

انت امام امّتی و وصی

تم میری امّت کے امام ہواور میرے وصی ہو۔

﴿ینابیع المودۃ ج ۱ص ۱۵۳﴾

فقال انت قسم الجنۃ والنار

فرمایا! تم دوزخ اور جنت کو تقسیم کرنے وا
لے ہو۔

﴿صواعق المحرقہ ص ۹۷﴾

وکذب من زعم ان یحبنی ولا انت منی وانا منک لحمک لحمی ودمک من دمی وروحک من روحی وسریر تک من سریر تیوعلا نیتک من علا نیتی۔

اوروہ جھوٹا ہے جو ہمارے ساتھ محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور تمہارے ساتھ محبت نہیں کرتا۔ تم ہم سے ہو ہم تم سے ہیں۔ تمہارا گوشت اور تمہارا خون ہمارے خون سے ہے تمہاری روح ہماری روح سے ہے تمہارا بھید ہمارے بھید سے ہے اور تمہارا اعلان ہمارا اعلان ہے۔

پھر صحابہ کرام کو مخاطب فرما کر ارشاد سرورِ کونین ہے۔

﴿ینابیع المودۃ ج ۱ص ۲۵۳﴾

هذاالمبقل حجتی علی امتی یوم القیا مة

یہ مقبل ہیں اور میری امت پر قیا مت کو میری حجت ہیں۔

﴿ریاض النضر ہ ج ۲ ص ۲۵۴﴾

هذاسید المسلمین وامام المتقین والغرا لمحجلین و یعسوب الدین

یہ مسلمانوں کے سردار متقیوں کے امام سفید منہ ہاتھ والوں کے سرداراور یعسوب الدین ہیں۔

﴿ریاض النضر ہ ج ۲ ص ۲۳۴﴾

آپ نے ابا برزہ صحابی کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ میرے پروردگار کی طرف سے علی کے لئے فرمایا گیا ہے کہ۔

انه رائة الهدیٰ وضار الا یمان وا مام اولیاء و نور جمیع من اعطا نی یا ابا بر زه علی ابن ابی طا لب امینی غذانی القیا مة و صا حب الرا ئتی فی القیا مة۔علی مفا تیح خزائن رحمة ربی من احبه احبنی ومن ا لبغضه ا لبغضنی۔

یہ ہدایت کہ علمبر دار ہیں منار الایمان ہیں امام اولیاء ہیں اور وہ تمام نور ہیں جو ہمیں عطاء کیا گیا ہے ےبابر زاہ علی ابن ابی طالب قیامت کے دن ہمارے امین

ہوں گے اور قیامت کے دن ہمارا پرچم اٹھانے والے
ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانوں کو کھولنے
والے ہوں گے ان کی محبت ہماری محبت اور ان کا
بغض ہمارا بغض ہے۔

﴿ریاض النضرہ﴾

آپ نے فرمایا ہمارے بعد نبوت کا دروازہ تو بند ہے مگر تمہیں سات ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو کسی اہل قریش کے پاس نہیں۔

تم ان میں سب سے پہلے اللہ کے ساتھ ایمان لانے والے ہو اور اللہ کا عہد پورا کرنے والے اور ان میں اللہ کا حکم نافذ کرنے والے ہو اور ان میں برابر تقسیم کرنے والے رعیت نزدیک زیادہ خوبیاں رکھنے والے ہو

انت اولھم ایمانا باالله واوناھم بعھد الله واقو مھم بامر الله واقسمھم با نسریته واھدلھم فی الرعیته وابصر ھم با لقضیته واعظمھم عند الله مزیته

امام الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قضا کو دس حصوں میں تقسیم کیا گیا جس کا نو حصے علم علی کو عطا کر دیا گیا اور ہا ایک حصہ ساری دنیا کو عطا کر دیا گیا

﴿حلیۃ اولیاء ج ا ص ۶۸﴾

قسمت الحکم عشرۃ اجزاء فاعطی تسعۃ اجزاء

اوا الناس جزاواحد

علم قضا کودس حصوں میں تقسیم کیا گیا پس نو حصے حضرت
علی کو عطا فرمایا اور ایک حصہ باقی دنیا میں تقسیم کر دیا گیا

﴿حلیۃ اولیاء ابونعیم ج اص ٦٦﴾

یہی وجہ تھی حیدر کرار رضی اللہ تعالی عنہ سے بڑھ کر فیصلہ کرنے والے تمام صحابہ کرام میں کوئی نہیں تھا مشکل سے مشکل مسلہ کا حل آپ ایک لحظہ میں نکال لیتے۔

آپ سے پہلی خلافتوں کو جب کوئی مشکل امر پیش آتا۔ دین کا فیصلہ ہو یا دنیا کا ہو تو حضرت علی (علیہ السلام) سے ہی رجوع کیا جاتا۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم فیصلے کرنے میں ہماری مدد نہ فرماتے تو ہم ہلاک ہو جاتے۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ سیدھے راستے پر چلنے کے لئے اپنا مہدی و ہادی علی کو بنائے رکھنا۔ یہ تمہیں صراط مستقیم کی طرف لے کر چلے گے۔

قال ان تولوعلیاً هادیا مهدیا یسلک بکم الطریق المستقیم۔عن عبدالله ابن مسعود قال ان القرآن انزل علی سبعة احرف ما منها حرف الاله ظهر و بطن وان علیا ابن ابی طالب عنده علم الظاهر و الباطن۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ قرآن سات
قرات میں نازل ہوا ہر قرات کا ایک ظاہر ہے اور با
طن ہے اور کوئی قرات یا حرف ایسا نہیں جس کے ظاہر
و باطن سے علی واقف نہ ہوں

﴿حلیۃ اولیاء ج اص ٦٧﴾

سیدنا حیدر کرار کے علم کا احاطہ کون کر سکتا ہے، جبکہ نص حدیث سے ثابت ہے۔ کہ آپ مدنیۃ العلم محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دروازہ ہیں۔ آپ کی کرامت و بزرگی اور عظمت کا انداز کون کر سکتا ہے۔

حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔

یامعشر الانصار الا ادلکم علی ما ان تمسکم بہٖ
لن تضلوا بعدہ ابدا؟

یعنی اے گروہ انصار ہم تمہیں ایک ایسی بات بتائیں
کہ اگر تم اس کا دامن ہاتھ میں رکھو تو کبھی گمراہ نہ ہوسکو

﴿حلیۃ اولیاء ج ۲ ص ٦۴﴾

قالو ابلی! یارسول اللہ۔ انہوں نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ! تو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ھذا علی فاحبوہ بحبی وا کرموہ بکرامتی فان جبریل امرنی با لذی قلت لکم من اللہ عزوجل :

یہ علی ہیں پس ان سے محبت کرو میری محبت کے ساتھ اور ان کا اکرام کرو میرے اکرام کے ساتھ اور یہ میں اللہ تعالیٰ کا حکم تمہیں پہنچا رہا ہوں جو مجھے جبریل نے بتلایا ہے۔

امام الانبیا تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی یاایھا الذین آمنوا فرما کر خدا تعالیٰ نے ایمانداروں کو مخاطب فرمایا ہے۔ وہاں پر ان مومنوں کے سردار سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ما انزل اللہ آیۃ فیھا یا ایھا الذین آمنو االلہ وعلی را سھا وا سیرھا۔

﴿حلیۃ اولیاج ۲ص ۶۷﴾

ایک دن حضور نے وضو فرماتے ہوئے حضرت انس کو فرمایا کہ اب جو سب سے پہلے اس دروازے سے آئے گا وہ مومنوں کا امیر، مسلمانوں کا سردار، سفید منہ ہاتھ والوں کا قائد اور وصیوں کا خاتم ہوگا۔ حضرت انس انصار تھے۔ انہوں نے عرض کیا یا اللہ کسی انصار کو بھیج دے تو حضرت علی علیہ السلام

تشریف لے آئے۔ آپ نے انس کو فرمایا:

اے انس یہ ہے وہ شخص: عربی متن ہے۔

قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم یا انس! اول من یدخل علیک من هذا الباب۔ امیر المومنین وسید المسیلمن وقائد الغرا لمحجلین وخاتم الوصیین۔قال انس:قلت اللهم اجعله رجلًا من الانصار کتمته اذجاء علی فقال امن هذا یاانس!

بہر نوع: سیدنا ومرشدنا حضرت علی علیہ السلام کی سرداری اور سلطانی مسلمات میں سے ہے، آپ کی شان بیان کرنے کے لئے تو ہزاروں دفتر بھی ناکافی ہیں، پھر ان چند اوراق میں کیا عرض کیا جا سکتا ہے، بندہ نے آپ کی سیرت مقدسہ پر کتاب مشکل کشا تصنیف کی ہے جو چار ضخیم جلدوں میں تین ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اور بحمد اللہ اس کی پہلی جلد چھپ بھی چکی ہے مگر بایں ہمہ یوں معلوم ہوتا ہے کہا ان کی توصیف کا اک باب بھی پورا نہ ہوا، پھر یہ چند صفحات کس شمار وقطار میں ہیں۔ آپ کی جنگوں کو دیکھیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ جیسا بہادر دنیا میں کسی ماں نے جنا ہی نہیں۔ ان کے فقر وفاقہ کو دیکھیں تو یوں لگتا ہے کہ ان جیسا صابر وشاکر دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت نے حضرت علی کو وہ کچھ بنا دیا تھا جو دوسرا کبھی بن ہی نہیں سکتا۔

آپ کی سیرت پاک کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے تمام خوبیاں خداوند قدوس سے لیکر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی کی جھولی میں ڈال دی ہے۔علی بدر واُحد میں ہوتے ہیں۔تو ان کی تلوار کی کاٹ دیکھ کر ہاتف غیبی پکارتا ہے۔

لافتی الاعلی لا سیف الا ذوالفقار

خیبر کا قلعہ القموص فتح نہیں ہوتا تو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

ہم آج اس کو پرچم اسلام دیں گی جس کے ہاتھ پر یہ قلعہ فتح ہوجائے گا اور وہ شخص اللہ اور رسول سے محبت کرتا ہے۔اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں اور پھر جھنڈا علی کو عطاء فرمادیا جاتا ہے۔

اور پھر خیبر کے دروازے کو اس طرح اکھاڑ پھینکتے ہیں جیسے کاغذ کا بنا ہو حالانکہ چالیس شہ زور صحابہ اُس دروازہ کو ہلا بھی نہ سکے اور علیؑ نے اُسے ڈھال بنا رکھا تھا۔

علی کی ایک نیکی

مرحب کے ٹکڑے اُڑا دینے والا علیؑ جب جنگِ احزاب میں عمر ابن وود کے مقابلہ میں جاتے ہیں تو امام الانبیاء نے فرمایا !مکمل ایمان کمل کفر سے ٹکرانے والا ہے۔اور پھر جب علیؑ کی تلوار نے سینکڑوں بہادروں پر

بھاری عبدِ ود کی گردن اُتار پھینکی تو سرورِ کائنات نے فرمایا !علیؑ کی عبدِ ود کو قتل کرنے کی ایک نیکی تمام جنوں اور اِنسانوں کی عبادات سے افضل ہے۔

علی کی محبت نبی کی محبت

بہر صورت فرامینِ مصطفیٰ کا حاصل یہ ہے کہ علیؑ سے محبت کرو علی سے محبت کرنا مصطفیٰ سے محبت کرنا ہے۔علیؑ سے بُغض رکھنا امام الانبیاء سے بُغض رکھنا ہے۔علیؑ کو گالی دینا امام الانبیاء کو گالی دینا ہے۔علیؑ سے محبت کرنا ایمان کی نشانی اور علیؑ سے بُغض منافقت کی نشانی ہے۔

لا یحبہ الا مومن ولا یبغضہ إلا منا فق ،

﴿ترمذی ج ۲ ص ۶۷۲﴾

نہیں رکھتا محبت علی سے مگر مومن اور نہیں رکھتا بُغض علی سے مگر منافق۔

من سب علیا فقد سب النبی

جس نے علی کو گالی دی تو اس نے نبی کو گالی دی ،

علی یحب اللہ ورسولہ واللہ ورسولہ یحبانہ

علی اللہ اور رسول سے محبت کرتا ہے، اور اللہ و رسول علی سے محبت کرتے ہیں۔

﴿مسند احمد ج ا ص ۱۸۵﴾

علی ولی النبی فی الدنیا ولآخرۃ
علی نبی کا دنیاو آخرت میں ولی ہے۔

﴿مسند احمد ج ۱ ص ۳۳۰﴾

علی کے فضائل کا حصرواحاطہ کون کرسکتا ہے

☆علی اللہ تیغ کا مسلول ہے۔

☆علی مرد مقبول ہے۔

☆علی نفس رسول ہے۔

☆علی زوج بتول ہے۔

☆علی کا دوست خدا کا مقبول ہے۔

☆علی کا دشمن مرتد و مجہول ہے۔

☆علی امیر المؤمنین ہے۔

☆علی امام المتقین ہے۔

☆علی شفیع المذنبین ہے۔

☆علی خلیفۃ المسلمین ہے۔

☆علی وسیلہ دنیاودین ہے۔

☆علی مصطفٰے کی جان ہے۔

☆علی معرفت کا آسمان ہے۔

☆علی شمعٔ عرفان ہے۔

☆علی گلشن محمد کا باغبان ہے۔

☆علی کی محبت روح اسلام اور جان ایمان ہے۔

☆علی خدا کی برہان ہے۔

☆علی خدا کی شان ہے۔

☆علی اسلام کی آن بان ہے۔

☆علی محمد کا پہلوان ہے۔

☆علی اولیاء کا سلطان ہے۔

☆علی حافظ قرآن ہے۔

☆علی صداقت کا نشانی ہے۔

☆علی اولیاء کا امام ہے۔

☆علی کا کلام محمد کا کلام ہے۔

☆علی جان اسلام ہے حق کا امام ہے۔

☆ہر ولی علی کا غلام ہے۔

☆علی کے ہاتھوں ولایت کا نظام ہے۔

☆علی کا لقب سر الصنام ہے۔

☆علی کا مولد بیت الحرام ہے۔

☆علی کا احترام محمد کا احترام ہے۔

☆علی کی سلطنت سلطنت دوام ہے۔

☆دونوں عالم میں علی کا فیض عام ہے۔

☆اللہ کے نام سے علی کا نام ہے۔

☆عقلوں سے بالا علی کا مقام ہے

☆علی نفس خیرالانام ہے۔

☆علی کا وظیفہ قاطع آلام ہے۔

☆علی کی محبت معرفت کا جام ہے۔

☆علی کا دشمن ولدالحرام ہے۔

☆علی کی زیارت خدا کی عبادت

☆علی کی معرفت خدا کی معرفت۔

☆علی کی محبت نبی کی محبت

☆نبی کی محبت خدا کی محبت

☆،خدا کی محبت رستۂ جنت۔

☆علی سے محبت کرو اس لئے کہ جنت علی کی ہے۔

☆علی کے دشمن پر جنت حرام ہے۔

عجب شان معلّیٰ ہے علی دا ،
عجب حسن تجلّیٰ ہے علی دا

میں صائم ایس لئی حیدر توں منگداں ،

قرآن کی مہر

شرف وکرامت کا معیار تقویٰ وطہارت پر رکھا جائے تو علی کی طہارت پر قرآن کی مہر ثبت ہے۔شرف بزرگی کا ایک معیار علم بھی ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کوارشادفرمایا۔

انی جا عل فی الارض خلیفة ۔

ہم زمین میں اپنا ایک نائب بنانے والے ہیں

فرشتوں نے کہا تو اس کو نائب بنائے گا جوفساد پھیلائے گا اور خون ریزیاں کرے گا۔

(ہم تسبیح پڑھتے ہیں اور احمد کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔

نحن نسبح بحمد ک ونقد س لک ۔

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشادفرمایا۔**انی اعلم ما لا تعلمون**

اورآدم علیہ السلام کوتمام اشیاء کے اسماء کا علم عطافرما کرفرشتوں پر سوال کیا**انبئونی با سماء ھؤلآ ء ان کنتم صا دقین** اگرتم سچے ہوتو ان کے نام بتاؤ۔

قا لو سبحنک لا علم لنا الا ما علمتنا ،یااللہ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تونے ہمیں سکھایا۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ بات ہے تو پھر اسے سجدہ کرو۔ واذ قلنا للملئکۃ السجدوا پھر سوائے شیطان کے سب نے سجدہ کر دیا۔

حضرت علی کا علم

بہر صورت علم دلیل کے طور پر پیش کر کے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے آدم کی بزرگی کا اعتراف کروایا اگر قرآن کا یہ معیار درست ہے تو پھر شان حیدر کرار کا اندازہ کون کرسکتا ہے جسے محمد عربی نے علم کے شہر کا دروازہ کہا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

میرا علم قرآن کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے مقابلہ میں ایسے ہے جیسے کے مقابلہ میں قرارہ۔ فرمایا مثعنجر ایک بحر ناپیدا کنار ہے اور قرارہ ایک گڑھا۔

علمی بالقرآن فی علم علی کا القرارۃ فی المثعنجر قال القراۃ الغدیر المغیر والمثعنجر البعر

یہی نہیں بلکہ جناب عبداللہ ابن عباس نے فرمایا۔ رسول اللہ کا علم اللہ کے علم سے ہے۔ اور علی کا علم علم رسول اللہ سے ہے اور ہمارا علم علی سے ہے۔

یہی نہیں بلکہ آپ فرماتے ہیں۔ کہ ہمارا علم حضرت علی کے علم کے مقابلہ میں ایسے ہے جیسے سات سمندروں سے ایک قطرہ

وما علمی وعلم اصحاب محمد فی علم علی الا کقطرة سبعة البعر

﴿اشرف المؤبد ص ۱۱۹﴾

بصد تلاش نہ کچھ وسعتِ نظر سے ملا
نشان منزل مقصود راہبر سے ملا

نبی ملے تو خانۂ خدا سے ملے
خدا کو ڈھونڈا تو وہ بھی علی کے گھر سے ملا

بحرِ نبوّت کے دو موتی

باغِ رسالت کے دو پھول

نانا ہوں سید الانبیاء نانی ہوں خدیجۃ الکبریٰ، باپ ہوں سید الاولیاء ،ماں ہو سیدۃ النساء تو بیٹے پیدا ہوتے ہیں سید الشہداء۔ نبی کا نور، علی کا خون اور فاطمہ کا دودھ ایک جگہ مل جائے تو بنتے ہیں

حسن علیہ السلام اور حسین علیہ السلام آیت کریمہ مرج البحرین کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ان دونوں دریاؤں سے مراد علی و فاطمہ ہیں اور ان دونوں دریاؤں سے جو موتی مونگا پیدا ہوتے ہیں وہ حسن و حسین ہیں۔

﴿۱﴾ ﴿مرج البحرین یلتقیان﴾ قال علی وفاطمہ ﴿برزخ یبغان﴾ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ﴿یخرج منہما اللولوا والمرجان﴾ قال الحسن والحسین۔

دو دریا علی و فاطمہ ہیں، برزخ حضور اور موتی حسن و حسین ہیں

﴿۲﴾ ای بحر نبوت من فاطمۃ وبحر الفتوۃ من علی بینہما حاجزا من تقوی فلا تغی فاطمۃ علیٰ علی فاطمۃ ﴿یخرج منہما اللولو والمرجان﴾ ھو الحسن والحسین۔

بحرِ نبوت فاطمہ، بحرِ فتوت علی اور درمیان میں برزخ یا حجاب تقویٰ

ان سے جو موتی اور مرجان پیدا ہوئے وہ حسن و حسین ہیں۔ اُن شہزادگان عالی وقار کے عزت واحترام اور عظمت وشان کا کون انداز کرسکتا ہے جن کی والدہ محترمہ کا نام فاطمۃ الزہرا ہو جس کی شان بتول اور لقب خاتون جنت اور خاتون قیامت ہو۔

کون خاتون قیامت!

جس کی سواری میدان محشر میں آئے گی تو منادی کر دی جائے گی کہ اے اہل محشر اپنی نگاہیں نیچی کر لو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کی سواری گذرنے والی ہے۔

یا اھل الجمع غضوا ابصارکم عن فاطمة بنت محمد حتیٰ تمر

﴿اسد الغابہ ج ۲ ص ۵۲۳ خصائص کبریٰ ص ۴۵﴾

کون خاتون قیامت!

جس کی سواری ستر ہزار حوروں کے جھرمٹ میں پل صراط سے ایسے گذر جائے گی جیسے بجلی کوند جاتی ہے۔

ثم فاطمة بنت محمد مع سبعین الف جاریة من الحور العین کمر البرق

﴿خصائص کبریٰ جلد دوم ص ۲۲۵﴾

کون خاتون قیامت !

جو اپنے باپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے پہلے جنت میں جائیں گی

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اول من یقرع با ب الجنۃ و اول من ید خلما وبعد ہ ابنۃ فا طمۃ

﴿خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۲۵﴾

کون خاتون قیامت!

جو جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہیں

فا طمۃ سیدۃ النساء اہل الجنۃ

کون خاتون قیامت!

جن کے اپنے اور شوہر کے مسکرانے سے جنت ایسے روشن ہو جائے گی جیسے آفتاب طلوع ہو جاتا ہے۔

بینھما اھل الجنۃ اذ سطح لھم نوراً فظنوشمساً فیقول رضوان ھذہ فا طمۃ وعلی فضحکا اشرق الجنان من نور ضحکھما.

کون خاتون قیامت!

جس کی اولاد پر خدا تعالیٰ نے جہنم حرام فرما دیا ہے۔

ان فا طمۃ احصنت فر جھا فحر م اللہ ذریتھم علی النار

کون خاتون قیامت!

جس کے حب داروں کو جنت کو جنت کے ٹکٹ عطا کئے جائیں گے آپ کی شادی کے وقت رضوان نے طوبیٰ کو ہلایا تو محبان اہل بیت کی تعداد کے مطابق پتے تو لے رقاع بعد د محبی اھل بیتی اور وہی قیامت کے دن جنت کے ٹکٹ بن جائیں گے۔

فا ذا استوت القیا مۃ با ھلھا نا رت الملا
ئکۃ فی الخلق فلا یبقی محب اھل البیت الآ
دفعت لہ صکا فیہ فکا لہ من النار

﴿صواعق محرقہ ص ۱۷۱ نزہۃ المجالس ج ۲ ص ۲۲۶﴾

کو خاتون قیامت!

جو جنت الفردوس میں مع اپنے شوہر اور اولاد کے اسی مقام اور اسی محل میں قیام فرمائیں گی جہاں ان کے ابا جان ہوں گے۔

﴿۱﴾ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم اخذ بید حسن و حسین فقال من احبنی و
احب ھذین وا با ھما کان معی فی درجۃ یوم
القیا مۃ

﴿مسند احمد ج ۲ ص ۲۶ ۲ صواعق محرقہ ص ۱۵۱﴾

﴿۲﴾ انہ دایا ک وھذین وھذالراقد فی مکان
واحد یوم القیا مۃ

﴿مسند احمد ج ۲ ص ۸۲﴾

﴿۳﴾ آنحضرت با فاطمہ خطاب کرو من وتو علی و حسن و حسین

دریک مقام ومکان خواہیم بود

﴿اشعۃ اللمعات ج ۴ص ۶۸۴﴾

کون خاتون قیامت!

جسے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی حور فرمایا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلمان ابنتى فاطمة حوط آدمية لم تحض ولم تطمث۔

کون خاتون قیامت! جس کا لقب بتول ہے اور بتول اس کو کہتے ہیں جس نے عورتوں کے کسی مرض کو نہ دیکھا ہو جو حیض ونفاس کی آلودگیوں سے منزہ اور پاک ہو طیّبہ اور طاہرہ ہو۔

البتول التى لم ترحمة قط اى لم تحض۔عن اسماء قال قبلت فاق طمة با لحسن فلم أرلها دما فقلت يا رسول الله لم ارا لفا طمة دما فى حيض ولا نفاس فقال محمد صلى الله عليه وآله وسلم اما علمت ان ابنتى طاهره مطهره

کون خاتون قیامت! جو نور سے پیدا ہوئی اور جس نے پیدا بھی نور ہی کیا۔

تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا
تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا

﴿اعلیٰ حضرت بریلوی﴾

کون خاتون قیامت! جس کا نام اقدس فاطمہ ہے اور فاطمہ اس کو کہتے ہیں جو نجات دلانے والے ہو اور جو جہنم سے اپنے غلاموں کو آزاد کرانے والی ہو۔

وفاطمة كما قال ابن دريد مشتقة من الفطم وهو القطع سميت بذالک لا ن الله تعالىٰ فطمها عن النار واخرج الديلمي مرفوعاً انها سميت فا طمة لان فطمها و محبيها عن النار

﴿صواعق محرقہ ص ۱۸۸﴾

﴿نورالابصار ص ۴۵﴾

کون خاتون قیامت! جس کے پردے کا احترام کرتے ہوئے ملک الموت ان کی روح قبض کرنے پر راضی نہ ہوا اور پھر خود اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے ان کی روح قبض فرمائی۔

لم نزل عليها ملک الموت لم ترضى بقبضة فقبض الله روحها۔

﴿روح البیان ص ۲۲۷ ج ۵﴾

اس بتول جگر پارۂ مصطفےٰ
حجلہ آرائے عفت پہ لاکھوں سلام

جس کا آنچل نہ دیکھا مہ و مہر نے
اس ردائے نزاہت پہ لاکھوں سلام

آبِ تطہیر میں جس کے پودے جمے
اس ریاضِ نجابت پہ لاکھوں سلام

سیدہ زاھرہ طیبہ طاہرہ
جانِ احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام

کون خاتونِ قیامت! جس کے حضور میں علامہ اقبال عقیدت کے پھول اسطرح پیش کرتے ہیں

مریم از یک نسبتِ عیسےٰ عزیز
از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز

نورِ چشم رحمۃ للعالمین
آن امامِ اولین و آخرین

بانوے آن تاجدارِ ھل اتیٰ
مرتضیٰ مشکل کشا شیر خدا

مادر آں مرکز پرکار عشق
مادر آں قافلہ سالار عشق

کون خاتونِ قیامت! جس نے اپنی ردائے مبارک فروخت کر کے سائل کا سوال پورا کر دیا۔

کون خاتونِ قیامت! جو چکی بھی پیس رہی ہوتیں اور تلاوت قرآن بھی فرما رہی ہوتیں۔

ون خاتونِ قیامت! حوریں اور ملائکہ جس کے فرمان کے منتظر تھے مگر اس نے اپنی رضا کو رضائے شوہر میں گم کر دیا تھا۔

کون خاتونِ قیامت! جو نماز پڑھتی تو آنکھوں سے اشک جاری ہو جاتے

کون خاتونِ قیامت! جس کے آنسوؤں کو جبریل موتیوں کی طرح چن کر شبنم کی طرح عرش بریں پر بکھیر دیتا تھا۔

بحر مہتاجے دلیش آں گو نہ سوخت
با یہودے چادرے خودرا فروخت

نوری وہم آتشی فرماں برش
گم رضائش در رضائے شوہرش

آن ادب پروردۂ صبر و رضا
آسیا گردان ولب قرآن سرا

گریہ ہائے اُو ز بالیں بے نیاز
گوہر افشا ندے بدا مان نماز

اشک اُو بر چید جبریل از زمین
ہمچو شبنم ریخت بر عرش بریں

اس کے بعد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے پاؤں میں قانون خداوندی کی زنجیر ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کا پاس ہے ورنہ میں سیدہ فاطمۃ الزہرا خاتون قیامت کے مزار کا طواف کرتا اور آپ کی قبر انور پر سجدے کرتا

رشتۂ آئین حق زنجیر پا است
پاس فرمان جناب مصطفےٰ است

ورنہ گرد تربتش گر دیدمے
سجدہ ہا بر خاک اُو پاشیدمے

کون خاتون قیامت! جس کے نقش قدم پر چل کر ہی عورت عورت بن

سکتی ہے۔

کون خاتون قیامت! جس کے اسوۂ حسنہ کو مشعل راہ بنا کر ہی مسلمان عورتیں اپنا صحیح مقام حاصل کرسکتیں ہیں جس کی سیرت سے سبق حاصل کر کے ہی مسلمان مجاہد پیدا کرسکتی ہیں۔ اس لئے کے بیٹوں کی سیرت ماں کی سیرت سے بنتی ہے۔

☆ ماں بے پردہ ہوتو اولاد بے حیاء ہوتی ہے۔

☆ ماں کا کردار بلند ہوتو اولاد کا کردار بلند ہوتا ہے۔

☆ ماں عبادت گزار ہوتو بیٹے ولی پیدا ہوتے ہیں۔

☆ ماں سینمابین ہوتو بیٹے ایکٹر پیدا ہوتے ہیں۔

☆ ماں نیک ہوتو اولاد نیک پیدا کرتی ہے۔

☆ ماں فاطمہ ہوتو بیٹے حسن و حسین پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ

سیرت فرزند ہا ازا اُمہات
جو ہر صدق و صفاازامہات

مزرع تسلیم را حاصل بتول
مادراں را اسوۂ کامل بتول

ہو شیار ازدست برد روزگار
گیر فرزندان خود را در کنار

فطرت تو جذبہ ہا دارد بلند
چشم ہوش از اسوۂ زہرا مبند

تا حسینے شاخ تو بار آورد
موسم پیشیں بگلزار آورد

اگر پندے ز درویشے پزیری
ہزار امت بمیرد تو نہ میری

بتولے باش پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیر بگیری

اسلام کی بیٹی جب تک شہزادیٔ اسلام ملکۂ سلطنت عفت وعصمت سیّدہ فاطمۃ الزہرا خاتون قیامت کی حیات طیّبہ و طاہرہ کو نشان منزل نہیں بنائے گی منزل سے دور ہوتی جائیگی۔ عورتوں کی رہبر ورہنما ہے تو خاتون قیامت، پیکر شرم وحیاء ہے تو خاتون قیامت، پیکر عفت وعصمت ہے تو

خاتون قیامت۔

کون خاتون قیامت! جو زہرا بھی اور زاہرا بھی،

☆طیبہ بھی اور طاہرہ بھی۔

☆نیّرہ بھی اور منورہ بھی،

☆منیرہ بھی ہے اور مطہرہؔ بھی،

☆عتیقہ بھی اور صدیقہ بھی،

☆عفیفہ بھی ہے اور منیفہ بھی۔

☆عالمہ بھی ہے اور فاضلہ بھی۔

☆عابدہ بھی ہے اور زاہدہ بھی۔

☆ساجدہ بھی ہے اور راکعہ بھی۔

☆کاملہ بھی ہے اور اکملہ بھی۔

☆عقیلہ بھی ہے اور عاقلہ بھی۔

☆امینہ بھی ہے اور آمنہ بھی۔

☆صابرہ بھی ہے اور شاکرہ بھی۔

☆ناصرہ بھی ہے اور منصورہ بھی۔

☆سعیدہ بھی ہے اور صادقہ بھی۔

☆راحمہ بھی ہے اور راشدہ بھی۔

ھاں ھاں وہی خاتون قیامت! جو معصومہ بھی ہے اور مخدومہ بھی۔

☆ جو صائمہ بھی ہے اور عاصمہ بھی۔

☆ شفیقہ بھی ہے اور مشفقہ بھی۔

☆ عظیمہ بھی ہے اور اعظمہ بھی۔

☆ مُحسنہ بھی ہے اور اکرمہ بھی۔

☆ محترمہ بھی ہے اور مکرمہ بھی۔

☆ عاملہ بھی ہے اور معلّمہ بھی۔

راضیہ بھی ہے اور مرضیہ بھی۔ ہاشمہ بھی ہے اور قرشیہ بھی۔
وسیلہ بھی ہے اور کفیلہ بھی۔ ناصحہ بھی ہے اور قاسمہ بھی۔

کون خاتون قیامت! جس کی تعریف کا حق نہ ادا کر سکا ہے اور نہ ہی قیامت تک کوئی ادا کر سکتا ہے

رنگ بہار باغ رسالت ہیں فاطمہ
سرچشمۂ ریاض ولائت ہیں فاطمہ

امید گاہ حشر و قیامت ہیں فاطمہ
دنیا میں وجہ آیت رحمت ہیں فاطمہ

روح روان پنجتن وجان مصطفٰے
آل عبا کی دوسری آیت ہیں فاطمہ

معصومیت پہ جن کی ہے حور و ملک کو ناز
نقد و متاعِ عہد نبوت ہیں فاطمہ

پہلا پھول کھلتا ہے

اس شہزادئ ملک عفت و عصمت سیّدہ فاطمۃ الزہرا کے گلشن تطہیر میں پہلا پھول کھلتا ہے۔ رمضان المبارک کی پندرہ تاریخ اور ہجرت کا تیسرا سال ہے۔

جبریل علیہ السلام دربار رسالت میں حاضر ہوئے سلام عرض کیا خداوند قدوس کی طرف سے مبارکباد پیش کی اور ایک ریشمی کپڑے کا منقش ٹکڑا آپ کے سامنے پیش کیا۔

جنت کے اس کپڑے پر ایک تصویر تھی نہایت خوبصورت بچے کی تصویر ایسی پیاری تصویر جیسے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن کی اپنی تصویر ہو آپ تصویر دیکھنے میں محو تھے آ اور جبریل عرض کر رہے تھے جن کی تصویر ہے وہ بنت رسول کی گود میں تشریف لا چکے ہیں گلستان زہرا میں پہلا گل قدس کھل چکا ہے۔

خداوند قدوس نے ان کا نام بھی تجویز فرما دیا ہے۔ حضرت ہارون کے بیٹے کے نام پر ان کے بیٹوں کے نام شبر و شبیر تھے ان کا نام شبر ہے اس کے معنے حسن بھی ہوتے ہیں تاجدار دو عالم نے بشارت سنی تو آپ بے حد

خوش ہوئے آپ کے لبوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ روح کائنات مسکرائی تو کائنات وجد میں آ گئی۔ کونین میں مسرت کی لہر دوڑ گئی جنت میں خوشیوں کے چشمے ابلنے لگے۔

حوریں ایک دوسری کو مبارکباد دینے لگیں۔

تمام عالم کیف وسرور ڈوب گیا۔

یوں معلوم ہوتا تھا جیسے مدینہ منورہ کی گلی گلی جگمگا اٹھی ہو کوچہ کوچہ تبسم ریز ہو گیا ہو اور ہر مکان مسکرا رہا ہو۔

اسی عالم وجد و کیف میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیٹی کے گھر تشریف لے گئے جا کے دیکھا تو حجرہ بتول میں ایک ننھا سا چاند طلوع ہو چکا ہے امام الانبیاء کی اپنی تصویر وہی نقش و نگار، وہی ناک نقشہ، وہی مطلع الفجر پیشانی، وہی والضحیٰ رخسار، وہی مازاغ نرگس آنکھیں وہی حسن و رعنائی وہی نور و نگہت وہی نزہت و لطافت۔ جناب آمنہ ہوتیں تو انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کا وقت یاد آ جاتا۔

چاند کی گود میں چاند

آمنہ کے چاند نے فاطمہ کے چاند کو گود میں اٹھا لیا۔ دونوں چاند مسکرا رہے تھے دونوں کی نگاہیں ملی ہوئی تھیں۔ فاطمہ کا چاند بار بار منہ کھول رہا ہے جیسے نانا جان سے کچھ مانگ رہا ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعاب دہن نواسہ کے منہ میں ڈال دیا۔ نواسہ خوش ہو گیا جیسے نعمت کونین مل گئی ہو امام الانبیاء نے نواسہ کے کان میں اذان و تکبیر کی آواز پہنچائی۔ حسن نام تجویز فرمایا اور بیٹی کو گود میں دے دیا اور سات روز بعد عقیقہ کیا ختنہ کیا سر کے بال اترائے اور ان کے ساتھ چاندی وزن کر کے خیرات کر دی۔

امام حسن علیہ السلام کی زندگی کے حالات سے آگاہی کے لئے ہماری زیر ترتیب کتاب الحسن المعروف شہید زہر کا مطالعہ کریں۔

دوسرا پھول کھلتا ھے

صبح کا وقت ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرمائیں۔

حضرت ام الفضل زوجہ عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہم نہایت پریشانی کے عالم میں دربار رسالت میں آتی ہیں آپ نے پریشانی کا سبب پوچھا۔

فقالت! صلی الله علیه وآله وسلم یارسول الله انی رایت حلما المنکر الثلة عرض کیا یارسول اللہ میں نے رات کو بڑا پریشان کن خواب دیکھا ہے۔

قال! ماھو؟ آپ نے فرمایا چچی جان بیان کرو قالت انہ شدیدا

عرض کیا حضور بڑا شدید خواب ہے قال! ما ھو؟ فرمایا بیان تو کرو۔

قالت رأيت كان قطعة من جسدك قطعت ووضعت في حجري۔

عرض کیا! میں نے دیکھا کہ آپ کے جسم کا کاٹ کر ایک ٹکڑا علیحدا کیا گیا ہے اور پھر وہ ٹکڑا میری جھولی میں آ گیا۔

فقال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم رأيت خير اتلد فاطمه انشاء الله غلا ما يكون في حجرك۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چچی جان آپ نے بہت اچھا خواب دیکھا انشاء اللہ تعالیٰ میری بیٹی فاطمہ کے گھر لڑکا پیدا ہوگا اور تو اسے گود میں اٹھائے گا۔

فولدت فاطمة الحسين۔

اور پھر شہزدیٔ مصطفےٰ کی گود میں ۵ شعبان المعظم ہجری کے چوتھے سال حسین آ گئے۔

مملکت شہادت کا تاجدار اور گلستان فاطمہ کا دوسرا پھول تاجدار مدینہ کے جسم کا ٹکڑا نانا جان نے شبیر اور حسین نام تجویز فرمایا۔ کان میں تکبیر و اذان کہی۔ حسین کے منہ میں اپنا مبارک لعاب دہن ڈالا۔ ساتویں دن عقیقہ اور ختنہ کیا سر کے بال اتروا کر چاندی وزن کی اور صدقہ دیدی۔

سیّدہ فاطمۃ الزہرا کے گھر میں دو چاند طلوع ہو چکے ہیں گلشن علی میں

دو پھول کھل چکے ہیں چشمۂ نبوت سے جاری ہونے والے دو دریاؤں کے دو درخشندہ موتی۔

سیرت حسین کا خاکہ

سلطنت روحانیت کے شہریار امام حسین کی سیرت طیبہ کو اگر تفصیل سے بیان کیا جائے تو ہزاروں صفحات بھی کم ہیں اور اگر اجمالی طور پر چند جملوں میں بیان کرنا ہو تو یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

کہ حسین اپنے نانا کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔

حسن و جمالِ مصطفائی کا روشن آئینہ تھے۔

سیرت مصطفےٰ کا مظہر اتم تھے۔

آپ کا خلق خلق رسول تھا۔

آپ کی سیرت سیرت رسول تھی۔

آپ کا کردار کردار رسول تھا۔

آپ کا چلنا پھرنا اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا رہنا سہنا سب کا سب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عکس جمیل اور پرتو تامہ تھا آپ گفتگو فرماتے تو یوں معلوم ہوتا امام الانبیاء کی آواز آرہی ہے۔ آپ حجرۂ بتول سے باہر آتے تو ایسا لگتا جیسے فاران کی چوٹیوں سے آمنہ کا چاند طلوع ہو رہا ہے۔

آپ وہ آئینہ نور تھے جس میں جمال مصطفائی کا مکمل مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

☆ گفتار میں وہی حلاوت وہی شیرینی۔

☆ کردار میں وہی پختگی وہی انوار۔

☆ چہرے پر وہی نور اور وہی تقدس۔

☆ رفتار میں وہی عظمت اور وہی وقار۔

☆ سینے میں وہی خلوص کا موجزن بحر بیکنار۔

☆ دل میں وہی جذبۂ رحم وسخاوت۔

☆ آنکھوں میں وہی سرمۂ مازاغ کی چمک۔

☆ رخساروں پر وہی تجلیات والضحیٰ۔

زلفوں میں وہی واللیل کی سیاہی مانگ میں وہی والنجم کی تابانی۔

الغرض شہزادۂ کونین امام حسین علیہ السلام صورت بھی نقشہ سیّد الثقلین تھے اور سیرت میں بھی آپ ہی کا جلوۂ عین بعین تھے۔

اتباع رسول کا پیکر دیکھنا ہو تو امام حسین کو دیکھ لو۔

سنت مصطفیٰ کا پیکر دیکھنا ہو تو حسین کو دیکھ لو۔

آپ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جود وعطاء اور خیر وسخا کے منبع تھے یہ ناممکن بات ہے کہ سائل حسین علیہ السلام کے دروازے پر خالی چلائے جائیں آپ کے خطبات وارشاد میں وہ اثر آفرینی تھی کے سامعین

کے دل بل جاتے اور آنکھیں اشکبار ہو جاتیں۔ حسین علیہ السلام تلاوت فرماتے تو یوں معلوم ہوتا جیسے کتاب مقدس کا نزول ہو رہا ہو آپ کے جود و سخا، کرم و عطاء عبادت و ریاضت اور علم و حلم کے چند واقعات ملاحظہ فرمائیں

سائل نوازی

آپ کے دربار میں ایک سائل حاضر ہوا آپ کے پاس پانچ تولے اشرفیاں تھیں آپ نے ساری اشرفیاں اسے دے دیں۔

شاعر نوازی

آپ کی خدمت میں ایک شاعر نے دو شعر لکھ کر بھیجے۔ چند لمحوں بعد اس نے دو شعر اور لکھ کر بھیج دیئے جن میں اہل بیت کی سخاوت اور اپنی پریشانی کا ظہار کیا گیا تھا۔

آپ نے دس ہزار درہم عطاء کر کے فرمایا کہ اگر تم جلدی نہ کرتے تو ہم اور بھی عطاء کرتے۔

گلدستہ کی قیمت

آپ کی ایک کنیز نے آپ کو گل ریحان کا گلدستہ کے عوض میں کنیز کو آزاد فرمادیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا امام آپ نے ایک گلدستہ کے عوض میں کنیز کو آزاد فرمادیا ہے۔

آپ نے فرمادیا ہاں! اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اذا حییتم بتحیۃ فحیوا با حسن منھا

جو تمہیں دعا دے تم بھی اسے اچھی دعا دو

غلطی کا بدلہ

امام عالی مقام مہمانوں کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے غلام کے ہاتھ سے گرم شوربے کا پیلہ گرا اور آپ کے سر پر ٹوٹ گیا آپ نے تادیباً غلام کو دیکھا تو اس نے پڑھ دیا۔

والکا لمین الغیظ والعا فین عن الناس واللہ یحبّ المحسنین۔

آپ نے فرمایا ہم نے تمہاری غلطی بھی معاف کر دی اور تمہیں آزاد بھی کر دیا اور تمہارے اخراجات بھی ہمارے ذمہ ہیں۔

خلقہ القرآن

آپ چار صد صحابہ کے جلو میں تشریف لئے جا رہے ہیں ایک اعرابی نے پوچھا آپ ابو طالب کے پوتے ہیں۔آپ نے فرمایا ہاں تو اس نے حضرت علی کی شان میں نازیبا کلمات کہے صحابہ کرام نے کہا کے اس کی زبان بند کر دیں لیکن امام عالی مقام نے انہیں روک دیا۔

حسن عبادت

امام زین العابدین سے کسی نے پوچھا! آپ کے والد کی اولاد

کیوں قلیل ہے آپ نے فرمایا جتنی ہے اسے غنیمت سمجھو۔ میرے والد گرامی کو دنیا کی طرف رغبت ہی کب ملتی اور وہ تین ہزار نفل ہر دن رات فرماتے تھے۔

لاجوابی کا انعام

ایک شخص نے امام کی خدمت میں عرض کیا میں نے رسول کریم سے سنا ہے کہ عربی شریف حامل قرآن خوبصورت اور کریم مولٰی کے سامنے اپنی حاجت بیان کرو۔ آپ میں یہ تمام صفات موجود ہیں۔ آپ نے فرمایا اپنی حاجت بیان کرو۔ اس نے زمین پر تحریر کر دیا۔ آپ نے فرمایا تم ذہین آدمی ہو۔ میرے تین سوال ہیں۔ اگر ایک کا جواب دو گے میرے پاس یہ تھیلی ہے اس میں تیسرا حصہ تمہارا دو ۲ کا جواب دو گے تو دو حصے، تینوں کا جواب دو گے تو تو ساری تھیلی تمہاری اس نے دو سوالوں کا جواب دے دیا تو آپ نے تیسرا سوال کا یہ کیا کہ انسان کو کون سی چیز آراستہ کرتی ہے اس نے کہا علم بشرطیکہ بردباری کے ساتھ ہو فرمایا اگر یہ نکل جائے؟

اعرابی نے کہا مال جس کے ساتھ کرم ہو آپ نے فرمایا اگر یہ بھی نکل جائے تو اعرابی نے بے بسی کے ساتھ جھنجھلا کر کہا کہ پھر اسے بجلی جلا دے آپ نے اس کی بے بسی دیکھی تو ہنس پڑے اور پوری تھیلی اس کو عطا کر دی۔

فضائل حسنین

مقام حسین

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس شہزادوں کی فضیلت کون بیان کرسکتا ہے۔ کتب تفاسیر واحادیث کو دیکھتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے دنیا وجہان کی تمام فضیلتیں جمع کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان دونوں کو عطا فرمادی ہوں۔

بلا مبالغہ جمال کبریائی کا مشاہدہ کرنا ہوتو آیئنہ جمال مصطفےٰ میں کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر جمال مصطفےٰ کا نظارہ کرنا ہوتو آیئنہ حسن حسنین کریمین میں کیا جاسکتا ہے۔

حسنین تاجدار مدینہ کا عکس

خدا تعالیٰ کا عکس جمیل اور پرتو کامل تاجدار مدینہ ہیں۔ اور تاجدار مدینہ کا عکس منور اور پرتو حسین جناب حسن اور جناب حسین ہیں۔

حضور کا مظہر حسنین

ذات وصفات خداوندی کے مظہر اتم حضور ہیں اور حضور کے مظہر اتم حسنین ہیں۔ ظہور ربوبیت خدا کی علت غائیہ جناب آمنہ کے لال ہیں۔ اور

ظہورِ مصطفائی کا سبب خاص جناب فاطمہ کے لال ہیں۔ اللہ تعالی کے معبود یکتا ہونے کی شہادت مکہ کی گلیوں میں پتھر کھا کر نانا نے دی اور اس شہادت کی شہادت گلے پر خنجر پھرا کر اپنی شہادت سے نواسے نے کربلا میں دی۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پتھروں کی بارش میں سجدے کیے۔ حُسین نے تیروں اور تلواروں کی بارش میں اس فرض کو ادا کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظل خدا ہیں اور حسنین کریمین ظل مصطفٰے ہیں۔

اعلیحضرت بریلوی فرماتے ہیں!

معدوم نہ تھا سایہ شاہ ثقلین
اس نور کی جلوہ گاہ تھی ذات حسنین

تمثیل نے اس سایہ کے دو حصہ کئے
آدھے سے حسن بنے آدھے سے حسین

یہ حقیقت ہے

اور یہ محض تمثیل کی بات نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں شہزادے اپنے نانا کی مکمل ترین تصویر تھے۔

احادیث میں آتا ہے کہ حضرت حسن علیہ اسلام سر اقدس سے سینہ مبارک تک اور حضرت حسین سینہ مبارک سے پاؤں تک سرکار دو عالم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی مکمل تشبیہ تھے۔

عن علی قال الحسن اشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ما بین الصدر الی الراس والحسین اشبہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما کان اسفل من ذالک

ظاہر اور باطن میں مکمل تصویر

سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں شہزادے جس طرح ظاہر میں آپ کی شباہت منورہ کی مکمل ترین تصویر تھے اسی طرح باطن میں بھی کامل ومکمل اور پورا پورا نقشہ تھے۔ جس طرح یہ دونوں صورۃ حضور کی یاد تازہ کردیتے تھے اسی طرح معنا بھی آپ ہی کے فرائض کی تکمیل کرتے تھے۔

حضور کے لئے شہادت کا عظیم مرتبہ

شہادت ایک عظیم مرتبہ اور منصب جلیلہ تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ضروری تھا کہ اس منصب جلیلہ پر فائز ہوتے۔

کیوں ضروری تھا؟ اس لئے کہ جس قدر بھی انبیاء کرام آپ سے پہلے تشریف لائے،۔

ان تمام کو جو جو بھی فضیلت عطاء ہوئی جو جو بھی مقام حاصل ہوا وہ امام الانبیاء ہی کے صدقہ سے ملا۔

آپ امام الانبیاء ہیں مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء کرام نے آپ کی

اقتداء میں نماز پڑھی امام وہی ہوسکتا ہے۔ جو اپنے مقتدیوں سے فضائل و کمالات میں افضل ہو۔ فرداً فرداً جو خوبی جو فضیلت اور جو کمال کسی نبی کو ملا وہ ضروری تھا کہ امام الانبیاء کو حاصل ہوتا ہے۔

سرّی اور جھری شھادت

شہادت ایک خاص فضیلت اور عظیم مرتبہ تھا متعدد انبیاء کرام سے سرفراز ہو چکے تھے۔ بعض کو شہادت باطن نصیب ہوئی امام الانبیاء کو ان دونوں مرتبوں کو کرنا تھا۔ مگر یہ دونوں شہادتیں ایک جگہ کیسے آسکتی تھیں شہادت ظاہر نصیب ہوتی تو چھپ کیسے سکتی باطنی شہادت ملتی تو ظاہر کیسے ہوتی۔ ظاہر و باطن ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ہیں اور اجتماع ضدین محال ہے یہاں ایک اور بحث چھڑنے کا امکان ہے۔ لیکن ہمیں بحث سے اجتناب کرنا ہے۔

ھو الظاھر ھو الباطن۔

اپنے اثرات کے اعتبار سے ہے۔ یہاں سے بھی ظہور و بطون کا مقصد و منشاء اور مرکز و محور ایک ہی ہے۔ یہ دونوں دریا ایک ہی سمندر میں گریں گے ہر ظاہر کا ایک ہی باطن اور ہر باطن کا ایک ظاہر ہونا ہے۔ لیکن ظاہر کو ظاہر باطن کو باطن کہے بغیر بات بن نہیں سکتی۔ یہ دو شہادتیں تھیں۔ کچھ انبیاء کرام کو مجمع عام میں شہید کر دیا گیا تھا اور کچھ کو پوشیدہ طور پر شہید کر دیا گیا

ان کی شہادت کے حالات تک بھی ہمیں نہیں ملتے۔ البتہ ان کے شہید ہونے کی گواہیاں قرآن مجید میں موجود ہیں ان کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتے ہیں

یقتلون النبی بغیر الحق

حضور کو دو شہادتیں ملیں

چھپی ہوئی اور پوشیدہ شہادت امام حسن کو مل گئی ایسی پر اسرار اور پوشیدہ کہ ان کے قاتل کا آج تک فیصلہ نہیں ہو سکا۔ ظاہر کی شہادت امام حسین کو مل گئی ایسی ظاہر کہ ہمیں تاریخ بتاتی ہے۔ کہ ان کے جسم نازنین پر تلواروں کے کتنے زخم تھے۔ کتنے گھاؤ تھے اور تیروں کی کتنی انیاں پیوست تھیں۔ ہمیں پتہ چل جاتا ہے کہ ان پر تیروں کی بارش کس کس نے کی اور ان پر تلوار کس کس نے چلائی۔ وہ شہید کس کے نیزے اور تلوار سے ہوئے اور ان کی مقدس گردن کو جسد اطہر سے کس نے علیحدہ کیا یہی نہیں بلکہ امام حسین کی اس ظاہر اور جہری شہادت کا پرتو ان کے ساتھیوں پر بھی پورے طور پر پڑا تھا۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ان کا کون کون ساتھی کس کس طرح شہید ہوا، اور انہیں کس کس نے شہید کیا۔

کمال ظہور شہادت

شہادت امام حسین علیہ السلام کو کمال ظہور شہادت کہا جا سکتا ہے اور شہادت امام حسن علیہ السلام کو کمال بطون شہادت کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اور یہ

دونوں شہادتیں نواسوں کی طرف سے ہو کر نانا کے مناصب عظمیٰ کی تکمیل کر گئیں۔ اب امام الانبیاء کی وہ تمام فضیلتیں ظہور میں آ گئیں جو دوسرے تمام انبیاء کو فرداً فرداً عطا فرمائی گئی تھیں۔ حضرات حسنین کریمین کی شہادتیں دراصل امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسنین کریمین کو اپنے بیٹے فرمایا کرتے تھے۔

سرکار نے اعزازات دے دئیے

فقال ھذا ابنای وابنا ابنتی

فرمایا یہ میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔

ایک دوسری جگہ امام حسین علیہ اسلام کے متعلق پیشگوئی فرمائی کہ یہ میرا بیٹا شہید ہو گا۔

فرمایا حسن و حسین میرے بیٹے ہیں ان سے محبت کرو۔ ان سے محبت کرنا مجھ سے محبت کرنا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ آپ امام حسین کو فرماتے ہیں۔ حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں اور اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے جو حسین سے محبت کرتا ہے۔

عن یعلی بن مرۃ ۔قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسین منی وانا من حسین ۔احب اللہ معا من احب حسینا۔

شہادت حسین میں نقص تلاش کرنا درحقیقت شہادت مصطفیٰ میں خامیاں نکالنے کے مترادف ہے۔اس لئے کہ یزیدیوں نے حسین سے نہیں بلکہ مصطفیٰ سے جنگ لڑی تھی۔ حسین پر چلنے والی تلواریں رسول خدا پر چل رہی تھیں۔یزید نے حسین کے نہیں امام الانبیاء کے ہاتھوں کو اپنے ناپاک ہاتھوں میں لینا چاہا تھا۔رسول خدا کو قتل کردینے کا حکم نامہ جاری کیا تھا۔

ابن زیاد کو گرفتاری مصطفیٰ کا پروانہ جاری کیا تھا۔شمر کی تلوار گردن مصطفیٰ پر چلی تھی۔ حسین سے جنگ کرنا حقیقت میں مصطفیٰ سے جنگ کرنا تھا اور مصطفیٰ سے لڑائی کرنا خدا سے لڑنا تھا۔

یہ فرامین رسول ہیں

یہ کسی داستان گو کا تصور اور کسی افسانہ نگار کا تخیل نہیں بلکہ یہ امام الانبیاء کا فرمان ہے۔جس نے میرے شہزادوں سے محبت کی اس نے ہم سے محبت کی۔

جس نے ان سے بغض رکھا اس نے ہم سے بغض رکھا۔

جس نے ان سے لڑائی کی اس نے ہم سے لڑائی کی۔

جس نے ان سے صلح رکھی اس نے ہمارے ساتھ صلح رکھی۔

جس نے ان کو غضبناک کیا اس نے ہم کو غضبناک کیا۔

جس نے ہم کو غضبناک کیا اس نے خدا تعالیٰ کو غضبناک کیا اور جس

نے خدا تعالیٰ کو غضبناک کیا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم من احبهما فقد احبنی ومن ابغضهما فقد اغضبنی یعنی حسنا وحسینا فقال انا حرب لمن حاربکم سلم لمن سالمکم۔

عن سیلمان قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم یقول الحسن و الحسین ابنائی من احبهما احبنی ومن احبنی احبه الله ومن احبه ادخله الجنة ومن اغبضهما ابغضنی ومن ابغضنی ابغضه ومن ابغضه ادخله النار۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا آپ اہل بیت میں سے کس کے ساتھ زیادہ محبت کرتے ہیں۔ فرمایا الحسن والحسین۔

من احب الحسن والحسین فقد احبنی ومن یغضبهما فقد ابغضنی۔

یہی نہیں کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا والوں کو ہی فرمایا ہو کہ میرے نواسوں سے محبت کرو بلکہ آپ بارگاہ خداوندی میں بھی عرض کرتے ہیں کہ یا اللہ میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما اور اُن سے بھی محبت کر جو ان سے محبت کرتے ہیں۔

اللھم انی احبهما واحب یحبهما،

یہ انتہائے محبت ہے اس کو الفاظ میں کہاں تک بیان کیا جا سکتا ہے اپنی جان سے کون پیار نہیں کرتا، حسنین کریمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر کے ٹکڑے ہیں۔ صورۃً اور معناً آپ کی کامل تصویر ہیں، آپ کے چمن کی بہار ہیں۔ آپ کی آنکھوں کا نور اور دل کا سُرور ہیں۔ چمن رسالت کے دو پھول ہیں اور گُلِ نبوت کی روح پرور خوشبو ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حسن و حسین میری دنیا کی زینت و آرائش ہیں۔

الحسن والحسین هما ریحانی من الدنیا۔

فضیلت حسنین کریمین کا احاطہ واستعیاب ناممکن ہے۔ قیامت کے دن جب لوگوں کو زندہ کیا جائے گا تو سب نوجوانی کے عالم میں ہوں گے۔ جنت میں جو بھی جائے گا وہ عالم شباب ہوگا۔ تمام جنتی جوان ہوں گے اور حسن و حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہوں گے۔

کیوں نہ ہو۔ ان کی شہادت شہادتِ رسول ہے۔ رسول ہاشمی کو قرآن کریم میں یٰسین کے نام سے خطاب کیا گیا یعنی اے سید اے سردار۔

سید کی بیٹی سیدہ ہے اور سیدہ کے بیٹے پہلے سید حسن و حسین ہیں جبھی تو جنت کے جوانوں کی سرداری آپ کو ملی اور ان کی یہ سرداری دراصل امام الانبیاء کی سرداری ہے۔ اس لئے کہ ان کی شہادت کا کمال کمالاتِ نبوت میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ جبھی تو ان کی شہادت گمان نقص اور امکان زوال نہیں

ہے بے شک بند کیتا مصطفےٰ بوہا نبوت دا
نبوت وچ شامل نئی مگر منصب شہادت دا

تے فرضِ منصبی اپنے نوں صائم کربلا اندر
پیا کر دا اے پورا لاڈلا خاتون جنت دا

دشمن حُسین جنت میں نہیں جائے گا

جسے حسین کے امام برحق ہونے میں شک ہو، اُمت کا سردار ہونے میں تردد ہو وہ جنت میں کیسے جائے گا۔ کیونکہ جنت میں تو حسین کی سرداری ہوگی، دشمنِ حسین کا وہاں کیا کام ہے۔اور یہ فرمان رسول ہے!

عن ابی سعید قال قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم الحسن والحسین سید الشباب اهل الجنة۔

اور یہ بھی آپ جان ہی چکے ہوں گے کہ حسین سے بغض رکھنے والا جہنم میں داخل کردیا جائے گا چاہے وہ کوئی بھی ہو۔

حُسین سے محبت کرو

حسین کی شہادت میں خامیاں تلاش کرنے کی بجائے حسین سے محبت کرنا سیکھو، یہی راہ نجات ہے محبت حسین ہی محبت رسول ہے اور محبت رسول کے بغیر کوئی بھی مومن نہیں ہوسکتا۔

لا یو من احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجعمین۔

معیار محبت یہی ہے کہ محبوب کی ہر ادا کے ساتھ پورے خلوص ودیانت اور پوری ایمانداری سے محبت کی جائے۔اس کے تمام افعال واقوال کو پسند کیا جائے اور محبت کی نظر سے دیکھا جائے۔

اگر دنیا سے ایمان کی دولت لے کر جانا چاہتے ہو تو رسول معظم سے محبت کرو۔اس کی ہر ادا کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھو۔اور اگر رسول معظم سے محبت کرنا ہے تو شہید اعظم سے محبت کرو۔اس کی ہر ادا کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھو۔اس کی عظیم شہادت میں خامیاں نہ تلاش کرو۔نادانو! حسین کا بغض تمہیں جہنم میں لے جائے گا۔

شہادت حُسین میں عیب نہ ڈھونڈو

حسین کی شہادت میں کسی خامی اور نقص کا احتمال موجود ہی نہیں اس لئے کہ شہادت حسین تو شہادتِ رسول ہے۔اگر تم یہ جانتے ہوئے بھی اس میں عیوب ونقائص تلاش کرتے ہو تو پھر تم میں اور عیسائی مورخوں میں کیا فرق ہے۔تم میں اور آریہ سماجی مناظروں میں کیا امتیاز ہے۔

ابھی وقت ہے توبہ کے دروازے بند ہو جانے کے بعد کچھ نہیں ہو سکے گا۔دنیائے تحقیق وفلسفہ کا دور حاضر کا امام اقبال شہادت حسین کو کس انداز میں دیکھ رہا ہے۔

اسلام کے دامن میں بس اس کے سوا کیا ہے
اک ضرب یداللّٰہی اک سجدۂ شبیری

﴿اقبال﴾

سجدہ شبیر کو ناتمام سمجھنے والو اگر روح اسلام کو اسلام سے نکال دو گے تو باقی کیا ہے جو تم صورت اسلام میں دنیا کے سامنے پیش کر سکو گے۔

نمازیں نفع نہ دیں گی

تمہارا گمان ہے کہ لمبی لمبی نمازیں پڑھنے سے تمہیں جنت کا ٹکٹ مل جائے گا لیکن یہ غلط ہے۔ جب تک اس نماز کی عزت نہیں کرو گے جو تلواروں سائے میں ادا کی گئی تمہاری نمازیں تمہیں کچھ نفع نہیں دے سکیں گی۔ اگر حسین کے اس سجدے میں کمی ہے جو زیر خنجر ادا کیا گیا تھا تو تم سوچو کہ تمہارے بے کیف و بے حضور سجدوں میں کیا رکھا ہے۔ سجدہ تو وہی ہے جو حسین نے ادا کیا، نماز تو وہی تھی جو فاطمہ کے لال نے پڑھی۔

دیکھ! آئینہ تیغ میں اُسے حسن یار کی دید ہے
جو نثار سجدے میں سر کرے وہ امام ہے شہید ہے

مقام سجدہ ریزی

سنو! بے ذوق سجدوں کے نشانوں سے جبینیں سیاہ کرنے والو یزید کے حواریو! مقام سجدہ ریزی کیا ہے۔

بغیر سر فروشی آدمی زندہ نہیں ہوتا
مذاق زندگی بے سر دیئے پیدا نہیں ہوتا

جو رسما ہم کر تے ہیں ممکن !وہ بھی سجدہ ہو
مگر بے سر کٹائے عشق کا سجدہ نہیں ہوتا

سجدوں کی اس لذت سے آشنائی چاہتے ہوتو حسین کا دامن تھامنا پڑے گا۔

ذوقِ نماز کے تمنائی ہوتو بارگاہ شبیری سے رابطہ قائم کرو، ان سے درس حیات اورطریق سجدہ ریزی سیکھو۔

سر وہ سر ہے جو رب کی راہ پر جھک جائے
موقعہ نہ ہو جھکنے کا ! مگر جھک جائے

جب قتل ونمازایک ساتھ آ جائیں
تو تلوار اٹھنے سے پہلے سر جھک جائے

سجدہِ حسینی پرلاکھوں سجدے قربان

حسین کے ایک سجدے پر اُمت کے لاکھوں سجدے قربان

☆ہمارے سجدے بے سرور و بے حضور۔

☆حسین کے سجدوں میں حضوری کا نور۔

☆ہمارے سجدوں میں نہ ذوق نہ کمال،۔

☆حسین کے سجدے میں لذت وصال۔

☆ہمارے سجدے بے دستور و بے آئین۔

☆،حسین کے سجدے میں الصلواۃ معراج المومنین۔

☆ہمارے سجدوں میں وسوسہ کاروبار،۔

☆حسین کے سجدے میں جلوہ حسن یار۔

،حسین تیرے سجدے کے سرخ نشانوں پر اُمت کی جبنیں نثار، ملائکہ کے سجدے قربان،

سجدے تو سب نے کئے تیرا نیا انداز ہے
تو نے وہ سجدہ کیا جس پر خدا کو ناز ہے

بہر حال بتانا یہ تھا کہ حسین نے زیر خنجر نماز ادا کر کے شہادت کی عروسہ کو اور بھی نکھار دیا ہے اور دنیا والوں کو بتادیا کہ!

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سائے میں
نمازِ عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں

﴿حفیظ﴾

حضور کی امام حسین سے محبت

جس طرف بھی نگاہ اُٹھتی ہے امام عالی مقام کی عظمتیں اور فضیلتیں اپنے عنبریں گیسو سنوارے نظر آتی ہیں۔

امام الانبیاء صحابہ کرام کو خطبہ دے رہے ہیں، پانچ چھ سال کی عمر کے دونوں شہزادے سرخ قمیصیں زیب تن کئے حجرہ فاطمہ سے نکل کر نانا جان کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

راستہ کی ناہمواری کی وجہ سے ٹھوکر لگتی ہے اور گر پڑتے ہیں امام الانبیاء نے نواسوں کو گرتے دیکھا تو تڑپ گئے اور بیتاب ہوکر خطبہ پورا کئے بغیر منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔

آگے بڑھ کر دونوں کو آغوش میں لے لیا اور گود میں بٹھا کر دوبارہ خطبہ شروع کرتے ہوئے فرمایا۔

سچ فرمایا ہے خدا تعالیٰ نے کہ تمہارا مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں ۔میری طرف ہی دیکھ لو، ان بچوں کو گرتے دیکھا تو مجھ سے برداشت نہ ہو سکا اور بات پوری کئے بغیر پہلے ان کو جا کر اُٹھایا،

عن بریدة قال کان رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم یخطبنا اذاجاء الحسن والحسین وعلیهما قمیصان احمران ویعثران فنزل رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم

من المنبر وحملها ووضعها بين يديه ثم قال صدق الله انما اموالكم واولادكم فتنة نظرت الیٰ
ھذین الصبیین یمشیان ویعثران فلم اصبر حتی قطعت حدیثی ورفعتبهما

زیرِ خنجر سجدہ ادا فرمانے والے حسین ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت مبارک پر اس وقت سوار ہو گئے جب آپ مسجد نبوی میں نماز پڑھا رہے تھے۔

آپ اس وقت تک سجدے میں پڑے رہے جب تک کہ حسین پشت مبارک سے خود نہ اُتر آئے پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ نے عرض کیا! یارسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان۔

کیا اب سجدوں کو طویل کرنے کا حکم آ گیا ہے یا آپ پر اس وقت وحی نازل ہو رہی تھی جو آپ نے اس قدر طویل سجدہ ادا فرمایا،

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ایسی کوئی وجہ نہیں تھی بلکہ یہ وجہ تھی کہ میرا بیٹا میرے اوپر سوار ہو گیا تھا۔

مجھے اس میں کراہت نظر آئی کہ میں جلدی اُٹھوں اور یہ گر جائے حتیٰ کہ یہ اپنی مرضی سے اُتر آیا۔

قال خرج علینا رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم فی احدی صلواة العشی الظهر

والعصروهوحا مل احدا بنيه الحسن
والحسين فتقدم رسول اللهصلی الله علیه
وآله وسلم فوضعه عندقدمه الیمنی
فسجدرسول الله صلی الله علیه وآله وسلم
س سجدة اطال قال ابی فر فعت را سئی من
بین الناس
فاذا رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم
ساجد واذ الغلام راکب علیٰ ظهره فعدت
فسجدت فلما انصرف رسول الله صلی الله
علیه وآله وسلم قال یا رسول الله لقد سجدت
فی صلاتک هذه سجدة ما کنت تسجدها
افشئی امرت به او کان یوحی الیک قال کل
ذالک لم یکن ولکن ابنی
ار تحلق فکر هت ان اعجله حتیٰ یقضی
حاجة،

﴿ المستدرک ﴾

اللہ اکبر!

یہ ہے مقام حسینؑ، بارگاہ مصطفیٰ اور نگاہ رسول میں کروڑوں سلام ہوں اس جگر گوشہ بتول پر جس کے لئے امام الانبیاء خطبہ چھوڑ کر منبر سے اُتر آتے ہیں۔

اربوں درود ہوں اس حیدر کرار کے دلبند کو جو تاجدار انبیاء کی پشت

پرسوار ہو جائے۔ تو آپ اس وقت تک سجدہ سے سر نہ اُٹھائیں جب تک وہ خود نہ اُتر جائیں۔

خاصۂ ربِّ داور پہ لاکھوں سلام
نورِ عینِ پیمبر پہ لاکھوں سلام
تشنۂ آبِ خنجر پہ لاکھوں سلام
مالکِ نہرِ کوثر پہ لاکھوں سلام
اس حُسین ابنِ حیدر پہ لاکھوں سلام
اس شہیدِ دلاور پہ لاکھوں سلام

جس کو جھولا فرشتے جھلاتے رہے
لوریاں دے کے نوری سُلاتے رہے
جس کو کندھوں پہ آقا بٹھاتے رہے
جس پہ سفّاک خنجر چلاتے رہے
اس شہیدوں کے افسر پہ لاکھوں سلام
اس حسین ابنِ حیدر پہ لاکھوں سلام

جو جوانانِ جنت کا سالار ہے
جس کا نانا دو عالم کا سردار ہے

جو سراپائے محبوب غفار ہے
جس کا سر دشت میں زیر تلوار ہے
اس صداقت کے پیکر پہ لاکھوں سلام
اس حسین ابن حیدر پہ لاکھوں سلام

﴿ضیاالقادری﴾

عظمت امام حسین

☆حسین گلشن اسلام کی بہار ہے
☆مملکت حق وصداقت کا تاجدار ہے
☆صبر ورضا کی سلطنت کا شہریار ہے
☆حسین مہر نبوت کا سوار ہے
☆حسین روشنی کا مینار ہے
☆حسین مطلع انوار ہے
☆محمد عربی کے دل کا قرار ہے
☆حجرہ فاطمہ کی بہار ہے
☆خالق کائنات کا عظیم شہکار ہے
☆نوجواناں جنت کا سردار ہے
☆شہیدان محبت کا قافلہ سالار ہے

☆حسین عزم ویقین کی تلوار ہے
☆حسین کا چہرہ مطلع انوار ہے
☆حسین کا دیدار محمد عربی کا دیدار ہے

جو دہکتی آگ کے شعلوں پہ سویا وہ حسین
جس نے اپنے خون سے زخموں کو دھویا وہ حسین

جو جواں بیٹے کی میت پہ نہ رویا وہ حسین
جس نے سب کچھ کھو کے، پھر بھی کچھ نہ کھویا وہ حسین

مرتبہ اسلام کا جس نے دوبالا کر دیا
خون نے جس کے دو عالم میں اُجالا کر دیا

نطق جس کا زینت دین پیمبر وہ حسین
تھا جو شرح مصطفےٰ، تفسیر حیدر وہ حسین

لاکھ پر بھاری ہوئے جس کے بہتر ۷۲ وہ حسین
تھا مثال مرتضےٰ جس کا تہور وہ حسین

وہ جو خونی غم کو سانچے میں خوشی کے ڈھال کر
مسکرایا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

آمنہ کا چاند اور فاطمہ کا چاند

صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ چودھویں کا چاند پوری آب وتاب سے آسمان پر چمک رہا تھا اور مدینہ کا چاند مسجد نبوی شریف کے کھلے صحن میں محوِ استراحت تھا۔

ہم کبھی آسمان کے چاند کو دیکھتے اور کبھی زمین کے چاند کو۔ ہماری نگاہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ آمنہ کے چاند کے چہرہ انور کی تجلیات کے سامنے آسمان کے چاند کا حسن پھیکا اور ماند ہے۔

یہ آمنہ کے چاند کی بات تھی، فاطمہ کا چاند اس چاند کا مظہر اتم اور عکس جمیل تھا۔

نانا کے حسن کی تجلیات کا نواسہ کے رخِ انور سے پورا پورا ظہور ہوتا تھا۔

معتبر روایات میں آتا ہے کہ جب حسین علیہ السلام اندھیرے میں تشریف فرما ہوتے تو آپ کی پیشانی اور نورانی عارضوں سے روشنی کی کرنیں پھوٹ کر قرب وجوار کو منور اور درخشاں کر دیتیں امام حسین علیہ السلام کو ایک خودغرض سیاسی انسان بنا کر پیش کرنے والو غور تو کرو حسین

کون ہیں اور کس کا نور ہیں۔

شہزا دوں کی کشتی

گلستان زہرہ ننھے ننھے پھول آپس میں کشتی لڑتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیٹی کے پاس بیٹھے ہوئے یہ کشتی دیکھ رہے ہیں۔

اور پھر آپ نے جناب حسن کو فرمایا حسن ! حسین کو پکڑ لو سیدہ نے حیران ہو کر عرض کی ابا جان! آپ بڑے کو فرما رہے ہیں کہ چھوٹے کو پکڑ لے تو آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ ہاں بیٹی! دوسری طرف جبریل حسین کو کہہ رہے ہیں کہ حسن کو پکڑ لو۔

﴿نزہۃ المجالس ج دوم صفحہ ۲۲۲﴾

﴿شواہد النبوت صفحہ ۳۰۴﴾

اللہ اکبر ! یہ مقام ہے بنت رسول جناب خاتون قیامت سلام اللہ علیہا کے شہزادوں کا جن کو کھیلتے دیکھ کر ذات خداوندی کو ذوق آجائے اور جبریل کو بھیج کر کشتی لڑائے۔

یوں تو ہر شخص اپنی اولاد کو پیار کرتا ہے مگر جو پیار جو محبت اور جو عشق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے نواسوں سے ہے اس کی مثال پیش ہی نہیں کی جاسکتی، مثال آئے گی کہاں سے۔

نانا بھی بے مثال ہیں اور نانا کی محبت بھی بے مثال ہے۔

نواسے بھی بے مثال ہیں اور نواسوں کی شہادت بھی بے مثال ہے آپ کو معلوم تھا کہ میرا یہ حسین ایک دن میرے دم توڑتے ہوئے دین کو زندگی دینے والا ہے۔

پیغام خدا آگیا

ایک دن امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی صاحبزادی عالی وقار کے گھر میں تشریف فرما ہیں۔ جناب حسین علیہ السلام کو دائیں طرف آغوش میں لے رکھا ہے اور اپنے بیٹے جناب ابراہیم کو بائیں طرف بٹھا رکھا ہے عجیب کیف پرور سماں ہے آسمان آغوش رسالت پر بیک وقت دو چاند طلوع ہیں۔ ایک اپنا بیٹا ہے اور ایک بیٹی کا بیٹا ہے۔ دونوں کی محبت کا سمندر سینے میں موجزن ہے۔

دونوں ہی گلشن نبوت کی بہار ہیں دونوں ہی چمن رسالت کے مہکتے ہوئے پھول ہیں۔ آغوش رسول میں خوشی اور مسرت کا دوہرا جہان آباد ہے جان کائنات کی مسرت دیکھ کر تمام کائنات خوشیوں سے لبریز ہے روح عالم کی خوشی نے دونوں جہان میں کیف وسرور کی رنگینیاں بھر دیں ہیں آپ کبھی حسین کو سینے سے لگاتے اور کبھی ابراہیم کو پیار کرتے ہیں۔

اسی عالم وجد و کیف میں جبریل حاضر خدمت ہو کر سلام عرض کرتے ہیں آپ نے وعلیکم السلام فرما کر آنے کا سبب پوچھا جبریل نے نگاہیں

جھکالیں اور غمزدہ ہو کر عرض کی! کہ خدا تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جھجکتے کیوں ہو! کہو میرے رب نے کیا حکم بھیجا ہے؟ جبریل حضور آپ نے دو شہزادوں کو آغوش مبارک میں لے رکھا ہے۔

امام الانبیاء ، ہاں کہو کیا بات ہے؟

جبریل خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ ان میں سے ایک آپ کے پاس رہے گا اور ایک کو واپس بلا لیا جائے گا۔

امام الانبیاء! ہم خدا کی رضا پر راضی ہیں کہو میرے رب جلیل نے کس کو واپس مانگا ہے۔

جبریل۔ یہ معاملہ جناب کی مرضی پر چھوڑ دیا ہے آپ جسے چاہیں رکھ سکتے ہیں اور جسے چاہیں واپس کر سکتے ہیں۔

پیغمبر راضی برضا ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا ہر حکم اپنی خواہش پر مقدم رکھنا ہوتا ہے یہ بھی کیا کم ہے کہ جسے چاہو رکھ لو جسے چاہو واپس کر دو۔

﴿شواہد النبوۃ ۳۰۵﴾

بیٹے کی قربانی دے دی

آپ نے خیال فرمایا۔ حسین کو واپس کرتا ہوں تو اس کا صدمہ میری فاطمہ کو بھی ہوگا، علی کو بھی اور میری جان سوزی بھی ہوگی۔ ابراہیم کو واپس کرتا ہوں تو زیادہ الم میری جان پر ہی ٹوٹے گا۔ اور پھر دربار خداوندی میں پیغام

بھیج دیا کہ میں حسین کو موت کے حوالے کر کے اپنی بیٹی کا غم نہیں دیکھ سکتا اور ابراہیم کو بارگاہ ایزدی میں واپس کرتا ہوں۔

اور پھر تین روز بعد جناب ابراہیم رضی اللہ عنہ کا وصال مبارک ہو گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اس کے بعد جب بھی امام حسین علیہ السلام نانا کے پاس آتے مرحبا اے میری بیٹی کے بیٹے! پھر آپ کی پیشانی کو چوم کر لوگوں کو مخاطب کر کے کہ میں نے اس پر اپنے بیٹے کو قربان کر دیا ہے۔

امام حسین کے اعزازات

تمام انبیاء و رسول جس مقدس رسول کے پائے اقدس کو بوسہ دینا اپنے لئے باعث عزت و افتخار سمجھتے ہیں اور جبریل جن کے تلووں پر اپنے کافوری لبوں کو ملنا وجہ فخر و مباہات جانتا ہے۔

وہ مقدس رسول اور تمام انبیاء کا تاجدار حسین علیہ السلام کو اپنے مقدس شانوں پر سوار کراتا ہے۔

سواری اچھی سوار اچھا

ایک روز حسب معمول سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے شہزادے کو کاندھے پر سوار کئے ہوئے باہر تشریف لائے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا حسین کتنے خوش نصیب ہیں جنہیں اتنی اچھی

سواری مل گئی۔

امام الانبیاء نے خوش ہو کر مسکراتے ہوئے فرمایا! سوار بھی تو بہت اچھا ہے۔

نعم الجمل جملکما ونعم العدان

حقیقت یہ ہے کہ مقام حسین کا اگر کوئی تعین تو وہ یا تو خداوند بزرگ و برتر کی ذات اقدس ہے یا حسین کے نانا کی ذات مقدس

خوش خطی کا مقابلہ!

دنیا کا کون سا ایسا بچہ ہے جس کے مشاغل میں اس طرح دلچسپی لیتی ہو

جناب حسنین کریمین تختیاں جناب سیدہ کے حضور میں فیصلے کیلئے پیش کرتے ہیں آپ نے فرمایا اپنے ابا جان کے پاس لے جاؤ شہزادے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خدمت میں عرض کرتے ہیں ابا جان! فیصلہ فرما دیجئے کس کا خط اچھا ہے۔

باب العلم نے کہا یہ بڑا مشکل کام ہے اپنے نانا جان کے حضور لے جاؤ شہزادے نانا جان کے حضور میں آ گئے اور عرض کیا نانا جان ہمیں بتا دیجئے کس کا خط اچھا ہے۔ نہ امی جان نے فیصلہ فرمایا ہے اور نہ ہی ابا جان کچھ فرماتے ہیں۔

دنیا بھر کے فیصلے کرنے والے امام الانبیاء سوچ میں پڑ گئے دل میں خیال آیا اگر حسین کا خط اچھا کہا گیا تو حسن کو ملال ہوگا اور اگر حسن کو زیادہ نمبر دیئے تو حسین پریشان ہوگا اور ہمیں تو کسی کی پریشانی بھی گوارا نہیں ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوچ ہی رہے تھے کہ جبریل حاضر ہو گئے سلام کہا اور عرض کیا حضور ان کا فیصلہ خدا تعالیٰ فرمائیں گے میں بحکم ایزدی سات موتی لایا ہوں۔ جس کی تختی پر چار موتی گریں گے اس کا خط اچھا قرار پائے گا پھر جبریل نے وہ ساتوں موتی تختیوں پر ہاتھ اونچا کر کے چھوڑ دیئے۔

تین تین موتی دونوں تختیوں پر آ گئے ساتواں موتی راستے ہی میں ٹوٹ کر آدھا ایک تختی پر اور آدھا دوسری تختی پر آ گیا۔ یہ ہے مقام حسین دربار خداوندی میں اور نگاہ رسول میں

﴿نزہتہ المجالس جلد دوم ص۲۳۳﴾

عید کیلئے کپڑے جنت سے آگئے

رمضان المبارک کی انتیس تاریخ ہے امام حسن کی عمر مبارک پانچ سال اور جناب حسین علیہ السلام کی عمر مبارک چار سال دو ماہ کی ہے۔ جناب فاطمہ چکی پیس کر فارغ ہوتی ہیں آپ نے جائے نماز بچھایا تو حضرات حسنین کریمین اوپر لیٹ گئے۔

جناب سیدہ نے اٹھنے کو کہا شہزادے مچل گئے اور یوں کہنے لگے امی جان! صبح عید ہو جائے گی عید کے روز لوگوں کے بچے نئے کپڑے پہنیں گے ہمیں بھی نئے کپڑے منگوا کر دیں۔

سلطنت صبر و رضا کی ملکہ معظّمہ اور مملکت فقر کی شہزادی سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کا دل ہل گیا آپ نے بچوں کو سینے سے لگا کر فرمایا میرے چاند مجھے نماز تو پڑھنے دو کل تمہیں نئے کپڑے منگوا دوں گی۔

امی! کل تو عید ہے کپڑے اگر کل آئے تو سلیں گے کیسے ؟

آپ نے فرمایا ! فکر نہ کرو میرے چاند درزی تمہارے سلے سلائے کپڑے لائے گا۔ اور پھر آپ نے نماز پڑھنا شروع کر دی۔ نماز کے بعد آپ نے دربار خداوندی میں ہاتھ اٹھا دیئے اور یوں عرض کی۔

بار الہا! تو سب کچھ جانتا ہے تیری کنیز نے بچوں سے صرف اس لئے وعدہ کر لیا ہے کہ ان کا دل نہ ٹوٹ جائے۔

میرے خدا تو خوب جانتا ہے کہ فاطمہ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا یا اللہ میرے اٹھے ہوئے ہاتھوں کی لاج رکھ لینا۔

یا اللہ العالمین میں نے تیری رحمت کے سہارے پر بچوں سے نئے کپڑوں کے آنے کا وعدہ کر لیا ہے۔ یا اللہ میرے وعدے کو ایفا فرما دینا پھر افطاری کا وقت ہوتے ہی عید کا چاند طلوع ہو گیا۔

مدینہ منورہ میں منادی ہو رہی تھی کہ صبح کو عید الفطر ہو گی تمام لوگ عید

آنے کی خوشی میں ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے بچے ابھی سے عید کی تیاریاں کر رہے تھے رات کو سوتے وقت فاطمہ کے شہزادوں نے پھر اپنا وعدہ امی کو یاد دلا دیا۔

سیدۃ النساء العالمین پہلے سے شب بیدار تھیں۔ پوری رات نوافل میں بسر کی فجر کی نماز کے بعد آپ دعا مانگ رہی تھیں کہ دروازہ پر دستک ہوئی آپ نے پوچھا کون ہے ؟ آواز آئی ! بنت رسول آپ کا درزی ہوں۔ شہزادوں کے کپڑے لے آیا ہوں۔ آپ نے استعانت غیبی سمجھ کر کپڑے وصول کر لئے۔ بہت خوبصورت اور قیمتی لباس تھا آپ ابھی بچوں کو کپڑے پہنا رہی تھیں کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔

حسنین کریمین کے نئے جوڑے دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئے آپ نے پوچھا بیٹی یہ کپڑے کہاں سے آئے ہیں ؟ عرض کیا! ابا جان ایک درزی دے گیا ہے میں نے سے نئے کپڑوں کا وعدہ کر لیا تھا جسے اللہ تعالیٰ نے پورا فرما دیا۔ آپ نے فرمایا! بیٹی جانتی ہو وہ درزی کون تھا ؟

حُسین کا درزی جبریل

سیدہ نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! حسنین کا درزی بن کر آنے والا جبریل تھا۔ ﴿روضۃ الشہداء ص ۷۰﴾

اور یہ جوڑے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جنت سے لایا تھا۔ سیدۃ النساء العالمین کی آنکھوں میں تشکر وامتنان کے آنسو آ گئے۔ آپ نے سجدۂ شکر ادا فرما کر بارگاہِ خداوندی میں عرض کی الٰہی تیرا ہزار ہزار شکر ہے کہ تو نے فاطمہ کے اٹھے ہوئے ہاتھوں کی لاج رکھ لی۔

کون ہے وہ دنیا کا تاجدار جس کا درزی جبریل بنے اور اس کا لباس جنت الفردوس سے خُدا بھیجے۔ حُسین علیہ السلام کی عظمت وفضیلت حیطۂ تحریر سے باہر ہے۔ آپ کے فضائل ومناقب جو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک ارشاد ہوئے ہیں حدّ بیان سے باہر ہیں۔

ہم اسی لئے تو کہتے ہیں کہ معرکۂ کربلا کا موازنہ کرنا ہے تو پہلے ہر دو جانب کی شخصیتوں کا موازنہ کرو اگر آپ مسلمان ہیں تو مسلمانوں کی طرح سوچو حسین علیہ السلام کا مقام فرامین رسول کی روشنی میں متعین کرو۔

حضرت امام حُسین نے جس مقدس ماحول میں آنکھ کھولی ہے یہ دنیا کے کسی بڑے سے بڑے انسان کو بھی میسر نہیں۔ حُسین علیہ السلام کی ذمہ داریاں رسولِ ہاشمی سے پوچھو۔

حُسین علیہ السلام کو ایک عام آدمی کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش نہ کرو حُسین علیہ السلام کی ان تمام عظمتوں کے ساتھ سامنے لاؤ جن کے وہ مالک تھے ان کی خوبیوں سمیت متعارف کراؤ جو ان میں تھیں اور اگر تم نہ بھی ایسا کرو گے تو حُسین کا مقام تو حُسین علیہ السلام کا مقام تو پھر بھی ارفع

واعلیٰ ہی رہے گا۔ مگر دنیا تمہیں ضرور کذاب ودجال کے نام سے یاد کرے گی

جو اعزازات خالقِ باری نے نواسہء رسول کے لئے مقرر کر رکھے ہیں ان میں ان کا کوئی بھی دوسرا شریک و سہیم نہیں خواہ کوئی بھی ہو۔

جو مقامات خالقِ کائنات کی طرف سے جناب حسن و حسین کو تفیض ہوئے ہیں ان میں کسی دوسرے کی شرکت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

چہ جائیکہ یہ ثابت کیا جائے کہ یزید پلید بھی اُن کا قریبی رشتہ دار تھا یزید اور حُسین کا خون ایک ہی تھا۔﴿معاذ اللہ﴾ ایسا استدلال پیش کرنا حقائق سے بیزاری اور جہنم کا راستہ ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسے مکروہ عقائد سے محفوظ رکھے۔

امام حُسین علیہ السلام وہ عظیم المرتبت شہزادے ہیں جن کی امی جان چکی پیس رہی ہوتیں اور جبریل علیہ السلام ان کا جھولا جھلا رہے ہوتے۔

کون ہے ؟ دنیا کا بڑے سے بڑا آدمی جس کا جھولا جھلانے کی ڈیوٹی جبریلؑ کے سپرد ہو۔

امام حُسین علیہ السلام وہ باعظمت اور رفیع الشان شخصیت ہیں جن کے بچپن میں رونے کی آواز سن کر امام الانبیاء بیقرار ہو جاتے تھے۔

تاجدار مدینہ حُسین کو گود میں لے کر فرماتے میرے لال تم نہ رویا کرو تمہارے رونے سے تو روحِ عالم بیقرار ہو جاتی ہے۔

حُسینؑ تم رونے کے لئے نہیں رُلانے کے لئے پیدا ہوئے ہو۔ تمہا

ری شہادت پر تو زمین و آسمان کو رونا آجائے گا۔ ملائکہ اور جنات نوحہ خوانی کریں گے۔ دنیا تمہاری شہادت کی یاد قیامت تک مناتی رہے گی

اہل محبت تمہارے غم کو یاد کر کر کے اس قدر آنسو بہائیں گے کہ اگر اُن آنسوؤں کو جمع کر لیا جائے تو دنیا پر ایک اور سمندر موجزن ہو جائے۔

بہر حال معرکہء کربلا کی حقیقت کو سمجھنا ہے تو امام عالی مقام امام حُسین علیہ السلام کے مقام سے آگاہی حاصل کرو۔ اور مقام حُسین سے آگاہی حاصل کرنا ہے تو ارشاداتِ خُدا اور رسول کی روشنی میں دیکھو، حُسین کا مرتبہ پوچھنا ہے تو حُسینؑ کے نانا سے پوچھو، صحابہ کرام سے پوچھو حُسینؑ کی ذاتی شخصیت کو دیکھو، اس کے کردار کو دیکھو اس کی سیرت کا مطالعہ کرو، اس کے بچپن کا احترام والتزام دیکھو، اس کی جوانی کا تقدس دیکھو، اس کے تقویٰ اور پرہیزگاری کا مشاہدہ کرو اس کی طہارت و پاکیزگی سے روشنائی حاصل کرو سلام ہو آپ پر اے جگر گوشہء رسول! تیرے مقام کو کون بیان کر سکتا ہے۔

ہم گنہگاروں کو تو بس یہی ناز ہے کہ تو ہمارا آقا و مولا ہے ہم ناچیز گنہگار تیری طرف سے کیا صفائی پیش کر سکتے ہیں۔

تیری شہادت کی تصویر تو اپنے طور پر ہی اس قدر مجلّٰی اور منور ہے جس کے سامنے آفتاب بھی ماند ہے اور چاند بھی خجل ہے۔

اے حُسینؑ اب تک لباب ہے تیرا زریں ایاغ
ضُوفشاں ہے آج تک تیری شہادت کا چراغ

تو نے دھو ڈالے جبینِ ملّتِ بیضا کے داغ
تو اگر اسلام کا دل ہے تو ایماں کا دماغ

فخر کا دل میں دریچہ باز کرنا چاہیے
جس کا تو آقا ہے اُس کو ناز کرنا چاہیے

﴿جوشؔ﴾

شہادت حسین

کی پیشگوئیاں

شہزادہ گلگوں قبا، جگر گوشہ مصطفےٰ، نور نگاہِ مرتضےٰ، امین امانت خدا، نیر برج صفا، جلوہ شمس الضحیٰ، نقشہ بدرالدجیٰ، پیکر صبر و رضا، شہزادہ کونین، جناب زہرا کے نور عین، حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت اقدس کو ہرگز ہرگز اتفاقی حادثہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ شہادت حسین مشیت ایزدی کے بنائے ہوئے باقاعدہ پروگرام کے تحت ظہور میں آئی۔ جس کی مختلف وجوہات آپ اس کتاب میں کئی مقامات پر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ شہادت حسین وہ شہادت عظیم ہے جس کی شہادت رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان فیض ترجمان سے دی۔

مقدس شہادت کی گواہی

شہادت حسین وہ شہادت مقدس ہے جس کی گواہی جبریل نے دی جس کا نقشہ رسول پاک نے بیان فرمایا۔ جس کا اعلان خود خداوند دو جہان نے فرمایا۔ یہ وہ شہادت معظم ہے جس کا چرچا امام عالی مقام کی ولادت مبارکہ کے ساتھ ہی شروع ہوگیا تھا۔ اور پھر اس کا بار بار اعلان ہوتا رہا۔

چند معتبر روایات ملاحظہ فرمائیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کوئی معمولی واقعہ یا اتفاقی حادثہ نہیں۔ جیسا کہ یزید نوازوں کا گمان ہے۔ بلکہ تاریخ اسلام کا انتہائی غیر معمولی اور اخص الخاص واقعہ ہے

پھلی پیشگوئی

عن ام الفضل بت الحارث قالت دخلت علی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم یوما بالحسین فوضعته فی حجره ثم خانت منی التفاته فاذا عینا رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم تهرقان من الدموع فقال اتانی جبریل فاجرفی ان امتی تقتل ابنی هذا واتانی بتربة من تربة حمرآء،

ترجمه

حضرت ام الفضل بنت حارث فرماتی ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حسینؑ کو لیکر گئی اور آپ کی گود میں دے دیا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے لگاتار آنسو بہہ رہے ہیں ﴿اسی حالت میں﴾ آپ نے مجھے فرمایا کہ مجھے جبریل نے خبر دی ہے کہ میرے اس بیٹے کو میری امت شہید کر دے گی۔ پھر جبریل

نے مجھے اس کی شہادت گاہ کی سرخ مٹی دی ۔

﴿المستدرک ج ۳ ص ۱۷۷﴾

دوسری پیشگوئی

عن انس قال استاذن ملک المطربه ان یا تی رسول الله صلی الله علیه وآ له وسلم فاذن له فدخل الحسین فجعل یقع علی منکب النبی صلی الله علیه وآ له وسلم فقال الملک اتحبه؟

قال النبی صلی الله علیه وآ له وسلم نعم! قال فان امتک تقتله وان شئت اُریک المکا ن الذی یقتل فیه فضرب بیده فا را ه ترابا احمرفا خذ تهٗ ام سلمه فصر تهٗ فی ثوبها فکنانسمع انه یقتل بکر بلآء

ترجمه!

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بارش برسانے والے فرشتہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے رب تعالیٰ سے اجازت طلب کی ۔ اجازت ملنے پر جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو اس وقت حضرت حسین نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک کندھوں پر جھوم

جھوم کر کھیل رہے تھے۔
اس فرشتہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی! کیا آپ حسین سے پیار کرتے ہیں۔تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں! اس نے کہا آپ کی امت اس کو شہید کر دے گی۔اور اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو ان کی شہادت گاہ دکھا دوں؟ پھر اس نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرخ مٹی دکھائی۔اس مٹی کو ام سلمہ نے کپڑے میں باندھ لیا۔انس کہتے ہیں ہم نے سنا کرتے تھے کہ حسین کربلا میں شہید ہوں گے۔

﴿ما ثبت بالسنۃ ص ۲۳۹﴾

تیسری پیشگوئی

عن ام سلمہ قالت کان الحسن والحسین یلعبان فی بیتی فنزل جبریل فقال یا محمد ان امتک تقتل ابنک ھذا من بعدک واوحی الی الحسین واتاہ بتربۃ فشمھا ثم قال ریح

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ گھر میں حسن اور حسین کھیل رہے تھے تو جبریل علیہ السلام نے

آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا آپ کے بعد آپ کے اس بیٹے کو آپ کی امّت شہید کردے گی اور جبریل کا اشارہ حسین علیہ السلام تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تھوڑی سی مٹی پیش کی آپ نے اس مٹی کو سونگھ کر فرمایا۔ اس میں سے رنج و بلا کی بُو آتی ہے۔ اور مجھے بلا کر فرمایا اے اُمّ سلمہ جب یہ مٹی خون بن جائے تو سمجھ لینا کہ میرا بیٹا شہید ہو گیا پھر میں نے اس مٹی کو شیشی میں بند کر رکھا۔

﴿دلائل النبوت ص ۴۸۴﴾

چوتھی پیشگوئی

عن انس ابن الحارث قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم یقولان ابن هذا یقتل با رض یقال لها کربلاء فمن یشهد ذالک منکم فلینصره فخرج انس ابن الحارث الیٰ کربلاء فتل بها مع الحسین۔

ترجمہ!

انس بن حارث فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ میرا بیٹا ﴿حسین علیہ السلام﴾ اس زمین پر شہید کیا جائے گا جس کا نام کربلا ہے تم لوگوں میں میں سے جو شخص بھی وہاں موجود ہو اس کی مدد کرے اور پھر انس بن حارث امام ﴿حسین علیہ السلام﴾ کے ساتھ ہی کربلا میں گئے اور آپ کے ساتھ ہی شہید ہو گئے۔

﴿ما ثبت بالسنۃ ص ۲۳۹﴾

پانچویں پیشگوئی

عن أُمّ سلمة ان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم اضطجع ذات يوم فاسيتقظ وهو خا سرونى يده تربه خمراء يلقلبها قلت ماهذاة التربة يارسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال اخبرنى جبريل ان هذه ابنيى الحسين عليه السلام يقتل بارض العراق وهذه تزبتها۔

ترجمہ!

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز کروٹ بدل کر سو

رہے تھے اور پھر جب بیدار ہوئے آپ غمگین وغمزدہ تھے۔ آپ کے مبارک ہاتھوں میں سرخ مٹی تھی جسے آپ الٹتے پلٹتے تھے۔

میں نے عرض کی! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ مٹی کیسی ہے۔ تو آپ نے فرمایا ہمیں جبریل نے خبر دی ہے۔ کہ ﴿حسین علیہ السلام﴾ سرزمین عراق میں شہید کردیا جائے گا اور یہ وہیں کی مٹی ہے۔

﴿الاستعیاب ج۱ص۳۸۰﴾

چھٹی پیشگوئی

عن عائشة رضی الله عنها ان النبی صلی الله علیه وآله وسلم قال اخبرنی جبریل ان ابنی الحسین یقتل بعدی بارض الطف وجآء نی بهذه التربة فاخبرنی انها مضجعة ومنه.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے جبریل علیہ السلام نے خبر دی ہے کہ میرے بعد میرا بیٹا حسین علیہ السلام ارض طف پر شہید کر دیا جائے گا اور میرے پاس وہاں کی یہ مٹی بھی جبریل

میرے پاس لائے ہیں اور مجھے کہا کہ یہ ان کے لیٹنے کی جگہ ہے۔

﴿خصائص کبریٰ ج ۲ص ۳۲۲﴾

﴿ماثبت بالسنۃ ص ۲۱۸﴾

﴿سر الشہادتین ص ۸۵﴾

ساتویں پیشگوئی

واخرج احمد ان النبیی صلی الله علیه وآله وسلم قال لقد دخل علی البیت ملک ثم ید خل علی قبلها فقال لی ان ابنک هٰذا یعنی حسینا مقتول وان شئت اریئت من توبة الارض الّتی یقتلُ بما فاخرج توبة حمرآء

اور روایت بیان کی امام احمد نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تحقیق ہمارے گھر میں ایک فرشتہ آیا جو اس سے پہلے میرے پاس کبھی نہیں آیا تھا تو اس نے مجھے کہا کہ آپ کا یہ بیٹا حسین علیہ السلام شہید ہوگا اور اگر آپ پسند فرمائیں تو میں آپ کو ان کی شہادت گاہ کی مٹی دکھادوں اور پھر تھوڑی سی سرخ مٹی نکالی۔

آٹھویں پیشگوئی

عن محمد بن عمر بن حسین قال کنا مع الحسین بنهر کربلآء فنظر الی الشمر ذی الجوشن فقال صدق الله ورسوله الله صلی الله علیه وآله وسلم کا نیّ انظر کلب ابقع فی اهل بیتی وکان شمر ابرص

حضرت محمد بن عمر حسن روایت بیان کرتے ہیں کہ ہم امام حسین علیہ السلام کے ساتھ کربلا کی نہر پر تھے پھر دیکھا امام حسین علیہ السلام نے شمر کی طرف اور فریاد کے سچے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا۔ گویا کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ایک ابلق ﴿ڈبا﴾ کُتا میری اہل بیت کا خون پی رہا ہے۔
اور تھا شمر لعین برص زدہ ﴿کوڑھی﴾

﴿طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۶۳﴾

﴿مسند احمد ج ۲ ص ۶۰﴾

﴿خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۳۲۲﴾

﴿ماثبت بالسنۃ ص ۲۱۹﴾

﴿سر الشہادتین ص ۸۸﴾

نو ویں پیشگوئی

عن علی ابن ابیطالب انہ مر بکر بلآء وعندالاشجار الحنظل وھو ذاھب الیٰ صفین فساء ل عن اسمھا ؟

فقیل کربلآ ! فقال کرب فنزل وصلی عند شجرۃ ھناک ثم قال یقتل ھٰھنا شھیدآء غیر الصحابۃ یدخلون الجنۃ بغیر حساب واشارا لیٰ مکان ھناک فعلموہ بشیٔ فقتل فیہ الحسین۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ آپ جب جنگ صفین کے موقعہ پر کربلا سے گذرے تو ایک جگہ حنظل ﴿اندرائن﴾ کے بوٹے تھے آپ نے پوچھا کہ اس جگہ کا کیا نام ہے؟

کہا کربلا! تو آپ نے فرمایا کہ کرب وبلا۔ پس آپ وہاں اترے اور نماز پڑھی پھر فرمایا کہ یہاں صحابہ کہ علاوہ وہ لوگ شہید ہونگے جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونگے۔

اور آپ نے ایک جگہ پر اشارہ کیا جہاں لوگوں نے نشان لگادیا چنانچہ جناب ﴿حسین علیہ السلام﴾ اسی

مقام پر شہید ہونگے۔

﴿البدایہ والنہایہ ج۸ص۸۰۵﴾

دسویں پیشگوئی

عن اصبغ بن نباته قال اتینا مع علیٰ موضع قبر الحسین فقال ھٰهنا مناخ لکا بھم وموضع رحالھم ومھراق دمآئھم فئة من آل محمد صلی اللہ علیه وآلہ وسلم یقتکون بھذہ الغرصة تبکی علیھم الشماء والارض۔

حضرت اصبغ بن نباتہ سے روایت ہے کہ ہم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی معیت میں قبر گاہ ﴿حسین علیہ السلام﴾ پر آئے تو جناب علی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ شہیدوں کے اونٹ بٹھانے کی جگہ ہے اور اس جگہ کجاوے رکھے جائیں گے اور یہ ان کے خون بہنے کا مقام ہے اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کتنے ہی جوان یہاں شہید کردیۓ جائیگے اور روئیں گے ان پر زمین وآسمان۔

﴿المستدرک للحاکم ج۳ص۱۷۷﴾

گیارھویں پیشگوئی

عن ابن ابن عباس قال اوحی الله تعالیٰ الیٰ محمد انی قتلت بیحی بن زکربا سبعین الفاوسبعین الفا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل فرمائی کہ ہم نے یحییٰ بن کریا کے قتل کے عوض ستر ہزار لوگوں کو مارا اور آپ کے بیٹے کے قتل کے بدلہ میں ستر ہزار اور ستر ہزار یعنی ایک لاکھ چالیس لوگوں کو ماریں گے۔

﴿یہ روایت زینب بنت جحش سے بھی مروی ہے۔﴾

﴿طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۲۲﴾

بارھویں پیشگوئی

عن ام سلمة عن رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم عن جبریل اخبر نی ان امتی یقتل هذا وانه اشتد غضب الله علی من یقتله۔

اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے جبریل نے

خبر دی ہے کہ میری امت کے لوگ اس ﴿میرے بیٹے ﴿حسین علیہ السلام کو﴾ شہید کر دیں گے اور ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا شدید قہر غضب نازل ہوگا اور قتل کی وجہ سے۔

﴿ماثبت بالسنۃ ص ۲۱۹﴾

تیر ھویں پیش گوئی

عن عائشة اليزيد لا بارك الله فى يزيد الطعان اللطعان امانه زبغى الىٰ حبيبى و منحبلى حسين عليه السلام اتيت بتربت ورايت قاتله اما انه يقتل بين ظهرانى قوم فلا ينصروه الا عمهم الله بعقاب رواه ابن عساكر

ترجمہ!

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنی روایت میں مزید فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قاتل وملعون یزید کو برکت نہ دے اس نے میرے پیارے بیٹے ﴿حسین علیہ السلام﴾ کے ساتھ بغاوت کی اور انہیں شہید کرایا ﴿حسین علیہ السلام﴾ کی تربت کی مٹی میرے پاس

لائی گئی اور مجھے ان کا قاتل بھی دکھایا گیا اور بتایا گیا
کہ جن کے روبرو ﴿حسین علیہ السلام﴾ قتل کیئے
جائیں گے وہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اسی سبب
سے اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک عذاب مسلّط کر دیا ہے۔
﴿ماثبت بالسنۃ ص ۲۱۹ بحوالہ ابن عساکر﴾

امام عالی مقام سیّدنا امام حسین علیہ السلام کی شہادت پاک چونکہ جہری شہادت ہے اس لئے اس کے اعلانات خدا اور سول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے آپ کی ولادت مبارکہ سے کے ساتھ ہی شروع ہو گئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشگوئیوں کی صورت میں یہ اعلان اسقدر مشہور اور متواتر ہیں کہ پہلوں پر بھی یہ شہادت عظمیٰ اسی طرح روشن تھی جس طرح بعد والوں پر نہ صرف یہ کہ اس شہادت ظاہر سے صرف انسان ہی واوقف ہیں بلکہ شہادت سے پہلے ہی اس کو ملائکہ کرام بھی جانتے تھے ان حالات میں ان لوگوں کی عقلوں پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے۔ جو قدرت کے اس باقاعدہ پروگرام کو اتفاقی حادثہ اور معمولی واقعہ قرار دیتے ہیں۔

محمدّ مصطفیٰ نے تھا کیا اعلان متواتر
شہادت کربلا میں پائے گا ابن علیؓ جا کر
خدائے پاک نے اس کے تھے خود اعلان فرمائے
سہادت کی خبر لے کر فرشتے بار بار آئے۔

مقصد حُسین علیہ السّلام

مؤرخ ہو یا محقق کسی نہ کسی نظریہ کا پابند ضرور ہوتا ہے اور ہر قسم کے واقعات کی شیرازہ بندی کرتے وقت اپنے نظریات کی تسکین کا سامان ضرور فرہم کرتا ہے ہاں ! ایک بات ضرور ہے کہ ان میں سے بعض لوگ متشدد اور متعصّب ہوتے ہیں۔

لہذا واقعات کی ترتیب کے وقت اُن کی چھاپ کا رنگ گہرا ہوتا ہے اور ہر قاری کا ذہن اس کی مقصد برآری کو بھانپ لیتا ہے اور جن لوگوں میں تعصب کی شدت نہیں ہوتی وہ اپنے نظریات کو کچھ ایسے غیر محسوس طریقہ سے سپردِ قلم کرتے ہیں۔

کہ ان کا آسانی سے تجزیہ نہیں کیا جاسکتا تاہم اگر ان کی تحریروں پر گہری نظر رکھی جائے تو سب کچھ کھل کر سامنے آجاتا ہے شہادت حُسین علیہ السّلام کے واقعات اُن لوگوں کو بھی مرتب کرنے کا موقعہ ملا جن کے ذہنوں میں امام عالی مقام کے بارے میں شکوک وشبہات نے کھلبلی مچا رکھی ہے چنانچہ انہوں نے ایک آڑ سامنے رکھ لی۔

کہ ہم شخصیت پرست نہیں ہیں اور ہمیں تو صرف تاریخی حقائق پیش کرنا ہے بلآخر وہ یزید کے حق میں شخصیت پرستی کا فریضہ بھی ادا کر دیتے ہیں

ہمارا موٴقف اس بارے میں یہ ہے کہ اگر ترتیب واقعات کے وقت کسی شخص کے سیرت و کردار اور اس کی شخصیت و مقصد کو سامنے نہ رکھا جائے تو کسی بھی واقعہ کا تجزیہ کرنا ناممکن اور امر محال ہے۔

اس پر ہم آگے چل کر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام کی جنگوں سے استدلال پیش کریں گے یہاں تو یہ بتانا ہے کہ باوجود اس قسم کے موٴرخین و محققین کے ہدف تنقید بن جانے کے واقعات شہادت حُسین علیہ السّلام اسی طرح نکھرے ہوئے ہیں۔

شہادت عظمیٰ کا کمال

جس طرح اس عظیم شہادت کا اپنا رنگ نکھرا ہوا ہے متشددین کے قلموں کی سیاہی کے دھبے نور شہادت کی تابانیوں پر ذرّہ برابر بھی اثر انداز نہیں ہوسکتے اور یہی اس بامقصد شہادت عظمیٰ کا کمال ہے۔

امام حُسین علیہ السّلام کو ایک عام آدمی کے روپ میں پیش کرنے کے باوجود اُن کی عظمت میں کمی نہ کی جاسکی اہل ایمان کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی پوری پوری کوشش کی گئی لیکن حُسین علیہ السّلام کی عظمت کو دلوں سے محو نہ کیا جاسکا۔

دنیا والوں نے تعصّب پرور لوگوں کی نام نہاد تحقیق کو خرافات کا نام دیکر ٹھکرا دیا اور حُسین علیہ السّلام کے حق میں یہ فتویٰ دیا کہ۔

آں امام عاشقاں پور بتول
سرو آزادے زبستان رسول

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنی ذبح عظیم آمد پسر

بہر آں شہزادۂ خیر الملل
دوش ختم المرسلیں نعم الجمل

سرخ رو عشق غیور از خون او
شوخئ ایں مصرع از مضمون او

درمیان اُمت آں کیواں جناب
ہمچو حرف قل ہو اللہ در کتاب

تیغ بہر عزت دین است و بس
مقصد اُو حفظ آئین است و بس

﴿اقبال﴾

مقام شبیری کو سمجھو

معرکۂ کرب و بلا کا تجزیہ کرنا ہے تو پہلے سیّد الشہداء حضرت امام حُسین علیہ السّلام کی شخصیت سے تعارف حاصل کرو حُسین علیہ السّلام کے منصب جلیلہ کو دیکھو مقام شبیری کی عظمت و رفعت سے شناسائی حاصل کرو نواسہ رسول کی ذمّہ داریوں سے آگاہی حاصل کرو۔

اُس درخشندہ شہادت کی تابانیوں کا مشاہدہ کرنا ہے تو تاویلوں کے پھندے نہ لگاؤ تعصب کی لپیٹ میں آئی ہوئی مسخ شدہ تواریخ کے دام نہ بچھاؤ عقل نا تمام کے شتر بے مہار کی جولانیاں نہ دکھاؤ۔ حُسین علیہ السّلام کی شہادت کے اوج و کمال تک عقل نارسا کی رسائی ناممکن ہی نہیں بلکہ محال ہے۔

حسین بننا مشکل ھے

اگر عقل سے کچھ کام لینا مقصود ہے تو اسے اس طرح سوچنے دو کہ اللہ تعالی کے سچے دوستوں کے ساتھ ساتھ بعض لوگ جھوٹ موٹ کی نبّوت کے دعویدار بھی پیدا ہوتے رہے بلکہ ولایت و غوثیت اور نبّوت و رسالت سے بڑھ کر لوگوں نے مقام الوہیت پر بھی ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی اور دنیا میں کئی نمرود و فرعون اور شدّاد جیسے بدکیش انسان پیدا ہوئے۔

جنہوں نے علی الاعلان دعویٰ الوہیت و ربوبیت کیا لیکن اس کے

برعکس تیرہ صدیاں گذر جانے کے باوجود کسی شخص نے بھی حُسین علیہ السَّلام بننے کا دعویٰ نہیں کیا کیوں دعویٰ نہیں کیا اس لئے حُسین علیہ السَّلام بننے میں صرف اپنی جان نہیں۔

جوان بیٹوں کی لاشوں کو بھی اُٹھانا پڑتا ہے معصوم بچوں کو آغوش میں لے کر بارگاہ ایزدی میں پیش کرنا پڑتا ہے حُسین علیہ السَّلام بننے کے لئے گھر بار چھوڑ کر تین دن پیاسے رہ کر تپتی ہوئی ریت پر تلوار کی دھار کے نیچے سجدہَ محبت ادا کرنا پڑتا ہے۔

کوئی مثال شہ ثقلین بن نہ سکا
نبی کے نور کا دو نور عین بن نہ سکا

ولی بنے وصی بنے نبی بنا ڈالے
خدا بھی بن گئے لیکن حسین بن نہ سکا

اہل محبت کا جواب

عقل نا تمام اعتراض کرتی ہے کہ حُسین علیہ السَّلام کو کوفیوں نے حکومت کے سبز باغ دکھائے تھے حُسین علیہ السَّلام تخت حکومت کے حصول کے لئے مدینہ منورہ کو چھوڑ کر کوفہ جا رہے تھے کہ چند سیاسی غلطیوں کی بنا پر اپنا

بال بچہ بھی کٹوا بیٹھے اور اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔

اگر آپ تخت و تاج کے لالچ اور حکومت کی ہوس میں جلد بازی نہ کرتے تو یقیناً اُن کا یہ حشر نہ ہوتا اور حُسین علیہ السَّلام نے یزید کی بیعت سے اس لئے انکار کیا تھا کہ ایسا کرنے سے حکومت کرنے کا چانس ختم ہو جاتا ہے اور شہنشاہی کرنے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکتا۔

اہل محبت اس کا جواب یہ بھی دیتے ہیں کہ حُسین علیہ السَّلام صرف حصول شہادت اور مرتبہ ذبح عظیم پانے کے لیے کربلا گئے میں گئے تھے اور وہ ہرگز یزید سے حکومت حاصل کرنے کے لئے نہیں گئے تھے لیکن یہ خیال صرف یہاں تک درست ہے۔ کہ آپ کو اپنا امتحان دیکر ذبح عظیم کے مرتبہ کو حاصل کرنا تھا لیکن یہ کہنا کہ خلافت کے لئے نہیں گئے تھے غلط ہے

امام حسین اور خلافت

اگر یہ بات نہ ہوتی تو شہادت حُسین علیہ السَّلام پر ہرگز وہ نکھار نہ آ سکتا ہے جس نے کائنات کو منوّر کر رکھا ہے۔

حُسین علیہ السَّلام اسلامی سلطنت کے شہزادے تھے تخت خلافت حُسین علیہ السَّلام کا ذاتی حق تھا امیر معاویہ اور حضرت حسن علیہ السلام کے صلح کی ایک شق یہ بھی تھی کہ اپنے بعد خلافت خاندان نبوت کو واپس کر دی جائے گی۔

یہ صورت نہ بھی ہوتی تو اس وقت خلافت کے سب سے زیادہ حقدار حُسین علیہ السّلام تھے یہی نہیں کہ آپ خاندان نبوت کے چشم و چراغ تھے بلکہ اپنے تجربات کی بنا پر اپنی ذاتی وجاہت اور تقویٰ وطہارت کی بنا پر بھی حُسین علیہ السّلام اس منصب جلیلہ کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔

امام حسین نے حق طلب کیا

اور یہ تو شریعت مطہرہ کا فرمان ہے!

کہ اپنے حق کے لئے لڑنا جہاد ہے اور اپنے حق کی حفاظت کرتے ہوئے جان دینا شہادت۔ یہ تو عام مسلمانوں کے لئے حکم ہے پھر امام حُسین علیہ السّلام نے اپنا حق مانگا تو کون سا جرم تھا۔

رہا یہ گمان کہ امام عالی مقام جاہ وجلال کے لالچ اور ہوس اقتدار کے لئے خلافت کے دعویدار ہوئے تھے تو یہ محض حماقت اور بیہودگی اور عقل ناتمام کا پاگل پن ہے حقائق سے دانستہ چشم پوشی ہے جبھی تو ہم نے بتایا ہے کہ کسی کے حق میں کوئی فیصلہ دینے سے پہلے اس کی شخصیت سے تعارف حاصل کرو۔

لوگوں نے انبیاء کرام کی تعلیمات کا مذاق اڑایا اُن کی غربت کا تمسخر اڑایا اُن کو وسائل کی کمی کا طعنہ دیا ان کے ساتھ مقابلہ کیا اور کئی ایک کو شہید بھی کر دیا تو کیا اس سے یہ رائے قائم کر لی جائے گی کہ ان انبیاء کرام

سے معاذ اللہ سیاسی غلطی ہو گئی۔

وہ اس بے سر وسامانی میں لوگوں کو کیوں دعوت الی الحق دیتے تھے اور وہ معاذ اللہ لوگوں پر حکومت کرنے کے خیال سے ہر جابر قوت سے ٹکرا جاتے تھے

کفار کی طرح نہ سوچو

اگر تم کفار ومشرکین کی طرح انبیائے کرام کے انداز تبلیغ کو دیکھو گے تو پھر دور جانے کی بات نہیں۔

ابو جہل کے تاریخی تبصرے جمع کر لو۔ تمہاری نا تمام عقلیں اس کی بیشتر باتوں کو درست اور ٹھیک تسلیم کر لیں گی یہود ونصاریٰ اور عاد وثمود کی قوموں کے ریمارکس کو سامنے رکھ لو تمہیں نبوت ورسالت کے مقام میں خامیاں نظر آ جائیں گی۔

سلطنت اسلامیہ اور حسین

اور اگر حُسین علیہ السَّلام کو دیکھنا ہے تو محمد عربی کے غلاموں کی طرح دیکھو حُسین علیہ السَّلام کی شہادت پر عیسائی مورخوں کے تبصرے پیش نہ کرو حُسین علیہ السَّلام دنیاوی جاہ وجلال ومنال کے لئے خلافت کے خواہش مند نہیں تھے۔

حُسین علیہ السَّلام خلافت کو اپنا حق سمجھ کر مانگتے تھے حُسین علیہ السَّلام

تخت حکومت کے بغیر بھی اسلام کے شہزادے تھے بلاد اسلامیہ میں جو احترام حُسین علیہ السَّلام کا تھا وہ کسی دوسرے کو کیا نصیب ہوگا۔ حُسین علیہ السَّلام مسند حکومت پر ہوں یا حجرۂ فاطمہ کی ٹوٹی ہوئی چٹائی پر شہزادۂ رسول کے نام سے ہی پکارے جاتے۔

دنیاوی جاہ وجلال اور مال ومنال اور مناصب حکومت کی کیسے بھوک تھی۔ حُسین علیہ السَّلام کو ؟

اس حُسین علیہ السَّلام کو جس کا نانا کائنات عالم کا مالک ومختار اور عرب وعجم کا تاجدار ہے اور اس کی ماں اپنے ہاتھوں سے چکی پیستی ہے اپنے کندھوں پر پانی کے مشکیزے اٹھاتی ہے۔

اس حسین علیہ السلام پر دولت وثروت کا بھوکا ہونے کا گمان کرتے ہو جس کا والد محترم خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین ہے مگر وہ متعدد بار حج بیت اللہ کے لئے پیدل تشریف لے جاتا ہے۔

صرف ایک بات بتاؤ

حسین علیہ السلام پر ہوس اقتدار کا الزام لگانے سے پہلے صرف ایک بات بتادو کہ جب ان کے والد محترم حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ مملکت اسلامیہ کے حکمران تھے تو اس وقت حُسین علیہ السَّلام نے اپنے لئے کون کونسی جائداد بنائی بلاد اسلامیہ میں کہاں کہاں اپنی ذات کے لئے عمارتیں

تعمیر کروائیں کتنے باغات خریدے کہاں کہاں زمینیں خریدیں اور اپنی روزمرہ کی زندگی میں کن کن آسائشوں کا اضافہ کیا کس قدر سونا جمع کیا اور کس قدر جواہرات اکٹھے کیے۔

ہمیں اس حصہ کو مباحث سے پاک رکھنا ہے اس لئے زیادہ تفصیل میں نہیں جائیں گے حسین علیہ السّلام کا ہر دور میں جو کچھ بھی تھا خدا کا تھا بلکہ حسین علیہ السّلام تو خود خدا کی راہ پر فروخت ہو چکا تھا آپ کے پاس جو کچھ بھی آتا غریبوں مسکینوں محتاجوں اور ناداروں، میں تقسیم ہو جاتا۔

حدود شریعت کی حفاظت

نادانو! امام عالی مقام یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہم میدان کربلا میں بچوں سمیت شہید کر دئے جائیں گے کوفیوں نے آپ کو یہی لکھا تھا کہ پھل پک چکے ہیں آپ تشریف لے آئیں۔

آپ جانتے تھے کہ کوفہ والے بدعہدی میں اپنی مثال آپ ہیں لیکن آپ کو حفاظت حق کے لئے بہر صورت جانا تھا اور دنیا کو بتانا تھا کہ اپنا حق وصول کرنے کے لئے جابر وظالم سے ٹکرانا بھی پڑے تو ٹکرا جاؤ۔

اور حسین علیہ السّلام کا یہ حق محض بلاد اسلامیہ کی مخصوص شدہ سرحدوں تک ہی نہیں تھا بلکہ اسلامی قلمرو کی متعین کر دی گئی سرحدوں سے بڑھ کر نظام شریعت سے اسلامی حدود تک بھی تھا۔

اسلام کی ان حدوں تک جن کو یزید پلید حکومت کے نشے میں بد مست ہو کر توڑ رہا تھا۔

حدود شریعت کی حفاظت کے لئے حُسین علیہ السلام نہ اٹھتے تو کون اٹھتا جن کی چیز تھی انہیں ہی حفاظت کرنا تھی شریعت حُسین علیہ السلام کے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی دین اسلام حُسین علیہ السلام کے نانا کا تھا پھر اگر ان کی حفاظت حُسین علیہ السلام نہ کرتے تو کون کرتا۔

معرکۂ کربلا کی حقیقت

معرکۂ کربلا کی حقیقت سے آشنائی چاہتے ہو تو اسے اس انداز میں نہ دیکھو کہ دو آدمیوں کا جائداد کے لئے جھگڑا ہو گیا ایک مارا گیا اور دوسرا مالک ہو گیا دو گروہوں میں لڑائی ہوئی ایک شکست ہوگئی اور دوسرا جیت گیا۔

اس کو دیکھنا ہے تو متنازعہ فیہ مسائل کو سامنے رکھو طرفین کی شخصیتوں کا تعین کرو تنازعہ تو رہتا ہے ابراہیم اور نمرود میں بھی تنازعہ تھا موسیٰ اور فرعون میں بھی جھگڑا تھا مصطفےٰ اور ابوجہل میں بھی دشمنی تھی۔ پھر تم کس کے حق میں فیصلہ دو گے؟

تاریخ سے کیا پیش کرو گے کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرودیوں کے بتوں کو پاش پاش نہیں کیا تھا؟

کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی ڈاڑھی کو نہیں کھینچا تھا؟

کیا انہوں نے اپنے مکے سے بنی اسرائیل کے ایک شخص کو ہلاک نہیں کیا تھا؟

کیا امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار سے لڑائیاں نہیں کیں کیا صدیق اکبر نے زکوۃ نہ دینے والوں پر فوج کشی نہیں کی پھر تم کس طرح دو گروہوں کے تصادم کو ایک ہی معیار پر رکھ کر کھینچ سکو گے کسی قسم کا فیصلہ کرنے سے پہلے تمہیں شخصیتوں کو دیکھنا پڑے گا ان کے مقاصد کو دیکھنا پڑیگا۔ حق اور باطل میں امتیاز کرہو گا حق کو حق مان کر اور باطل کو باطل قرار دیکر فیصلہ کرو گے تو حقیقت واضح ہو جائے گی۔

اقبال موازنہ کرتے ھیں

موسیٰ و فرعون و شبیرؑ و یزید
ایں دو قوت از حیات آمد پدید

زندہ حق از قوت شبیری است
باطل آخر داغ حسرت میری است

چون خلافت رشتہ از قرآن گسیخت
حریت را ! زہر اندر کام ریخت

خاست آن سر جلوۂ خیر الامم
چون سحاب قبلہ باران در قدم

بر زمین کربلا بارید و رفت
لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت

تا قیامت قطع استبداد کرد
موج او خون چمن آباد کرد

بہر حق درخاک و خون غلطیدہ است
پس بنائے لاالہ گر دیدہ است

مدعائش سلطنت بودے اگر
خود نکردے باچنین سامان سفر

دشمناں چوں ریگ صحرا لا تعد
دوستان او بہ یزداں ہم عدد

سر ابراہیم و اسماعیل بود
یعنی آں اجمال راتفصیل بود

عزم او چوں کوہساراں استورا
پائدار و تندسیر و کامگار

تیغ بہر عزت دیں است و بس
مقصد اوحفظ آئین است و بس

ماسوا اللہ را مسلماں بندہ نیست
پیش فرعونے سرش افگندہ نیست

خون او تفسیرایں اسرار کرد
ملت خوابیدہ رابیدہ کرد

تیغ لا چوں از میاں بیروں کشید
از رگ ارباب باطل خوں کشید

نقش الا اللہ بر صحرا نوشت
سطر عنوان نجات ما نوشت

رمز قرآں از حسینؓ آموختیم
ز آتش او شعلہ ہا اندوختیم

شوکت شام و فر بغداد رفت
سطوت غرناطہ ہم از یاد رفت

تار ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز
تازہ از تکبیر او ایماں ہنوز

اے صبا اے پیک دور افتادگاں
اشک ما بر خاک پاک او رساں

﴿اقبالؒ﴾

یزید پلید کا مقصد

یزید پلید کا مقصد تھا کہ اسلام کا قلادہ گردن سے اتار کر حکومت کی جائے اسلامی اقدار کو پاؤں تلے روند کر دادِ عیش دی جائے محمد عربی کے قوانین کو توڑ دیا جائے حدود الٰہیہ کے نشانات معدوم کر دیئے جائیں دستورِ خداوندی کو پامال کر دیا جائے۔

آئینِ شریعت کو مسخ کر دیا جائے مسجدیں ویران ہوتی ہیں تو ہو جائیں عیش و نشاط کی محفلیں برپا ہوتی رہیں۔ اس دینِ متین کو مٹا دیا جائے جسے رسولِ ہاشمی نے ہزاروں مصائب اور سینکڑوں مشکلات برداشت کر کے لوگوں تک پہنچایا تھا۔

یزید پلید کا مقصد تھا کہ میں اہلِ اسلام کے دلوں سے حرارتِ ایمانی ختم کر دوں اسلام کی مرکزیت مٹا دوں عظمتِ مصطفےٰ کے پرچم کو داغدار کر دوں مسلمانوں کی رسولِ خدا سے وابستگی کا تصور فنا کر دوں اور پھر اس نے اس کی ابتدا بھی کر دی عوام کا انعام ہوتے ان کا دین دینِ ملوک ہوتا ہے وہ بادشاہ کے دین پر گامزن ہونے کو باعث وافتخار سمجھتے ہیں۔

فسق و فجور اور بے حیائی کی ابتدا شاہی محلات سے کی گئی تھی اس لئے یہ ضروری تھا کہ اس کے اثرات آہستہ آہستہ دنیائے اسلام پر مرتب ہوتے ایک مسلّمہ اصول کے مطابق حاکم دیندار اور نیک ہو تو وہ عوام الناس

میں پھیلی ہوئی بُرائیوں پر قابو حاصل کر سکتا ہے

اور اگر حاکم بداعمالیوں اور بے حیائیوں کا شکار ہو جائیں تو عوام بھی اُن کی لپیٹ میں آئے بغیر نہیں رہ سکتے شاہی محلات اور ایوانِ صدر سے نکلی ہوئی بُرائیوں کو کیسے روکا جاسکتا ہے تاریخ کے اوراق اُلٹیے ہر دَور کی تصویر کے خدوخال ملاحظہ کر لیجئے۔

ہر دَور اس بات پر مُہرِ تصدیق ثبت کر دے گا اگر حاکم بدکار و بددیانت ہے تو اس نے عوام کے اخلاق کا بھی بیڑا غرق کر دیا یزید نے بدکاری اور بے حیائی کی اِبتدا ایوانِ صدر سے کی تھی اس لئے ضروری تھا کہ عالم اسلام اس کی لپیٹ میں آجاتا۔

یزید خریدار تھا

ضمیر فروشوں پیٹ پرستوں اور ہوس زدہ لوگوں کی کثیر تعداد ہر دَور میں موجود رہی ہے بلکہ ہر شعبہ حیات میں ایسے لوگ اپنی چالاکیوں اور سفاکیوں کا مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں یہ لوگ سوداگر ہوتے ہیں ان کو دولت سے پیار ہوتا ہے۔

دولت کا لالچ دیکر ان سے جو چاہو خرید لو۔ ان کے پاس جو کچھ بھی ہوگا فروخت کر دیں گے بلآخر ان کا سب کچھ بِک جاتا ہے حرارتِ ایمانی بِک جاتی ہے دیانت و صداقت فروخت ہو جاتی ہے ضمیر کی زندگی کا سودا ہو

جاتا ہے۔

قلم کی عصمت نیلام ہو جاتی ہے حتّٰی کہ اُن کے قلب و روح اور جسم و جان ہر چیز بازاری جنس کی طرح خریدار کے ہاتھ میں ہوتی ہے یزید خریدار تھا ضمیر فروشوں کی منڈی لگی ہُوئی تھی مستحق محروم تھے اور بیت المال کا قومی خزانہ فروخت ہونیوالوں کی تجوریوں میں منتقل ہو رہا تھا۔

فروخت شدہ جی حضوریئے، یزید کے ہر فعلِ قبیح کو اسلام کے محاسن بنا کر پیش کرتے یزید کا مقصد پُورا ہو رہا تھا شیطان مسکرا رہا تھا رُوحِ اسلام کُفر والحاد کے شکنجے میں جکڑی ہُوئی پھڑ پھڑا رہی تھی اِسلام خون کے آنسو رو رہا تھا۔

دربار میں ضمیر کی مٹی پلید تھی
گویا بدی جہاں میں بشکلِ یزید تھی

﴿عاشق کیرانوی﴾

یزید اسلام کو مٹانا چاھتا تھا

یزید کے قلبِ سیاہ میں رُوحِ ابلیس حلول کر چکی تھی وہ سرمایۂ اسلام لٹا دینے پر تُل گیا تھا جس اسلام کے لئے تاجدار انبیاء نے پیٹ پر پتّھر باندھے اور جسمِ نازنیں پر پتّھروں کی بارش برداشت کی یزید اس کو مٹا دینا چاہتا ہے۔

جس اسلام کی حفاظت کیلئے سیّدنا صدیقِ اکبر نے اپنے نحیف اور لاغر جسم کو ڈھال بنائے رکھا یزید اس کی صورت مسخ کر دینا چاہتا تھا جس اسلام کی سربلندی کے لئے بغیر جان کی پرواہ کئے سیّدنا فاروقِ اعظم نے علی الاعلان اہتمام اذان کیا تھا۔

یزید اسلام کی اس آوازِ صداقت اذان کو خاموش کر دینا چاہتا تھا جس اسلام کو قطع و برید ہونے سے بچانے کے لئے سیّدنا عثمانِ غنی نے اپنے جسمِ مقدس کو قطع کروالیا یزید اُس اسلام کے ٹکڑے کر دینا چاہتا تھا۔

جس اسلام کو ضرب یداللّٰہی اور قوتِ خیبر شکن نے زندگی دی تھی یزید اسے فنا کر دینا چاہتا تھا۔ جس اسلام کے تحفظ کیلئے سیّدنا امیر حمزہ کا ایک ایک عضو کٹ چکا تھا یزید اُس اسلام کی بیخ و بُن ہلا دینے کیلئے پر تول رہا تھا اسلام کی اصل رُوح یعنی تقویٰ و طہارت کی جو تصویر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مقدس جماعت نے مل کر کی تھی۔ یزید اس پر فسق و فجور اور بدکاری و بے حیائی کی لکیریں کھینچ دینا چاہتا تھا۔

یزید حدود کو توڑنے والا ھے

یزید نے اگر اپنے کافر دماغ اور مُلحدانہ رُوح پر اسلام کا لبادہ نہ اوڑھا ہوتا تو اسلام کو اس سے وہ خطرہ نہ ہوتا جو اَب تھا وہ خلیفۃ المسلمین بھی کہلاتا تھا۔ اور مُسلمانوں کا دشمن بھی تھا۔ وہ اَمیر المومنین بھی بنتا تھا۔

اور مومنوں کے حقوق پر بھی ڈاکہ ڈالتا تھا وہ اسلام کے نام پر اسلام کی حدّود کو توڑ رہا تھا اور کرائے کے لوگ اُس کے ہر مذموم و قبیح فعل کو اسلام کے نام سے پیش کر رہے تھے اِن حالات میں یزیدی اِسلام کی کیا صورت ہوتی؟

یزیدی اسلام میں اسلام کی حقیقی رُوح تقویٰ وطہارت کا نام تک نہ ہوتا یزیدی اسلام میں اُم الخبائث شراب کا پینا جائز و مباح بلکہ مُوجب ثواب ہوتا یزیدی اسلام میں محرّمات سے نکاح جائز ہوتا یزید کے اِسلام میں نماز پڑھنا بے کار محض ہوتا۔

حتّٰی کہ یزید کے اسلام میں اِسلام کا نام تک نہ ہوتا اس لئے کہ تمام تر قبیحات و منکرات کو اِسلام میں داخل کرنے کی اِبتدا، اس نے اپنی مکروہ شخصیت سے کی تھی وہ تارکِ نماز بھی تھا اور زانی، عیاش بھی تھا اور بد دیانت بھی شرابی تھا اور بد کردار بھی۔

بیت المال کا خائن بھی تھا اور قرآن وسنت کا مخالف بھی وہ محرّمات سے نکاح جائز سمجھتا تھا اور اس نے اپنی پھوپھی سے نِکاح کر رکھا تھا وہ کھلے دربار میں شراب پیتا تھا اور اس کے درباری بھی۔

یزید حدود کی حفاظت کیسے کر سکتا تھا

جو خُود زانی ہو وہ حدّ زنا کس پر قائم کرتا۔ جو خُود تارک نماز ہو وہ ترغیب نماز کیسے دیتا، جو خود بیت المال کا چور ہو وہ دُوسروں کے ہاتھ کیسے کاٹتا، جو خود حدوُد الٰہیہ کو توڑتا ہو وہ ان کی حفاظت کیسے کر سکتا۔ جو خُود شریعت کا باغی ہو وہ دوسروں سے احترام شریعت کیسے کروا سکتا تھا۔

ہم اپنے وعدہ کے مطابق یزید کے ان فدا کاروں اور خانہ زادوں کو اِس حصہ میں مخاطب نہیں کریں گے جو دُنیا کو باور کرا دینا چاہتے ہیں کہ یزید تقویٰ و طہارت کا پیکر تھا بڑا عادل اور مُنصف مزاج تھا، بڑا نیکو کار اور پرہیز گار تھا۔

صحابہ کرام کا نمونہ اور سنّتِ مُصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تصویر تھا مجاہدِ اسلام اور بہت بڑا ولی اللہ تھا اور اس کے برعکس اِمام حسین علیہ السلام ہوس کا پیکر، لالچ کا پتلا، حکومت کا بھوکا، ضدّی انسان، خلافتِ اسلامیہ کا باغی اور نا اہل سیاست دان تھا ﴿معاذ اللہ﴾

میرے آقا حسین کی سر بلندی

ہم ان خواریان یزید کیلئے ہدایت کی دُعا بھی نہیں کیں گے جو بھی ان کے دل میں آتا ہے کرتے رہیں میرے آقا حسین کی عظمت و سربلندی تک

اِن کے طعن وتشنیع کے تیر قیامت تک نہیں پہنچ سکتے یہ لوگ جس قدر زیادہ مخالفت کریں گے شہادتِ حُسین کا رنگ اور زیادہ نکھرتا جائے گا۔
خونِ حسین کی سرخی میں مزید حسن آتا جائے گا۔

اِس راز سے واقِف ہیں زمانے والے
زِندہ ہیں محمدؐ کے گھرانے والے

مِٹ گئے مِٹتے ہیں، مِٹ جائیں گے آخر
شبیرؑ تیرا نام مِٹانے والے

دشمنانِ حُسین علیہ اسلام کے قلم لِکھتے لِکھتے کچھ ٹوٹ گئے کچھ ٹوٹ جائیں گے، ان کی زبانیں جُھوٹ کو سچّ ثابت کرتے کرتے خاموش ہو جائیں گی لیکن فاطمہ کے لال کا نام تا اَبدا لآباد زِندہ و پائندہ وتابندہ درخشندہ رہے گا۔

نہ یزید کا وہ سِتم رہا نہ وہ ظُلم ابنِ زیاد کا
جو رہا تو نام حُسین کا جِسے زندہ رکھتی ہے کربلا

﴿ظفر علیخاں﴾

ہر دَور کا دیانتدار اور حق پرست اِنسان شہیدِ اعظم کے حضور میں

نذرانۂ عقیدت و مؤدت اور خراجِ محبّت پیش کرتا رہے گا۔ واقعہ کربلا کو جس قدر دبایا جائیگا یہ اُسی قدر شُہرت پذیر ہوتا رہے گا۔

ظُلم کی تکرار میں حق کی صدا بڑھتی رہی
سُرخیٔ خُونِ شہیدِ نینوا بڑھتی رہی

جتنا شغلِ محتسب دُشوار تر ہوتا گیا
اُتنا ذکرِ خُونِ ناحق مُشتہر ہوتا گیا

حق حق رہا باطل باطل

زمانے نے ہزاروں کروٹیں بدلیں لیکن حقیقت تبدیل نہ ہو سکی حق کا انکار کیا گیا مگر حق حق ہی رہا۔ باطل کو نوازا گیا لیکن باطل باطل ہی رہا ظُلم و ستم کو عدالت کا نام دینے والے فنا ہو گئے

لیکن ظُلم کو عدل ثابت نہ کر سکے۔ عظمتِ حُسین کا اندازہ کرنے والے مِٹ گئے لیکن حسین حسین ہی رہے۔

انہیں رسول خُدا کی تصویر ہی کہا جاتا ہے اِسلام کا مُحسن اور قُرآن کا محافظ ہی کہا جاتا ہے پاسبان شریعت اور شہیدِ اعظم کے لقب سے ہی یاد کیا جاتا ہے لوگ جانتے ہیں اور جانتے رہیں گے کہ خُونِ حُسین کے اَنوار و تجلّیات

نے کرب وبلا کی سرزمین کو جنّت کا ٹکڑا بنادیا ہے۔

ذرّوں کو آفتاب کردیا ہے اور مَوت کو زِندگی میں تبدیل کردیا ہے

قلبِ مومن سے ہمیشہ یہ صدا اُٹھتی رہے گی۔

دشتِ بلا کو عرش کا زینہ بنا دیا
جنگل کو مُصطفےٰ کا مدینہ بنا دیا

ہر ذرّے کو نجَف کا نگینہ بنا دیا
تُو نے حُسَینؑ مَرنے کو جینا بنا دیا

چُھوا جو تُو نے کنکروں کو دُر بنادیا
قیدی جو آیا سامنے تو حُر بنا دیا

یزید کا مقصد ، حسینؑ کا مقصد

بہرحال ہر دو جانب کے مقاصد سامنے رکھ کر اِیمان و دیانت کے ساتھ جو فیصلہ کردیا جائے گا وہی دُرست اور ٹھیک ہوگا۔ مقصدِ حسینؑ علیہ اسلام بھی سامنے ہے۔ اور مقصدِ یزید پلید بھی۔

یزید کا مقصد تھا اِسلام کو مٹانا،

امام حسین کا مقصد تھا اِسلام کو بچانا

یزید کا مَقصد تھا شریعت کی حدُود کو توڑا جائے،

اِمام حُسین کا مَقصد تھا حدُود شریعت کی حفاظت کی جائے۔

یزید کا مَقصد تھا نظامِ مُصطفٰے کو تبدیل کردوں۔

امام حسین کا مَقصد تھا نظامِ مُصطفٰے کا مکمل نفاذ ہو جائے۔

یزید کا مَقصد تھا حکومت کی بالا دستی تسلیم کی جائے،

امام حُسین کا مَقصد تھا شریعت کی بالا دستی قائم رہے۔

یزید کا مقصد تھا حُرمتِ قُرآنی کو نیلام کیا جائے،

امام حسین کا مَقصد تھا قُرآن کا احترام کیا جائے۔

یزید کا مَقصد تھا حقِ خُودارادیت چھین جائے،

امام حُسین کا مَقصد تھا حقِ خُودارادیت کا تحفّظ کیا جائے۔

یزید کا مِقصد تھا اِمام حُسین کی آواز کو روک دے،

امام حُسین چاہتے تھے کہ حق کا بول بالا رہے۔

یزید چاہتا تھا کہ حُسین میری غیر اِسلامی حکُومت کو خلافتِ حقہ تسلیم کرے۔

امام حسین کا مقصد تھا کہ اسلام میں کُفر کو خَلط مَلط نہ ہونے دیا جائے

یزید چاہتا تھا کہ اگر حُسین نے ہاں میں ہاں ملادی تو میری بات بن جائیگی

اِمامِ حُسین کا مقصد تھا کہ اگر ایسا ہوا تو اِسلام کی بات بگڑ جائے گی۔
یزید چاہتا تھا جبر و تشدّد کی حکومت ہو
اِمامِ حُسین چاہتے تھے عدل و اِنصاف کی حکومت ہو۔
یزید چاہتا تھا شیطانی حکومت کو رحمانی خلافت تسلیم کرا دوں
اِمامِ حُسین کا مقصد تھا اس فریب کو بے نقاب کر دوں۔
یزید کا مقصد تھا جسموں پر حکومت کرنا
امامِ حُسین کا مقصد تھا رُوحوں پر حکومت کرنا۔

رحمانی قوت اور شیطانی طاقت

یزید کی طرف شیطان تھا
اِمامِ حُسین کی طرف رحمان تھا۔
یزید کی طرف سے شیطانی ذرّیت اُٹھی
اِمامِ حُسین کی طرف سے رحمانی طاقت اُٹھی۔
اور دونوں طاقتیں پوری شدّت سے ایک دُوسری کے ساتھ ٹکرا گئیں۔

موسیٰ و فرعون و شبّیر و یزید
اِیں دو قوّت اَز حیات آمد پدید

زِندہ حقّ اَز قوّتِ شبیری اُست
باطل آخر داغِ حسرت میری است

﴿اقبال﴾

شَیطانی قُوت نے بھرپُور حملہ کیا۔ رحمانی قوّت اِستقامت کا پیکر بنی رہی شیطانی قُوّت نے آواز دی اَب بھی مُجھے حق تسلیم کرلو۔ رحمانی قُوّت نے جواب دیا یہ ناممکن ہے شَیطانی طاقت نے کہا میں تیری گردن پر خنجر پھیر دوں گی۔

رحمانی طاقت نے کہا میں تیرا نام ونشان مِٹا دوں گی شَیطانی طاقت نے للکارا میں تُجھے خانماں بَرباد کردوں گی رحمانی طاقت نے کہا میں خانۂ وفا آباد کردوں گی۔ اور پھر رحمانی قُوّت کے پیکر حُسینؑ عَلیہ السّلام جَبر وتشدّد اور ظُلم واِستبداد کے یزیدی طُوفانوں سے ٹکرا گئے کہ۔

کچھ خَوف تھا چہرے پہ نہ تَشویش ذرا تھی
ہر ایک اَدا مظہرِ تَسلیم و رَضا تھی

ہر ایک نِگہ شاہدِ اقرارِ وَفا تھی
ہر جُنبشِ لَب مُنکرِ دستورِ جفَا تھی

﴿فیض﴾

شیطان کے آئین کو شبیرؑ نہ مانے
قرآن کی توہین کو شبیرؑ نہ مانے

﴿صائم چشتی﴾

اسلام کو زندگی مل گئی

جب اسلام کی شہ رگ پر یزید نے شیطانی نظریات کی تلوار پھیرنا چاہی تو شبیرؑ علیہ السّلام نے اپنی گردن پیش کر دی فاطمہ کا لال اِسلام اور قرآن کا فِدیہ ہو گیا اِسلام کو زِندگی مِل گئی قرآن کا تحفّظ ہو گیا۔

عامتہ المسلمین پر چلنے والی جبر و تشدّد کی تلواریں آلِ محمد کی گردنوں پر چل گئیں۔ چند لمحات کے لئے شیطان کا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا اُمّت کی سب سے بزرگ ہستی کی شہادت نے اُسے غلط فہمی میں ڈال دیا اس نے گمان کر لیا کہ اَب میں فتح یاب ہوں۔

اور اَب میرے سامنے کوئی سَر نہیں اُٹھا سکے گا میں اَب یزید جیسے سفّاک بھیڑیوں کو اِسلام پر مُسلط کرتا ہی رہوں گا اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آدم کا بدلہ اُولادِ آدم سے لُونگا۔

اُسے نہیں معلوم تھا کہ گردنِ شبّیر پر چلنے والی جبر واِستبداد کی تلوار نے اپنا گلا خُود ہی کاٹ لیا ہے

حلقومِ اصغر سے نکلنے والی خُون کی پتلی سی دھار طُوفانِ نُوح کی شکل

اختیار کر چکی ہے وہ نہیں جانتا تھا کہ اہلِ بیتِ مُصطفٰے پر برسائے جانے والے زہر میں بُجھے ہوئے تیر کُفر وضلالت کے سِینہ میں پیوست ہو جائیں گے۔

اُسے نہیں معلوم تھا کہ مظلومِ کربلا نے اپنی جان دیکر حقّ وانصاف کو بچالیا ہے اور حُرمتِ قُرآنی کا تحّفظ کرلیا ہے وہ نہیں جانتا ہے۔

مَوجِ خُونِ اُو چمَن آباد کرد
تَا قیامت قطعِ اِستبداد کرد

حسینّیت زندہ رھے گی

اُسے کیا معلوم تھا کہ حسین علیہ السّلام نے اپنی جان نچھاور کر کے اِسلام کو ذبح ہونے سے بچا لیا ہے اور جب تک اِسلام زندہ رہے گا جانشینیانِ حُسین پیدا ہوتے رہیں گے

ہر دَور میں جبر وتشدّد کو للکارا جائیگا ہر زمانہ میں باطل نظریات کی دھجیاں اُڑائی جائینگی اور ہر زمانہ میں نظامِ مُصطفٰےؐ کا اِجرا طلب کیا جائے۔

ہر حکُومت سے حقِ خود ارادیّت مانگا جائے گا غلامانِ حُسین ہر دَور میں اِسلام کی بلا دستی کا لوہا منوائیں گے

دستورِ شریعت کی حفاظت کریں گے آئینِ قُرآن کا نفاذ چاہیں گے محمد عربی کا قانُون مانگیں گے، حُسین کے نانا کا دستور طلب کریں گے اور پھر یہ حقیقت ظاہر ہوتی گئی۔

خُونِ حُسین نے لَا اِلٰہ کی جن بُنیادوں کو استوار کیا تھا وہ نا قابلِ تسخیر ہوتی گئیں دُنیا والے پہلے بھی مشاہدہ کر چکے ہیں اور اَب بھی دیکھ رہے ہیں۔

زمانہ ہو گیا باغِ محبّت کی تباہی کو!
ابھی تک ہیں وہی گُلکاریاں خُونِ شہیداں کی

اسلام اور کفر کی جنگ

بہر صُورت کر بلاءِ مُعلّٰے کے تپتے ہوئے ریگستان پر اِمام عالی مقام حضرت اِمام حُسین عَلیہ السلام اور یزید پلید کے درمیان جو جنگ ہوئی اُسے عام حادثہ قرار نہیں دیا جا سکتا یہ خالصتاً نظریات کی جنگ تھی حقّ و باطل کا ٹکراؤ تھا ایک طرف امینِ صادق تھا۔

ایک طرف خائن تھا ایک طرف مکمّل اسلام تھا اور ایک طرف مکمّل کُفر یہ جنگ ایمان و دیانت اور کُفر و خیانت مابین تھی بظاہر خانوادہ مُصطفٰے کو شہید کیا گیا لیکن حقیقت میں یزید مُر گیا یزید کے حواری مر گئے یزید کی رُوح فنا ہو گئی۔

شیطان کی رگیں کٹ گیں رُوحِ اسلام پر پڑنے والے یزیدیت کے منحوس سائے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے معدُوم ہو گئے۔ حُسین علیہ السّلام جیت گئے یزید ہار گیا حُسین عَلیہ السّلام کے ساتھی حیاتِ اَبدی کے مالک بن گئے یزید کے ساتھی کتّے کی موت مر گئے مُحمّد عربی کا لاڈلا جیت گیا۔

بنواُمیہ کا ناخلف ہار گیا فاطمہ کا لال جیت گیا ہندہ کا پوتا مر گیا رُوح اِسلام فتحیاب ہوگئی رُوحِ شیطان شکست کھا گئی ایمان جیت گیا کُفر ہار گیا حق کو ساحل نصیب ہوگیا اور باطل ڈُوب گیا۔

قتلِ حُسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اِسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد
﴿محمد علی جوہر﴾

حُسین شہید ہو کر مُوت کی گرفت سے آزاد ہوگئے یزید پلید مر گیا اَب اُسے اُس کے حواری قیامت تک زندہ نہیں کر سکتے۔

شہادت عظمیٰ بے مقصد نہیں

جگر گوشئہ رسول کی شہادت اُن روشن ترین مقاصد کی آئینہ دار ہے جن کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

اس شہادت عظمیٰ کو بےمقصد قرار دینا حقائق سے چشم پوشی اور پاگل پن کی دلیل ہے حُسین علیہ السّلام کا مقصد بلند تھا وہ گردن کٹا کر بھی اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے یزید کا مقصد لغو اور پست تھا وہ حُسین علیہ السّلام کو شہید کروا کر بھی ناکام و نامراد ہی رہا۔

یزید کی پُوری افواج کی بات چھوڑ دو۔ صِرف کربلا میں اِمام عالی مقام کے مقابلہ میں آنے والے یزیدی لشکر کی تعداد بائیس ہزار تھی اور امام

عالی مقام کے ساتھیوں کی تعداد صرف بُہتر تھی اس کا یُوں موازنہ کریں امام عالی مقام کے عقیدت کیشوں اور غُلاموں کی تعداد کروڑوں اور اَربوں تک پہنچ جاتی ہے۔

اور یزید کے عقیدت مندوں کی تعداد اُنگلیوں پر گِنی جا سکتی ہے امام عالی مقام کے ماننے والے کردارِ حُسین کو عَلی الاعلان پیش کرتے ہیں اور یزید کے حواری یزید کی عظمت کا پرچار اس طرح کرتے ہیں جیسے چوری کر رہے ہوں۔

یا کسی کی جیب کاٹ رہے ہوں جب تک ان کا ضمیر بالکل مُردہ نہیں ہو جاتا ہے اُنھیں احساس ہوتا رہتا ہے کہ وہ جُھوٹ بول رہے ہیں اور دانستہ غَلط تاویلیں کر رہے ہیں

قیامت تک نعرۂ حُسینیّت بلند سے بلند تر ہوتا رہے گا اور برسرِ عام نعرۂ یزیدیت لگانے والا کوئی پیدا نہیں ہوگا۔

حُسین زندہ ہیں زِندہ ضمیر حُسین کو خراجِ عقیدت پیش کرتے رہیں گے یزید مُردہ ہے اُسے وہی نوازے گا جس کا ضمیر مُردہ ہو چکا ہے رُوحِ ابلیس کا مسکن بھی مرے ہوئے ضمیر ہیں زندہ ضمیر تو شیطان کے لئے کھلے چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں حق پرستوں کا نعرہ یہی رہے گا۔

حسینیّت زندہ باد — شہیدِ اعظم۔۔۔ پائندہ باد

یزیدیّت مُردہ باد — یزیدی چیلے۔۔۔ مُردہ باد

پیغام امام حسین علیہ السلام

امام عالی مقام کا پیغام تھا سر کٹتا ہے تو کٹ جائے لیکن باطل کے سامنے جُھکنے نہ دینا جان جاتی ہے تو جائے لیکن ایمان نہ جائے کُنبہ لُٹتا ہے تو لُٹ جائے لیکن عشق کی آبرو بچا لینا۔ بازو کٹتے ہیں تو کٹ جائیں لیکن عظمتِ قُرآن و اسلام کا عَلَم سرنگوں نہ ہونے دینا۔

اور یہ پیغام محض زبان سے ہی نہیں دیا تھا بلکہ ریگ زارِ کربلا کے ذرّے ذرّے پر اپنے غیُور خُونِ سے نقش کیا تھا جبھی تو آج کربلا کا ذرّہ ذرّہ یہ پیغام نشر کر رہا ہے اور خُون حسین آواز دے رہا ہے۔

قتل گاہوں سے چُن کر ہمارے علَم
اور نکلیں گے عُشّاق کے قافلے

دعوے کی دلیل

اِمام حسین علیہ السّلام خُود اپنے دعوے کی دلیل بن کر دُنیا کے سامنے آئے ہیں آپ نے اِسلام سے وفاداری کا پیغام خُود پیکرِ وفا بن کر دیا جبر و تشدّد سے ٹکرانے اور صبر و استقامت کا حُکم خود پیکر صبر و استقامت اور تسلیم و رضا بن کر دیا ہے۔

اس لئے اسے جُھٹلایا نہیں جا سکتا حُسینْ نے جس ذمّہ داری کا اعلان کیا تھا اُسے پُورا کر دیا خُدا اور رسول صلّی اللہ عَلَیہِ وَآلِہ وسلّم کی طرف سے جو حق آپ ذمّہ تھا وہ آپنے ادا کر دیا۔

رسمِ عُشّاق یہی ہے کہ وَفا کرتے ہیں
یعنی ہر حال میں حقّ اپنا اَدا کرتے ہیں

حوصلہ حضرت شبّیر کا اللہ اللہ
سر جُدا ہوتا ہے اور شُکر خُدا کرتے ہیں

قرآن اور حسین

رَمزِ قُرآں اَز حُسین آموختیم
زآتشِ اُو شُعلہ ہا اندوختیم

﴿اقبال﴾

امام الانبیاء رسولِ صادق و امین صلّی اللہ عَلَیۡہِ وآلہٖ وسلّم نے اُمت کو مخاطب کر کے فرمایا۔ ہم تمھارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہے ہیں ایک تو قرآن ہے اور دُوسری میری اہل بیت۔ اگر تُم اِن دونوں کا دامن تھام کر رکھو گے۔

تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے قرآن اور میری اہلِ بیت ہمیشہ ساتھ رہیں گے اور ان کا راستہ کبھی الگ الگ نہیں ہوگا حتّٰی کہ یہ دونوں اکٹھے حوضِ کوثر پر ہم سے ملاقات کریں گے۔

ایک لطیف نکتہ

سرکارِ دو عالم صلّی اللہ عُلیہِ وآلِہٖ وسلّم کے اس فرمانِ عالیشان میں ایک لطیف نُکتہ کی نشاندہی ہوتی ہے ایک خاص الخاص رُاز سے پردہ اُٹھتا ہے قیامت کے دن اِمام الانبیاء صلّی اللہ عَلَیۡہِ وآلِہٖ وسلّم کی پُورے میدان محشر میں جلوہ گری ہوگی۔

مقامِ محمود پر آپ تشریف فرما ہوں گے جنّت کے دروازوں کو آپ کھولیں گے عرشِ الٰہی کے سامنے آپ سجدہ ریز ہوں گے پُل صراط پر آپ اپنی اُمّت کو گُذار رہے ہونگے **لِوَاُلحَمۡد** خُدا کی تعریف کا پرچم آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔

انبیاء علیہم السّلام کی قیادت آپ فرما رہے ہوں گے خُدا تعالیٰ کے

حضور میں اُمّت کی سفارش و شفاعت آپ فرما رہے ہوں گے لوگوں کے اعمال وزن کرنے کیلئے میزان پر آپ ہوں گے اُمت کے دوزخیوں کو آپ جہنّم سے نکال رہے ہوں گے۔

اُمّت کا جہنم میں داخلہ روکنے کے لیے مالک فرشتہ دوزخ سے محوِ گُفتگو آپ ہوں گے علیٰ ہذا القیاس عَرصہ محشر کا کوئی مقام بھی تو ایسا نہیں ہوگا جہاں محبوب خُدا صلّی اللہ عَلَیہِ وَآلہ وسلّم کی لامتناہی قُوّتوں کا ظہور نہ ہوگا تو پھر وجہ کیا تھی۔

کہ آپ نے اہلِ بیت اور قُرآن کے لئے فرمایا کہ یہ دونوں حوض کوثر ہم سے ملاقات کریں گے اس میں کونسی خاص حکمت تھی کہ باوجود پُورے میدانِ محشر میں قوّت مُصطفائی کا ظہور ہونے کے آپ نے قرآن و اہلِ بیت سے مُلاقات کے لئے حوض کو مخصوص فرمایا۔

راز یہ تھا

اِس میں راز یہ تھا کہ رسولِ غیب دان شہادتِ حسین کی پیشگوئیاں فرما چکے تھے آپ جانتے تھے کی کربلا کے تپتے ہُوئے صحرا میں جوانانِ اہل بیت کے ساتھ میرے حُسین کو پیاسا شہید کردیا جائے گا۔

شدّت کی گرمی میں تین دن کی پیاس سے عَلی اکبر کے ہونٹ خُشک ہو چکے ہو نگے ننھے علی اصغر کا حلق سُوکھ کر کانٹا ہو چکا ہوگا عَون و محمد کی روحیں

پانی کے ایک گھونٹ کے لئے ترس رہی ہوں گی قاسم و فرزندان عقیل و جعفر و علی کو پانی کی سخت ضرورت ہوگی۔

وجہ کیا تھی

خنجر جفا کی دھار کے نیچے ظہر کی نماز تیمّم سے ادا کرنے والے حسین کو عصر کی نماز کی ادائیگی کے لئے وضو کرنے کیلئے پانی کی ضرورت ہوگی ان حالات میں ضروری تھا

کہ کربلا کے پیاسے شہیدوں کا استقبال کوثر و سلسبیل کے جام ہاتھ میں لے کر کیا جاتا یہی وجہ تھی کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

کتاب الله هبل محدود من اسماء الی الارض
وعترتی اهل البیتی ولن یتفرقا حتی یرد
علی الحوض

﴿مشکوٰۃ مترجم جلد نمبر ۱ص ۱۷۵﴾

اہل بیت کو سب سے پہلے حوض کوثر پر آنا تھا اور قرآن کو اہل بیت کے ساتھ آنا تھا اس لئے کہ رسول صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔

کہ میری اہل بیت اور قرآن ہمیشہ ساتھ رہیں گے اور پھر اکٹھے ہی حوض کوثر پر ملاقات کریں گے۔

حسُین قرآن کے ساتھ تھے

حسین قرآن کے ساتھ تھے قرآن حسین کے ساتھ تھا حسین اور قرآن کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

کربلائے معلیٰ میں دو قرآن دوش بدوش تھے ایک قرآن خاموش تھا ایک قرآن ناطق تھا۔ حسین بھی قرآن تھے اور قرآن بھی قرآن۔

ایک قرآن نے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزول فرمایا اور ایک قرآن دوش رسول کا راکب بنا۔

ایما ں حسین مرکز ایماں حسین ہیں
دوش نبی کی رحل کا قرآں حسین ہیں

﴿عاشق کیرانوی﴾

حسین کی عظمت کا اعلان قرآن نے کیا اور قرآن کی عظمت کا علم حسین نے بلند کیا حسین کا احترام قرآن نے بتایا اور قرآن کا احترام کر کے حسین نے دکھایا۔

ناموس حسین کی گواہی قرآن نے دی اور ناموس قرآن کا تحفظ حسین نے کیا

حسین سے محبت و مودّت کرنے کا اعلان قرآن نے کیا اور قرآن سے محبت کرنے کا سلیقہ حسین نے سکھایا۔

حسین کی شان قرآن نے بیان کی اور قرآن کی شان حسین نے بیان کی۔

حسین کی ابدی زندگی اور سرمدی حیات کی گواہی قرآن نے دی اور قرآن کی حفاظت کیلئے اپنی جان حسین نے پیش کر دی۔

قرآن نے کہا حسین زندہ ہے حسین نے فرمایا قرآن زندہ کتاب ہے۔

قرآن نے کہا حسین میرا ہے حسین نے فرمایا قرآن ہمارا ہے۔

قرآن نے کہا حسین کے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی حزن حسین نے فرمایا قرآن کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔

تبلیغ کا اجر

قرآن نے امام الانبیاء کی زبان سے اعلان کیا!

کہ اے میرے اُمتیو ہم تجھ سے اپنی تبلیغ کا صرف یہ بدلہ مانگتے ہیں کہ ہماری اہل بیت سے محبت و مُودّت کرو۔

قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی

﴿الشوریٰ آیت ۲۳﴾

حسین نے تیروں تلواروں کی بارش میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا کہ جان جاتی ہے تو جائے قرآن کے قوانین کا احترام کرو۔

آیت مباہلہ میں ذکر حسین

قرآن نے اعلان کیا کہ حسین علیہ اسلام رسول ہاشمی کے نواسے ہی نہیں بیٹے بھی ہیں۔

ابناءَ نا وَ اَبناءَ کُم ﴿آیت مباہلہ﴾

حسین نے خطبہ دیا قرآن کسی مخلوق کا کلام نہیں یہ خالق کا کلام ہے خدا کا قانون ہے اور قانون خداوندی کو تبدیل کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

قرآن نے حسین کو زندہ کہا ہے

قرآن نے کہا حسین زندہ ہیں حسین ابدی حیات کے مالک ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں رزق دیے جاتے ہیں۔

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا
بل احیاء عند ربھم یر ذقون

﴿آل عمران ۱۶۹﴾

اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے اُن کو ہرگز مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار سے روزی پاتے ہیں۔

حسین علیہ اسلام نے قرآن کے اس دعوی کی دلیل بن کر دکھایا آپ کا سر مبارک جسد اطہر سے علیحدہ ہو کر بھی قرآن مقدس کی تلاوت کر رہا

تھا۔

اور اعلان کر رہا تھا کہ حسین کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بھی قرآن کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا اس لئے کے حسین کہ نانا کا فرمان تھا کہ حسین اور قرآن علیٰحدہ علیٰحدہ نہیں ہو گے حتّٰی کہ حوض کوثر اکٹھے ہی آ کر ہم سے ملاقات کریں گے۔

قرآن نے حسین کی طھارت بیان کی۔

قرآن نے حسین کی طہارت و پاکیزگی کی گواہی ان الفاظ میں دی۔

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا

﴿الاحزاب ۳۳﴾

اے نبی کے گھر والو اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر آلودگی کو دور رکھے اور تم کو خوب پاکیزہ کر دے۔

حسین علیہ اسلام نے اعلان فرمایا۔ قرآن پاک طیب و طاہر ہے اس کے پاک اور مقدس منشور کو بدلنے نہیں دوں گا۔

اس کے طیّب و طاہر دستور میں یزید پلید کے اختراعی اور نجس قوانین کی آمیزش نہیں ہونے دوں گا۔

خطبات حسین کا ما حصل

سرزمین کربلا پر امام عالی مقام کے مختلف خطبات عالیہ کا ماحصل

یہی تھا کہ قرآن کے خلاف کوئی آئین برداشت نہیں کیا جائیگا

آئین ہوگا تو صرف قرآن کا

دستور ہوگا تو قرآن کا

حکومت ہوگی تو قرآن کی،

قانون ہوگا تو قرآن کا۔

فاطمہ کے لال پر تیروں تلواروں اور پتھروں کی بارش ہو رہی تھی لیکن

آپ ہر قیمت پر قرآن کا تحفظ کرنا چاہتے تھے۔

چھائے تھے بادل ظلم و تشدّد کے آل پر
پتھر برس رہے تھے محمد کے لال پر

امام عالی مقام پر جبر و تشدّد اور ظلم و ستم صرف اس لئے ڈھایا گیا تھا

آپ نے قرآنی احکام کو توڑنے والی حکومت کو خلافت الہیہ تسلیم کرنے سے

انکار کر دیا تھا۔

امام کا اعلان

قرآن حسین کے سینے کے ساتھ لگا ہوا لرز رہا تھا لیکن محافظ قرآن

استقلال واستقامت کی چٹان بن کر قرآن کی طرف آنے والا ہر تیر اپنے جسم نازنین پر روک رہا تھا

اور یہ صداقت نشان خطبہ ارشاد فرما رہا تھا۔اے لوگو! حسین نے تمہیں دعوت الی الحق دینے کا فریضہ ادا کر دیا۔

اب تمہاری مرضی ہے اُسے قبول کرو یا نہ قبول کرو میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ باطل کیا ہے اور حق کیا ہے

اور اچھی طرح وضاحت کر دی ہے کہ حق کا دوسرا نام مکمل طور پر نظام مُصطفٰے کا نفاذ ہے اور نظام مصطفٰے کا دوسرا نام آئین قرآن ہے۔ مسلمان کہلانا ہے تو نظام مصطفٰے اور آئین قرآن سے روگردانی نہ کر۔

ہستی مسلم ز آئین است و بس
باطن دین نبی ایں است و بس

تو ہمی دانی کہ آئین تو چیست
زیر گردوں سر تمکین تو چیست

آں کتاب زندہ قرآن حکیم
حکمت اُو لایزال است وقدیم

نسخہ اسرار تکوین حیات
بے ثبات از قوتش گیرد ثبات

حرف او راریب نے تبدیل نے
آیہ اش شرمندہ تاویل نے

پختہ تر سودائے خام از زوراو
درفتد باسنگ جام از زوراُو

نوع انساں را پیام آخریں
حامل او رحمۃ للعلمین

رہزناں از حفظ او رہبر شدند
از کتابے صاحب دفتر شدند

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

﴿اقبال﴾

قرآن اور حسین کی گفتگو

حسین نے آئین قرآن کی حفاظت کرنے کا دعوی علی الاعلان کیا تھا قرآن نے کہا حسین تمہیں ابدی حیات کی بشارت دینے والا خدا تمہیں آزمانا چاہتا ہے تیرا امتحان مانگتا ہے تیرے دعوے کی دلیل طلب کرتا ہے

حسین نے کہا میں حاضر ہوں۔

قرآن نے کہا بھوک اور پیاس برداشت کرنا پڑیگی۔

حسین نے کہا میں حاضر ہوں

قرآن نے کہا جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔

حسین نے کہا حاضر ہوں۔

قرآن نے کہا جائیں دینا پڑیں گی۔

حسین نے کہا میں حاضر ہوں۔

قرآن نے کہا پھل چھوڑنے پڑیں گے۔

حسین نے کہا میں حاضر ہوں۔

ولـنبلونكم بشى من الخوف و الجوع ونقص
من الا موال و الا نفس و الثمرت

﴿البقرۃ ۱۵۶﴾

اورضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈراور بھوک سے کچھ مالوں اور
کچھ جانوں اور پھلوں کی کمی سے۔

اور پھر بتول کے چاند نے جب کوہ رضا اور پیکرصبر واستقلال بن کر
امتحان دیا تو قرآن پکاراُٹھا۔

وبشر الصا برين الذين اذا اصا بتهم مصيبة
قـا لو انا لله وانا اليه راجعون ہ او لئک عليهم
صـلـوات من ربهم ورحمة واو لئک هم المهتد
ون ہ

﴿البقرۃ ۱۵۷﴾

اور خوشخبری دوان کوصبر والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت آجائے
تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا ہے یہ وہ لوگ ہیں
جن پر اللہ کے درود اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ راہ پر ہیں۔

حسین نے امانت واپس لوٹا دی

قرآن نے کہا حسین علیہ اسلام ؛تم امین وصادق رسول صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کے نواسے ہو۔ اور خدا کی امانتوں کے امین ہو خدا تم سے اپنی

امانتیں واپس مانگتا ہے۔

اِن اللّٰہَ یأ مُرُ کُمْ اَنْ تو دّ و الاٗ ما نا تِ اِلیٰ اَھْلِھَا۔

﴿النساء۔۵۸﴾

بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ جن کی امانتیں ہیں انہیں واپس کردو۔

حسین علیہ اسلام نے کہا میں حاضر ہوں۔اور پھر امین صادق نے ہر امانت کو بارگاہ خداوندی میں اس طرح واپس کر دیا کہ جبین اقدس پر بل بھی نہ آیا۔پورا خاندان خدا کی راہ میں نذر کر دیا جو چل کر میدان میں نہیں جا سکتا تھا اُسے ہاتھوں میں اٹھا کر بارگاہ ربّ جلیل میں پیش کر دیا۔

صدائے سروش آئی۔حسین علیہ السلام؛ تم امین صادق ہو تمہاری امانت و دیانت کا قیامت تک ڈنکا بجتا رہے گا۔اور پھر اہل بیت کے ایک ایک فرد کو پورے خلوص و نیاز مندی کے ساتھ بارگاہ ایزدی میں پیش کرنے والے امام عالی مقام جب اپنی جان کی امانت بھی پیش کر دینے کے لئے مقتل کو جانے لگے۔

تو سیّدہ زینب نے روک لیا۔آپ مقدس ہمشیر کی بات سننے کے لئے رُک گئے۔

یزیدیوں کی طرف سے آواز آئی۔

حسین؛ اب موت کو سر پر دیکھ کر ڈر کیوں گئے ہو میدان میں آؤ۔

قرآن نے کہا ظالمو؛ حسین علیہ اسلام کو ڈرنے کا طعنہ مت دو۔خدا

کی راہ میں جانیں دینے والوں کو تو تمام خوف وخطرات سے بے نیاز کر دیا جاتا ہے اور اس پر میری گواہی ہے۔

فرحین بما اتهم الله من فضله ویستبشر ون با
الذین لم یلحقوا بهم من خلفهم الا خوف
علیهم ولا هم یحزنون

﴿آل عمران ۱۷۰﴾

شہید شاد ہیں اُس پر جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے دیا اور خوشیاں منا رہے ہے اپنے پچھلوں کو جو ابھی ان سے نہ ملے کہ اُن پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ کچھ غم۔

قرآن الگ نہیں

قرآن اور حسین علیہ اسلام کو علیحدہ کیا ہی نہیں جاسکتا۔ قرآن کا ایک ایک لفظ معنیٰ اور ایک ایک حکم حسین علیہ السلام کے بال بال میں رچ بس گیا تھا۔

شبّیر دے لُوں لُوں وچ صائم قرآن انج رچیا ہویا سی
سر نیزے چڑھیا ہویا وی قرآن دی کر تفسیر گیا

قرآن کا نزول حسین علیہ السلام کے نانا پر ہوا، قرآن کی تلاوت کا

حق حسین علیہ السلام کی ماں نے ادا کیا اور قرآن کے احکام کو پورے طور پر مان لینے کا حق شبّیر علیہ السلام نے ادا کر دیا قرآن کا ایک ایک حرف رُوح حسین علیہ السلام میں سرایت کر چکا تھا۔

کیوں نہ ہوتا۔ حسین علیہ السلام ماں کی گود میں ہوتے اور حسین علیہ السلام کی ماں چکّی بھی پیس رہی ہوتی اور تلاوت قرآن بھی کر رہی ہوتی چکّی سے آٹا نکالتی تو قرآن کی تلاوت جاری ہوتی۔ آٹے کے لئے پانی نکالتی تو تلاوت قرآن کے ساتھ، آٹے میں پانی ڈالتی تو تلاوت قرآن کے ساتھ آٹا گوندھ رہی ہوتی تو تلاوت قرآن جاری ہوتی۔

روٹیاں پکا رہی ہوتی تو تلاوت قرآن جاری ہوتی، روٹی کا ایک ایک لقمہ توڑ کر بچوں کو کھلا رہی ہوتی تو تلاوت قرآن جاری ہوتی، اب خود ہی اندازہ کرلو کہ

حسین علیہ السلام کے مقدس خون میں قرآن کس طرح گردش کرتا ہوگا۔

عقل سوال کرتی ھے

عقل سوال کرتی ہے۔ قرآن اگر حسین علیہ السلام کے ساتھ تھا تو حسین علیہ اسلام کے مقابلہ میں آنے والے بھی قرآن پڑھتے تھے بلکہ ان میں بیشتر لوگ قرآن کے حافظ تھے اُن کے سینوں میں بھی قرآن محفوظ تھا پھر حسین علیہ اسلام کے قرآن میں کیا خصوصیّت تھی۔

قرآن تو دونوں فریقوں کی طرف تھا پھر حسین علیہ السلام کے
قرآن کو کیوں ترجیح دی جاتی ہے۔

قرآن کا جواب

حسین علیہ السلام کی طرف سے قرآن نے جواب دیا۔ قرآن نے کہا حسین علیہ السلام؛ تیری عصمت کی حفاظت میرے ذمّہ ہے۔

تیری طرف سے میں جواب دیتا ہوں اور پھر قرآن نے کھول کر بتا دیا کہ میں ظالموں کو کچھ فائدہ نہیں دیتا، بلکہ اُن کا خسارہ بڑھاتا ہوں ان کے زیان ونقصان کو اور زیادہ کرتا ہوں ان کے گھاٹے میں اور اضافہ کرتا ہوں میں اگر شفا اور رحمت ہوں تو مومنوں کے لئے۔

وننزل من القرآن ما ھو شفائورحمته للمو
منین ولا یزید الظلمین الا خساراہ۔

﴿بنی اسرائیل ۸۲﴾

اور ہم قرآن میں جو چیزیں نازل فرماتے ہیں وہ ایمانداروں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور اس سے ظالموں کا تو نقصان ہی بڑھتا ہے۔

ظالموں کا ذکر کیا

قرآن نے یہاں مومنوں کے مقابلہ میں کفار کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ ظالموں کا ذکر کیا ہے۔

کفار کو قرآن سے کیا نقصان ہوتا وہ تو سر سے قرآن کو مانتے ہی نہیں گھاٹا تو ان لوگوں کے لئے ہے جو قرآن کو مانتے ہیں مگر نہیں مانتے ۔قرآن پاک اللہ کی کتاب ہونے کا اقرار کرتے ہیں لیکن اس کے احکام کو تسلیم نہیں کرتے۔

امام عالی مقام کے مقابلہ میں آنے والے بلاشک وریب ظالم تھے اُن کے مظالم کو ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں اُن کے ظلم و ستم کی داستانیں بن چکی ہے۔اُن کے ظلم کو ظلم کی انتہا کہا جا سکتا ہے اُنہوں نے قرآن پڑھ کر قرآنی احکام کی خلاف ورزی کی تھی۔

قوانین خُداوندی کو توڑ

نے والے ذلیل حاکم کا ساتھ دیا تھا، حق کے ساتھ مقابلہ کیا تھا اور باطل کو نوازا تھا۔وہ قرآن پڑھتے تھے لیکن قرآن انکے حلق سے نیچے نہیں اُترتا تھا قرآن ان کے سینوں میں تھا مگر ان کا خسارہ بڑھاتا تھا۔

قرآن حسین کے ساتھ ھے

قرآن اگر شفاء تھا تو حسین علیہ اسلام کے لئے ،رحمت تھا تو حسین علیہ اسلام کیلئے اس لئے کہ حسین علیہ اسلام سراپا ایمان تھے ۔قرآن ایمانداروں کے لئے شفا اور رحمت ہے یزید کے حفظ وقاری ظالم تھے ان کے لئے خسارے کا باعث بنا۔

انہوں نے قرآنی آیات کو رضائے یزید کے لیے استعمال کیا تھا
اور حسین علیہ اسلام نے قرآن کو رضائے حق نے قرآنی آیات کو رضائے
یزید کے لئے استعمال کیا تھا اور حسین علیہ اسلام نے قرآن کو رضائے حق
کے لئے تلاوت فرمایا تھا قرآن کا سینوں میں آ جانا باعث نجات نہیں ہوسکتا
سینے میں آئے ہوئے۔

بد اعمال حفاظ کا انجام

قرآن کا احترام باعث نجات ہے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
فرماتے ہیں قیامت کے دن کچھ لوگ میدان محشر میں اکڑوں بیٹھے ہوں
گے۔ زمین آگ اگل رہی ہوں گی آفتاب آگ برسا رہا ہوگا اور ان کے
دماغ کھولتے ہوں گے۔

خُداوند تعالیٰ کا ارشاد ہوگا آج کے دن کے لئے کیا لائے ہو۔ وہ
کہیں گے۔ یا اللہ ہم نے تیری رضا حاصل کرنے کے لئے قرآن کو حفظ کیا
اور خوش آوازی سے لوگوں کو پڑھ کر سنایا۔

اللہ ربّ العزّت کا ارشاد ہوگا تم غلط کہتے ہو۔ تم جھوٹے اور کذّاب
ہو۔ خدا کی آواز کے ساتھ فرشتوں کی آوازیں آئیں گی تم جھوٹے ہو تم
جھوٹے ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم لوگوں کی خواہش تھی کہ لوگ تمہارا

حافظ قرآن سمجھ کر احترام کریں اور جب تمہیں حافظ قرآن کہا جاتا تو تمہارا نفس حظ حاصل کرتا تھا تمہاری خواہش کے مطابق دنیا میں تمہیں اس کا بدلہ دے دیا گیا۔ اب وہ عمل پیش کرو جو آج کے دن کے لئے لائے ہو۔

حفظ کرنے کا مقصد

یزید کے لشکر میں کئی حافظ قرآن تھے لیکن قرآن ان کے سینوں میں ایسے تھا جیسے زبردستی محبوس کر دیا گیا ہو انہوں نے قرآن کو قید کر رکھا تھا قیدی کس طرح خوش رہ سکتا ہے۔

قرآن تو ان کے لئے بددعا کرتا ہے اور یہی ان کے لئے خسارا تھا قرآن طیب و طاہر اور پاک تھا ان کے سینوں میں حسد و بغض کی غلاظت بھی تھی اور کینہ توزی کی نجاست بھی پھر قرآن سے وہ کیا فائدہ اٹھا سکتے تھے عنبر و کستوری کو اگر غلاظت کے ڈھیر پر رکھ دیا گیا جائے تو کیا حاصل ہو گیا۔

عطر کی شیشی اگر گندگی اور نجاست پر انڈیل دی جائے تو اس کا کیا فائدہ ہوگا قرآن حفظ کرنے کا مقصد تو یہ ہے کہ قرآن کا احترام کیا جائے قرآن کے تقدس کی حفاظت کی جائے۔

قرآن کے احکام مانو

قرآن کے احکام کو مانا جائے اور قرآن کی حدوں کو صدق دل سے تسلیم کیا جائے قرآن کو ڈھانپنے کے لئے طیب و طاہر اور پاک اور صاف

غلاف کی ضرورت ہے قرآن کو گندے اور غلیظ غلاف میں رکھنا قرآن کی کھلی توہین ہے۔

قرآن سے بد عھدی

اور کوفی قرآن کی توہین کر رہے تھیانہوں نے قرآن کو گندے اور نجس غلافوں میں بند کرنے کا جرم کیا ہے ان کے سینوں کے غلاف انتہائی غلیظ ہو چکے تھے۔

ان میں حسد اور بغض کی بد بو پیدا ہو چکی تھی کینے اور عداوت کی تہیں جم چکی تھیں بے وفائی اور بد عہدی کی نجاست سے آلودہ ہو چکے تھے انہوں نے قرآن ناطق سے بد عہدی کی تھی۔

کتاب اللہ سے بے وفائی کی تھی وہ قرآن کے محض نام کے حافظ تھے محافظ نہیں تھے انہوں نے طہارت قرآن کو بغض اور بے وفائی کی نجاست و غلاظت سے آلودہ کر رکھا تھا اور قرآن ان کے ناپاک اور نجس سینوں سے نکل جانے کے لئے تڑپ رہا تھا۔

قرآن انہیں گھاٹے اور خسارے کی وعید سنا رہا تھا ان کے سینوں میں قرآنی لفظوں کے جسم تھے ان میں قرآن کی روح نہیں تھی اور دوسری طرف امام برحق امام حسین علیہ اسلام نے قرآن کو طیّب و طاہر اور نُور ریز غلافوں میں لپیٹ رکھا تھا۔

قرآن کے ایک ایک حرف کو خوشبوئے رسول میں بسا رکھا تھا۔

امام حسین کی طہارت کی گواہی

حسین علیہ السلام کی طہارت و پاکیزگی کی شہادت خود قرآن نے آیت تطہیر میں دے رکھی تھی پھر قرآن کو رہنے کے لئے اس سے زیادہ پاکیزہ جگہ کہاں حاصل ہوتی۔

یہی وجہ تھی کہ قرآن حسین علیہ اسلام کے ساتھ تھا اور حسین علیہ لسلام قرآن کے ساتھ تھا قرآن بھی طیّب و طاہر ہے اور حسین علیہ اسلام بھی طیّب و طاہر ہیں۔ قرآن بھی نور ہے اور حسین علیہ اسلام بھی نور ہیں قرآن بھی مرکز ہدایت ہے۔

اور حسین علیہ اسلام بھی مرکز ہدایت ہیں قرآن بھی روشنی کا مینار ہے اور حسین علیہ اسلام بھی روشنی کا مینار ہیں قرآن اور حسین اس لئے اکھٹے رہیں گے دونوں کا منشاء و مقصود ایک ہے دونوں کی آواز ایک ہے۔ پیغام ایک ہے مقصد ایک ہے۔

منشور ایک ہے آئین اور دستور ایک ہے۔ منزل ایک ہے۔ راستہ ایک ہے فرائض ایک ہیں اور امام الانبیا سے ملاقات کا مقام ایک ہے وقت وصال ایک ہے یزید فوج اگر قرآن کے احکام کو تسلیم کر لیتی تو شہزادر سول اور بتول کے چاند پر کبھی تیغ جفا نہ اٹھاتی قرآن نے تو فرمایا تھا کہ اہل بیت

رسول سے مودّت اور محبت کرو لیکن وہ اہل بیت رسول پر تیروں اور تلواروں کی بارش برسا رہے تھے۔

پھر قرآن ان کے ساتھ کیسے رہ سکتا تھا قرآن حسین علیہ اسلام کے ساتھ تھا جو اپنے دادا جناب اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ اسلام کے حق میں نازل ہونے والی آیت وفدینہ بذبح عظیم کی تفسیر پیش کر رہا تھا۔

عقل و عشق

ہر کہ پیما باہوا الموجود است
گردنش از بند ہر معبود رست

مومن از عشق و عشق از مومن است
عشق را ناممکن ماممکن است

عقل سفاک است و او سفاک تر
پاک تر چالاک تر بیباک تر

عقل در پیچاک اسباب و علل
عشق چوگاں باز میدان عمل

عقل صید از زور بازو افگند
عقل مکار است و دامے می زند

عقل را سرمایہ از بیم و شک است
عشق را عزم ویقیں لا ینفک است

عقل چوں باد است ارزاں درجہاں
عشق کمیاب و بہائے اُو گراں

عقل محکم از اساس چون و چنْد
عشق عریاں از لباس چون و چنْد

عقل میگوید کہ خود را پیش کن
عشق گوید امتحان خویش کن

عقل گوید شاد شو آباد شو
عشق گوید بندہ شو آزاد شو

عشق را آرام جاں حریت است
ناقہ اش را سارباں حُریت است

آن شنیدستی کہ ہنگام نبرد
عشق باعقل ہوس پرور چہ کرد

﴿اقبال﴾

فتح کردار کی ہوتی ہے تلوار کی نہیں ذوالفقار حیدری کے ساتھ ساتھ کردار یداللہی بھی تھا اسلامی فتوحات کے ساتھ کردار کی بلندیاں شامل نہ ہوتیں تو اسلام کا نام ونشان مٹ جاتا۔

صف جنگاہ میں مردان خدا کی تکبیر
جوش کردار سے بنتی ہے خدا کی آواز

﴿اقبال﴾

مظلوم کی آہ عرش الٰہی کو کیوں ہلا دیتی ہے۔ خداوند قدوس ظالموں سے برئیت وعلیحدگی کا کیوں اظہار فرماتے ہیں یہاں تھوڑا سا غور کرنا ہوگا ظالم فوج ماہر فاتح اور اس کے ظلم وستم کا نشانہ بننے والا مظلوم بظاہر شکست خوردہ ہوتا ہے۔

پھر ظالم کی فتح کو خراج عقیدت کیوں پیش نہیں کیا جاتا۔ اس کی فتح کا ذکر اچھے لفظوں سے کیوں نہیں ہوتا مورخ اسے فتح کی داد کیوں نہیں دیتا صرف اس لئے کہ اس کی فتح کے پس پردہ اس کے اخلاق کی شکست اور کردار کی موت ہوتی ہے۔

بیشتر انبیائے کرام تیغ جفا کا شکار ہوکر مقام شہادت پر فائز ہوئے

لیکن وہ قطعی طور پر فاتح کرار پائے گے ان کی موت کو اُن کی شکست کے نام سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا اُن کی موت تو زندگی کی بھی زندگی ہے ہر بات کے ناپ تول کے لئے عقل کا پیمانہ کافی نہیں ہوتا۔

عقل دھوکہ کھا جاتی ھے

عقل تو بار ہا بار دھوکہ کھا جاتی ہے عقل تو ہمارے دنیاوی کاروبار میں بھی پوری پوری راہنمائی نہیں کرتی ہم اس کے بتائے ہوئے راستوں پر چل کر متعدّد بار ٹھوکروں کا شکار ہو جاتے ہیں پھر اس پر اندھا دھند اعتماد کس طرح کیا جاسکتا ہے۔

عقل بھی تو ایک جیسی نہیں ہوتی ظروف بدلنے سے اس کا انداز اور طریقہ استعمال بھی بدل جاتا ہے پھر کون سا ضروری امر ہے کہ اسے ہر بات میں اور ہر ظرف میں مطمئن کیا جاسکے اگر عقل پر ہی اعتبار حقیقت رکھا جائے گا تو پھر یہ تو اسی بات کو مانے گی جس کا یہ احاطہ کر سکے اس کا دار و مدار مشاہدات پر ہے۔

ان مشاہدات و محسوسات پر جسے یہ ظاہر کی آنکھ سے دیکھ سکے یا مساس کر سکے اس زیادہ نہیں جبھی تو اسے اطمینان کی دولت نصیب نہیں قرآن مقدس میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں انہیں مردہ مت کہیں۔

ومن یقتل فی سبیل اللہ اموات

عقل کا سوال

عقل پریشان ہو گئی ایک طرف ارشاد خداوندی ہے دوسری طرف ناقابل قبول بات ہے جھنجھلا کر سوال کر دیا اللہ کی راہ میں مارے جانے والوں کو مردہ کیسے نہ کہیں جبکہ وہ مردہ ہو چکے ہیں ان کے جسم کے تمام اعضا کاٹے جا چکے ہیں۔

زندگی کے آثار ختم ہو چکے ہیں رشتہ حیات ٹوٹ چکا ہے شیرازہ ہستی منتشر ہو چکا ہے جسم کا ایک ایک حصہ بے حس ہو چکا ہے ہر عضو بدن سے حرارت حیات ختم ہو چکی ہے گردن کا منکا ڈھل چکا ہے آنکھوں میں حلقے پڑ چکے ہیں پتلیوں کا نور ختم ہو چکا ہے۔

خون کا ہر قطرہ یا تو بہہ چکا ہے یا منجمد ہو کر رہ گیا ہے گردن جسم سے علیحدہ ہو چکی ہے جسم کے عضاء کٹ کٹ کر بکھر چکے ہیں اور ان اعضا کو بھی گھوڑوں کے سموں سے پامال کر دیا گیا ہے پھر اس حالت میں اُسے مردہ نہ کہیں تو کیا کہیں عقل نے بڑی ہمت سے استدلال پیش کیا تھا لیکن قرآن یہاں خاموش نہیں ہے۔

قرآن کا جواب

قرآن نے فرمایا۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ بل احیاء۔

شہید کی تجدید حیات کرتی ہے شہید کا ہر عضو بدن کٹ جانے پر بھی زندگی کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا اور لحد کے اندر بھی رشتہ حیات نہیں ٹوٹتا۔

سردیٔ مَرقد سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھوسکتا نہیں

پھول بن کر اپنی تُربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ

ہے لحد اس قوت آشفتہ کی شیر ازہ بند
ڈالتی ہے گردن گر دوں میں جو اپنی کمند

موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

﴿اقبال﴾

عقل کے پیچ و تاب

عقل پیچ وتاب کھانے لگی اپنی نارسائی پر ندمت کے آنسو بہائے مضطرب ہو کر سوال کر دیا خدا کی راہ میں مارے جانے والے زندہ ہیں تو

ہمیں نظر کیوں نہیں آتے۔

سوال بڑا گہرا اور پیچیدہ تھا عقل نے پوری قوت سے سوال کیا تھا لیکن قرآن نے اسے خاموش کر دیا قرآن معمّے کی بات نہیں کرتا قرآن کا اپنے لئے اعلان ہے کہ مجھ میں ہر چیز کی تفصیل ہے۔

قرآن نے فرمایا۔ شہید تو زندہ ہیں مگر تم شہیدوں کی زندگی کا شعور نہیں کر سکتے۔

ولکن لا تشعرون۔

عقل عیار تھی

قرآن مقدس کا عقل کے لئے کھلا چیلنج تھا اسے اس کی ناسمجھی کا طعنہ دیا گیا تھا مگر اس کے پاس بے بسی کے سوا کچھ نہ تھا اپنی ناتمامی کا اقرار کرنا پڑا اپنے محدود ہونے کا اعتراف کرنا پڑا اپنی مایوسی اور محرومی کو محسوس کرنا پڑا عقل عیّار تھی۔

احساس کمتری نے پریشان کر دیا قرآن کی حدود سے نکلنے کے لئے ظرف بدل لیا ظرف کی تبدیلی سے سوچنے کا انداز بدل گیا۔ اور سوال کر دیا ایسی بات کا یقین کیسے کر لیا جائے جس کا شعور نہیں کیا جا سکتا شہید زندہ ہیں تو نظر کیوں نہیں آتے۔

عقل ناتمام کو اس سوال کے بعد اطمینان حاصل ہو گیا اس نے بڑا

زوردار سوال کیا تھا۔

ظاہربینوں اور مشاہدات تک محدود رہنے والوں کیلئے اس سوال میں بہت کشش ہے لیکن عقل کا یہ سوال بھی اس کی کم عقلی کی دلیل ہے انتہائی ناقص اور کمزور دلیل۔

ہم پوچھتے ہیں

ہم پوچھتے ہیں کہ اگر زندگی اور موجودگی کا اعتبار ہمارے مشاہدات پر ہی رکھا جائیگا تو پھر ہمیں قوم جنات کیوں نظر نہیں آتی حالانکہ وہ زندہ بھی ہے اور موجود بھی ہمیں فرشتے کیوں نظر نہیں آتے جو زندہ بھی ہیں اور موجود بھی کیا تم ان کی زندگی کا انکار کر سکتے ہو۔

مگر یہ جواب ان ظروف کو کیسے مطمئن کر سکتا ہے جن کا کتاب مقدس پر اعتماد و یقین ہی نہیں فرشتوں اور جنوں کی مثال بیکار ہے اس لئے ان پر ہم دوسرا سوال کریں گے کہ اگر یہ درست ہے کہ زندگی کا دار و مدار نظر آنے پر ہی رکھا جا سکتا ہے۔

تو پھر ایسی نظر تلاش کرو جو ہوا کو دیکھ سکے تمہاری ریسرچ نے تمہیں باور کرا دیا ہے کہ ہوا زندہ ہے بلکہ تم اس سے بڑھ کر ہوا کو حیات بخش اور حیات آفرین بھی تسلیم کرتے ہو۔

تم ہمیں ہوا کی صورت دکھا دو ہم تمہیں سید الشہداء امام حسین کی

زیارت کروادیتے ہیں حالانکہ ہوا نظر آتی ہے ہم نے ہوا کو کئی بار دیکھا ہے تم کہو گے کہ لاؤ وہ آنکھ ہمیں دے دو جو ہوا کو دیکھ سکتی ہے مگر یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔

لباس کثیف کی مثال

تم سب نے ہوا کو دیکھا ہو گا ہوا جب گرد و غبار کا کثیف لباس اوڑھتی ہے تو بگولوں اور آندھی کی شکل میں ہم سب کو نظر آجاتی ہے لیکن جب گرد و غبار کا کثیف لباس اُس کے جسم لطیف سے اُتر جاتا ہے تو باوجود زندہ اور موجود ہونے کے نہ تو نظر آتی ہے اور نہ ہی محسوس کی جا سکتی ہے۔

گرد و غبار کی کثافت اُتر جانے سے اس کی قوت میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے اس میں ایک خاص قسم کا ٹھہراؤ آجاتا ہے وہ فضا کے درمیان ایک مضبوط دیوار بن جاتی ہے اسے اطمینان اور قرار حاصل ہو جاتا ہے وہ کبھی نسیم سحری بن کر مشام دل و جان کو معطر کرتی ہے اور کبھی باد صبا کا روپ دھار لیتی ہے۔

حیات لطیف حاصل ہو جاتی ہے

بلا تشبیہ اسی طرح جب شہید اربعہ عناصر کے کثیف لباس کی قید سے باہر آجاتا ہے تو اُسے حیات لطیف حاصل ہو جاتی ہے اسے ایک ایسی پائدار اور مضبوط زندگی مل جاتی ہے جو کبھی زوال و انحطاط کا شکار نہیں ہوتی وہ

موت کی دست برد سے باہر آجاتا ہے۔

ہوا کی موجودگی کا احساس

اس کی قوتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اسکا جسم اگرچہ متشکل ہوتا ہے
مگ روح ہی کی طرح لطیف ہو جاتا ہے اس قدر لطیف اور طاقت ور کہ موسم کا
تغیر وتبدل اسے متاثر نہیں کر سکتا موسم کے لحاظ سے ہوا کی حدت و برودت کا
احساس ضرور ہوتا ہے۔

اگرچہ وہ نظر نہ آتی ہو لیکن ہوا کی موجودگی کو محسوس کر لینے کے لئے
بھی شرط حیات ہے ہوا کی سردی گرمی اور موجودگی کا احساس زندہ کے لئے
ہے مردہ کے لئے نہیں شہیدوں کی موجودگی اور اس کی زندہ قوتوں کا احساس
بھی وہی کر سکتا ہے جو خود زندہ ہو۔

ہوا پر موسم کے تغیرات حاوی ہوتے ہیں اس لیے اس کی سردی گرمی
اور اجسام کی زندگی محسوس کر لیتی ہے۔

شہید کی زندگی

شہید کی زندگی پر تغیرات رونما نہیں ہو سکتے اس لئے اس کا احساس
ارواح کو ہوتا ہے شہید کی موجودگی کا احساس کرنے کے لئے زندگی شرط ہے
روح کی زندگی ضمیر کی زندگی قلب و دماغ کی زندگی ایمان اور یقین کی زندگی
شہزادہ گلگوں قبا۔

سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی حیات آفرین زندگی کا مشاہدہ کرنا ہو تو ایمان اور یقین کو زندہ کرو قلب و ضمیر کو زندہ کرو۔ اپنی بیمار روح کو تندرست کرو۔

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ

﴿اقبال﴾

جب تمہارے قلب و ضمیر زندہ ہو جائیں اور روح کو بالیدگی اور ایمان کو حرارت نصیب ہو جائے تو پھر دیکھنا کہ تمہیں امام عالی مقام کی حیات آفرین حیات کا احساس کس شدت سے ہوتا ہے۔ تم جب بھی ان کا ذکر کرو گے وا تمہارے پاس ہوں گے یہ اس مقدس طائفہ کے لوگ ہیں جو کبھی اپنے ذاکر سے دور نہیں ہوتے۔ وہ مذکور ہی کیا جو اپنے ذاکر سے دور ہو۔

حسین کی زندگی کا ثبوت

جب ذکر حسین علیہ السلام کرتے یا سنتے ہوئے تمہاری آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب موجزن ہو جائے دل بے قرار ہو کر تڑپنے لگے۔ ہر موئے بدن چرتا ہوا محسوس ہونے لگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ امام عالی مقام تشریف لا چکے ہیں اور رباب دل پر انہیں کے کرم کی چوٹ پڑی ہے۔ اب تم سوال کرو گے۔ قلب و ضمیر کو زندگی کیسے دی جائے۔

ایمان کو حرارت کیسے نصیب ہو گی روح کو جلا کیسے ملے گی۔ تو ان سب کے احیا کے لیے اک ہی نسخہ کافی ہے۔

عشق کی دنیا میں آجاؤ

اور وہ ہے عقل کی بھول بھلیوں اور خود فریبیوں کے جال کو توڑ کر عشق کی دنیا میں آ جانا۔ عشق تمام مردہ قوتوں زندہ کر دے گا۔ حجابات اٹھ جائیں گے۔ مشاہدات کی دنیا میں آ جاؤ گے احساسات کے جہان میں انقلاب آ جائے گا اور قلب روح پر ہمہ وقت تجلّیات کا ورود ہو گا۔ عشق تمہیں حیات ابدی عطا کر دے گا۔ عشق تمہیں حیات ابدی عطا کر دے گا۔

عشق آئین حیات عالم است
امتزاج سامات عالم است

عشق را از تیغ و خنجر باک نیست
اصل عشق از آب و باد و خاک نیست

در جہاں ہم صلح وہم پیکار عشق
آب حیواں تیغ جوہر دار عشق

از نگاہ عشق خارا شق شود
عشق آخر حق سراپا حق شود

﴿اقبال﴾

امام حسین کا پیغام

کربلا کے آگ کی طرح جلتے ہوئے ریگستان میں نیزوں برچھیوں اور تیروں تلواروں کی بارش میں عاشقوں کے امام نے یہی پیغام تو نشر کیا تھا کہ مقصود مومن عشق ہے جان نہیں۔

عشق اگر فرماں دہد از جان شیریں ہم گذر
عشق محبوب است و مقصود است جاں مقصود نے

﴿اقبال﴾

عقل کو غلام بنا لو

عقل بڑے کام کی چیز ہے لیکن کسی حد تک اس کا مقام متعلق ہو چکا ہے اگر اس کو غلام بنا کر رکھو گے تو پھر نفع ہی نفع حاصل ہوگا اور اگر اس کی خود غلامی اور اتباع اختیار کر لو گے تو خسارہ ہی خسارہ اور گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔

امام عالی مقام کا پیغام تھا زندہ رہنا ہے تو آزادی و حرمت کی زندگی بسر کرو اور اگر آزادی قلب و ضمیر حاصل نہیں تو جان قربان کر دو اور دامن حریت کو داغدار ہونے سے بچا لو۔

پیمبر عشق کا ایک فرمان یہ بھی تھا کہ اپنا راہنما بنانا ہے تو عشق کو بناؤ عقل کو تابع فرمان کر دو تم پر حیات ابدی کے اسرار کھل جائیں گے۔

من بندۂ آزادم عشق است امام من
عشق است امام من عقل است غلام من

﴿اقبال﴾

عشق اگر امام ہو گا

عشق اگر امام ہو گا تو آسودۂ منزل ہو جاؤ گے اور اگر یہی امامت عقل کو سونپ دو گے تو منزل سے دور ہوتے چلے جاؤ گے عقل کی راہبری میں چلو گے تو یہ تمہیں شک وریب میں مبتلا کر دے گی اور پھر نفس راہزن تم سے یقین واعتماد کی دولت لوٹ لے گا۔

عقل بے مایہ امامت کی سزا وار نہیں
راہبر ہوں ظن و تخمیں تو زبوں کار حیات

﴿اقبال﴾

عقل کے پیچھے چلنے والو

عقل ناتمام یوں بنا لینے والے اس انداز سے سوچ رہے ہیں ہ اگر امام حسین تخت حکومت کے لالچ اور ہوس میں جلد بازی نہ کرتے تو ان کا یہ حشر نہ ہوتا بیمار عقلوں کے فرسودہ ظرو فاس پیکر عشق اور امام برحق کی سیاسی

غلطیاں جمع کرنے میں مصروف ہیں جس کا خمیر ہی عقل کُل کے مقدس خون سے اٹھایا گیا تھا۔

جس کے رگ وریشہ میں خون رسول رچا ہوا تھا مدینۃ العلم کی آغوش میں آنکھ کھولی اور باب العلم کے زیر سایہ تربیت حاصل کی تھی۔ ان کی بے حضور عقلیں اور محدود علم اُس بحر العلوم اور عشق کے امام کو مشورے دے رہے ہیں کہ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا اور ایسا کرنا چاہیے تھا ان کا یہ بھی دعویٰ ہے۔

امام حسین کے مقام کو سمجھو

کہ امام عالی مقام نے بیعت یزید سے اس لئے انکار کیا تھا کہ اگر وہ بیعت کر لیتے تو انہیں حکومت مل جانے کا چانس ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو جاتا یہ کہتے ہیں کہ امام حسین کو کوفہ والوں نے حکومت کے سبز باغ دکھائے تھے آپ حکومت کرنے کے نشہ میں سرشار کوفے جا رہے تھے لیکن چند سیاسی غلطیوں کی بنا پر اپنا بال بچہ بھی کٹوا بیٹھے۔

عقل ناتمام اس عظیم قربانی کو شہادت کے درجہ سے بھی گرا دینا چاہتی ہے جس نے دم توڑتے ہوئے دین اسلام کو حیات ابدی سے آشنا کر دیا وہ اعظیم قربانی جسے تکمیل ذبح عظیم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اسے کیا معلوم کہ عشق کامل اور عقل کمال کے امتزاج کا نام حسین

اور حق وصداقت کی سر بلندیوں کا نام حسینیت ہے ان عقل کے غلاموں کو کیا پتہ ہے کے امام حسین علیہ السلام ظاہر و باطن کے تمام تر علوم پر احاطہ کئے ہوئے تھے۔

امام کا مقام عقل و عشق

اور تمام امت کی عقل اگر جمع کر لی جائے تو عقل حسین کی برابری نہیں کر سکتی۔ اور پھر تمہاری عقل ناقص کے ترازو پر عشق حسین ی برابری نہیں کر سکتی اور پھر تمہاری عقل ناقص کے ترازو پر عشق حسین کو کس طرح وزن کیا جا سکتا ہے امام عالی مقام کی شہادت کو عقلی سیاست کے معیار پر جانچنے والو اس طرف بھی غور کرو کیا تمہاری عقل تمہیں یہ اجازت دے سکتی ہے کہ آتش نمرود کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں چھلانگ لگا دو۔

معرفت امام حاصل کرو

کیا تمہاری عقل تمہیں یہ مشورہ دے سکتی ہے کہ اپنے نوخیز بیٹے کی گردن پر چھری پھیر دو حسین علیہ اسلام کی شہادت عظمے کے لطائف سے آگاہی چاہتے ہو تو فاطمہ کے لال کی شخصیت کا تعارف حاصل کرو۔

عزم حسین کو سمجھو جذبہ شبیری سے تعلق جوڑو عشق پیدا کرو اس لئے کہ عاشقان پاک طینت کی معرفت کیلئے محض عقل کی نہیں عشق کی بھی ضرورت ہے عشق کے مسائل سے حل ہوں گے عقل ان اسرار و معارف کا

کب احاطہ کرسکتی ہے۔

عشق کی گرمی سے ہے معرکۂ کائنات
عشق سکون وثبات عشق حیات و ممات

عشق کے ہیں معجزات سلطنت فقر و دیں
عشق کے ادنی غلام صاحب تاج و نگین

عشق پر بجلی حلال عشق پہ حاصل حرام
شورش طوفاں حلال لذت ساحل حرام

عشق سراپا یقیں اور یقیں فتحیاب
عقل ہے ابن الکتاب عشق ہے اُمّ الکتاب

عقلی استدلال کی بساط لپیٹ دو یہ تہیں لے ڈوبے گی ہوسکتا ہے کہ تم نے مخلصانہ تحقیق کی ہو اور تہیں تمہاری تحقیق نے دھوکہ دیا ہو امام علیہ اسلام سے محبت کرنا تو قرآن وحدیث سے منصوص ہے غور تو کرو تم کیسا حق محبت ادا کر تے ہو بے وفاؤ کچھ تو سوچو۔

خلوص دل ہی نہیں ربط باہمی کے لئے
وفا بھی شرط ضروری ہے دوستی کے لئے

شہادت حسین کا پس منظر

کوفہ مغیرہ بن شعبہ دارالامارت مسند امارت پر بیٹھا ہوا ہے پہرے دار نے امیر شام کا قاصد آنے کی اطلاع دی تو اسے اندر بلالیا۔ قاصد نے آداب شاہی کے ساتھ چمڑے کے تھیلے سے خط نکالا اور پیش کر دیا۔ خط میں لکھا تھا۔

منجانب امیر شام۔ گورنر کوفہ مغیرہ کے نام۔ اس خط کو اپنی معزولی کا حکمنامہ سمجھو۔ اور فوراً دمشق پہنچو۔ اور نیچے دستخط تھے۔

امیر معاویہ

جناب مغیرہ بن شعبہ نے اپنے حلقہ کے لوگوں کو بلایا اور رات کو ایک خفیہ میٹنگ کی۔ قاصد کو اعزاز شاہی کے ساتھ واپس کر دیا۔ اور خود بدستور گورنری کے فرائض انجام دیتا رہا۔ کافی عرصہ گذار لینے کے بعد دمشق پہنچا اور امیر معاویہ کے دربار پہنچ گیا۔ امیر معاویہ نے سرزنش کے انداز میں پوچھا کہ اس قدر دیر کر کے کیوں آئے ہو؟ بہت ضروری کام میں مصروف تھا امیر! اس لئے دیر ہوگئی۔ مغیرہ نے جواب دیا۔

امیر معاویہ:۔ ہم اس ضروری کام کی نوعیت جاننا چاہتے ہیں۔

مغیرہ:۔ اس کے لئے تخلیہ کی ضرورت ہے امیر! میں دربار عام میں نہیں بتا سکتا پھر تخلیہ ہو گیا تو مغیرہ نے کہا میں آپ کے بعد تخت حکومت کے لئے

یزید کے حق میں لوگوں کو ہموار کر رہا تھا۔

امیر معاویہ نے تھوڑی دیر سوچا اور کہا۔

یہ بڑا مشکل کام ہے مغیرہ۔ لوگ اس بات کو آسانی سے تسلیم نہیں کریں گے

ہاں امیر!

مُشکل تو ضرور ہے لیکن کوشش سے ہر مُشکل آسان ہو جاتی ہے مغیرہ نے کہا اور امیر معاویہ نے مُغیرہ کو کوفہ کی گورنری پر بحال کر دیا اور کام تیز کرنے کی اسے بھی ہدائت کر دی اور خُود بھی یہ بیڑا اٹھالیا۔

گورنر مدینہ کو امیر معاویہ کا خط

دمشق اور اطراف جوانب کے لوگوں نے اِس کا فیصلہ اہلِ حجاز پر چھوڑ دیا۔ امیر معاویہ نے گورنر مدینہ کو لکھا! ہماری خواہش ہے کہ اپنے بعد یزید کو خلیفہ بنا دیا جائے۔ اہلِ عجم نے یہ بات قبول کر لی ہے تم مدینہ منّورہ اور اطراف و جوانب کے لوگوں کو بیعتِ یزید کر لینے پر رضامند کرو۔

گورنر کا جواب

گورنر نے حالات کا جائزہ لیا اور لکھا کہ یہ لوگ اِس بات کو ہرگز قبول نہیں کر رہے اور ان کو حج کے بہانے سے خود مکہ معظّمہ میں آنا پڑا حالات سے آگاہی حاصل کرنے پر پتہ چلا کہ عوام النّاس متفقہ طور پر درج ذیل ان

پانچ آدمیوں میں سے کسی ایک کے حق میں ووٹ دینا چاہتے ہیں اور یزید کی بیعت کرنے پر تیار نہیں۔

جناب حسین بن علی، جناب عبدالرحمٰن ابن ابُوبکر، جناب عبداللہ ابنِ عُمر، جناب عبداللہ ابنِ عباس، جناب عبداللہ ابنِ زبیر۔

امیر معاویہ نے زیادہ زور دیا تو لوگوں نے سارا بوجھ ان پانچوں پر ڈال دیا کہ اگر یہ لوگ بیعتِ یزید پر رضامندی ظاہر کر دیں تو ہم بھی تسلیم کر لیں گے۔ کیونکہ یہ بزرگ ترین صحابہ کی اولاد ہونے کے ساتھ ساتھ خود بھی کئی ایک صحابیِ رسول ہیں۔

صحابہ کا جواب

امیر معاویہ کا خیال کہ حج کے موقعہ پر مسلمانوں کا اجتماعِ کثیر ہے اور اِس وقت کو ضائع نہ کیا جائے۔ چنانچہ ایک کمرہ میں سوائے اِمام حسینؓ کے ان سب کو جمع کیا اور کہا کہ ملک فتنہ وفساد سے بچ جائے گا اِس لئے میری تجویز سے اتفاق کر لو۔

اُن مقتدر حضرات نے جو متفقہ علیہ جواب دیا وہ یہ تھا کہ ہم یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتے کہ نظامِ اسلام میں اِس بدعت کو رواج دیا جائے خلافت اِسلامیہ کا آمریت وملوکیت میں تبدیل کرنا اِسلام کی شہ رگ پر چھری پھیر دینے کے مترادف ہے۔

اگر کسی کو ولی عہد بنانا جائز ہوتا تو ابوبکر صدیقؓ اور جناب عمر فاروقؓ اپنے بیٹوں کو ولی عہد بنا دیتے۔

امیر معاویہ نے ہر قسم کا لالچ بھی دیا اور دھمکی بھی دی۔ لیکن ان مقدس ہستیوں نے بیعت یزید سے صاف انکار کر دیا۔

جھوٹا اعلان

کمرے کے باہر حرم کے سامنے دنیا بھر کے کونے کونے سے حج کیلئے آئے ہوئے لوگوں کا جم غفیر ہے اور لوگ اِس اعلان کا انتظار کر رہے ہیں جو اُوپر بتائے گئے چاروں حضرات نے یزید کی خلافت کے بارے میں کرنا تھا امیر معاویہ کو جب ان سے مایوس ہونا پڑا تو کمرے کے باہر چند سپاہیوں کو ننگی تلواریں دے کر متعین کر دیا کہ ان میں سے کوئی باہر نہ آنے پائے اور خود باہر آ کر اعلان کر دیا کہ وہ لوگ بیعتِ یزید پر متفق ہو گئے اس لئے تم سب لوگ بھی اس کی خلافت قبول کر لو۔

شام کے لوگوں نے کہا اگر وہ بیعت قبول کر کے اِس کا اعلان باہر آ کر نہیں کرتے تو ہم اُن کی گردنیں اُڑا دیں گے ان لوگوں کو امیر شام نے بڑی سختی سے خاموش کرایا۔

دُنیا بھر سے آئے ہوئے لوگ مختلف قسم کے ذہن لیکر منتشر ہو گئے وقت گزرتا رہا اور آخر میں اُمیر معاویہ کے انتقال کا وقت آ گیا۔

یزید کو وصیّت

یزید کو بلا کر وصیت کی کہ میں نے ہر ممکن طریقہ سے تیری جانشینی کے لئے فضا کو سازگار کر دیا ہے۔اب تمہیں پورے عجم سے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں البتہ اہلِ حجاز کی طرف سے خدشات ابھی باقی ہیں۔اِن خدشات و خطرات کو دور کرنے کے لئے تمہیں ان چار شخصوں پر قابو حاصل کرنا ہے۔

نمبر۱۔حسین بن علی

نمبر۲۔عبداللہ ابنِ زبیر

نمبر۳۔عبداللہ ابنِ عباس

نمبر۴۔عبداللہ ابنِ عمر

اِن کے پانچویں ساتھی عبدالرحمٰن بن ابوبکر تھے اور ان کا انتقال ہو چکا ہے۔

اِن میں بھی موخر الذکر دونوں شخص تمہارے لئے زیادہ خطرناک نہیں وہ اگرچہ لوگوں میں بہت زیادہ صاحبِ اثر ہیں لیکن وہ سیاست میں زیادہ حصّہ نہیں لیتے۔

البتہ عبداللہ بن زبیر تیرے لئے بہت خطرناک ہے چوتھے حسین بن علی ہیں یہ بہت زیادہ صاحبِ اثر ہیں اِس لئے ان کے معاملہ میں تمہیں بہت غور و فکر سے قدم اٹھانا ہوگا اور پھر امیر معاویہ کا انتقال ہو گیا۔

یزید کا حکم

یزید کو آٹو میٹک خلافت یا کسرائی یادگار جانشینی مل ہی چکی تھی تخت آمریت ملتے ہی اس نے عاملِ مدینہ ولید کو لکھا کہ ان چاروں شخصوں سے میرے لئے بیعت طلب کرو اِنکار کی صورت میں تشدد کرو۔

عبداللہ ابن عباس اور عبداللہ ابنِ عُمر اس سے پہلے ہی مکہ معظمہ جا چکے تھے عبداللہ ابنِ زبیر کو جب پتہ چلا کہ عامل کے سپاہی مجھے تلاش کر رہے ہیں تو وہ بھی رات ہی کو مکہ معظمہ روانہ ہو گئے ان میں سے اب اِمام عالی مقام ہی مدینہ منورہ میں موجود تھے جنہیں ولید نے دار الامارت میں بُلایا آپ تشریف لائے تو اُس نے یزید کا حکم نامہ پڑھ کر سنایا۔

اِمام حسین کا انکار

آپ نے فرمایا۔ یہ بات کبھی نہیں ہو سکتی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ نظام رُوحِ اسلام کے منافی ہے۔ اِسلام کسی کو حقِ خُود ارادیت چھیننے کا حق نہیں دیتا۔

یہ خالصتاً عامتہ المُسلمین کا حق ہے کہ جسے چاہیں اپنا خلیفہ مقرر کریں یزید لاکھوں مسلمانوں کا حق غصب کرنا چاہتا ہے اِس لئے ہم کسی غاصب کی اطاعت کرنے کیلئے ہرگز تیار نہیں اور دُوسری بات یہ ہے کہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ یزید فاسق و فاجر، غاصب اور تارک نماز ہے

اِن صُورتوں میں ہمارے لئے قطعی طور پر ناممکن اَلامر بات ہے کہ ہم کسی فاسق وفاجر، غاصب اور ڈکیٹیٹر کی اطاعت کریں۔

مروان کا مَشورہ

ولید نے آپ کا آخری فَیصلہ سُنا تو خاموش ہوگیا۔ آپ اُٹھ کر جانے لگے تو مروان نے ولید کو مشورہ دیا کہ اَب تو یہ تُمہارے قابُو میں ہیں تشدّد کرو اور اپنا مطلب پورا کرو۔

اِمام عالی مقام عَلَیہِ السّلام ابھی دَروازے پر ہی پہنچے تھے مروان کی گُفتگو سنی تو واپس پلٹ آئے اور پھر تلوار میان سے باہر کھینچ لی۔

گورنر ولید اہلبیت کا مُحبّ تھا اُس نے مروان کو بُرا بھلا کہا اور امام عالی مقام کو جانے کی اِجازت دے کر کہا کہ آپ بھی اس مسئلے پر ٹھنڈے دِل سے غور کریں۔ کیونکہ میں حکُومت کا حکم ماننے پر مجبور ہوں۔

اِمام کا اھلِ بَیت سے مشورہ

اِمام عالی مقام گھر واپس تشریف لائے اور اہلِ بیت کو فرمایا کہ حالات بے حد خراب ہو چکے ہیں مُعاویہ کا بیٹا یزید جبر وتشدّد پر تُل چُکا ہے وہ ہر قیمت پر اپنی غَیر اسلامی حکُومت کی جڑیں مضبوط کرنا چاہتا ہے، خواہ اسے خُون کی ندیاں بہانا پڑیں۔

میرے لئے یہ اِنتہائی مُشکل ہے کہ میرے ہوتے ہُوئے مدینہ منّورہ کی گلیوں

میں خون کی نہریں رواں ہوں۔

مُجھے نانا جان (صلّی اللہ عَلَیہِ وآلہٖ وسلّم) کے رَوضہ کی جُدائی کا بھی اِنتہائی غم ہے اور مدینہ منّورہ کی بیحرمتی کا بھی شدید خطرہ ہے اور میرے لئے یہ اَمر بھی محال ترین ہے کہ کسی غاصب وڈکٹیٹر اور فاسق وفاجر کی اطاعت کر کے نانا جان (صلّی اللہ عَلَیہِ وَآلہٖ وسلّم) کے دین کے حلق پر چُھری پھیر دوں۔

مدینہ منّورہ سے جانے کا فَیصلہ

اِن حالات میں میرے سامنے اَب صرف ایک ہی راستہ ہے کہ مدینہ منّورہ کی جُدائی برداشت کرلُوں اور اِس مقدّس شہر کو بے حرمت ہونے سے بچالُوں آپ سب لوگ تیّار ہوجائیں آج ہی رات کو یہاں سے مکّہ معظّمہ کی طرف روانگی ہوجائے گی۔

جناب زینب سَلاُم اللہ عَلَیہا بھی وہاں موجود تھیں آپ نے اپنے شوہر جناب عَبداللہ بن جعفر طیار سے بھائی کے ساتھ جانے کی اِجازت طلب کی تو اُنہوں نے بخوشی اجازت دے دی۔

اہلِ مدینہ کی معروضات

اہلِ بیتِ مُصطفیٰ کی اس تیاّری کا عِلم تمام ہمسائیوں اور قُرب و جوار کے لوگوں کو چند ہی لمحوں بعد ہوگیا۔

مہاجرین وانصار کی عورتیں جمع ہونی شروع ہوگئیں اور پھر یہ سلسلہ تادیر جاری رہا گھر کے اندر عورتوں کا جمّ غفیر جمع ہے

اہلِ مدینہ کی مُحبّت

مسجدِ نبوی شریف میں عاشقانِ محمد (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) واہل بیتِ اطہار نے امام عالی مقام کے گرد گھیرا ڈالا ہوا ہے ہر شخص اپنی ہمّت و استطاعت کے مطابق اِمام عالی مقام کی بارگاہِ اقدس میں اپنی اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے فریاد کر رہا ہے کہ اے نواسۂ رسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم، اے جگر گوشۂ بتول سلامُ اللہ علیہا خدا کے لئے آپ مدینہ منوّرہ چھوڑ کر نہ جائیں۔

اے جوانانِ جنّت کے سردار! آپ کے بغیر ہماری زندگیاں تلخ ہو جائیں گی یا اِمام! آپ یادگارِ مُصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہیں آپ کو دیکھ لیتے ہیں تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی زیارت ہوجاتی ہے۔

اے شہزادۂ رسول آپ گُلشنِ رسول کی بہار ہیں۔ ہمیں اپنے سایۂ عاطفت سے

محروم نہ کریں۔

امام حُسین کا جواب

امام عالی مقام نے ان محبّانِ خاص کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا! مہربان دوستو! ہم آپ کے بے حد مشکور ہیں آپ نہیں جانتے کہ وہ کونسی مجبوریاں ہیں جو ہمیں درپیش ہیں آپ کو کیا بتایا جائے کہ مدینہ منوّرہ کی بہاروں کے چھوٹ جانے کے خیال سے ہمارے دِل کی کیا حالت ہے۔

جنّت کو چھوڑ کر جانا آسان تو نہیں ہوتا۔

سب کُچھ مدینہ میں ھے۔

اور پھر ہمارا تو سب کُچھ مدینہ میں ہے اِسی مدینہ منوّرہ میں جِسے تاراج کرنے کیلئے دُشمنانِ دین پَر تول رہے ہیں، اَحباب کو روتے تڑپتے چھوڑ کر آپ گھر کے اندر تشریف لائے تو محلّہ کی عورتوں کو فریاد کرتے پایا۔ آپ نے نہائت مُشفقانہ اور کریمانہ اَنداز سے سب کا شُکریہ اَدا کیا اور اطمینان دلایا مگر وہ بے چاریاں مُطمئین کیا ہوتیں بس اشکبار آنکھوں سے اُلوداع کہہ کر آہیں بھرتی ہُوئیں اپنے اپنے گھروں کو واپس چلی گئیں۔ پھر آپ اہلِ بیت کرام کو جلد از جلد تیاری مکمّل کر لینے کا حُکم فرما کر گھر سے باہر تشریف لے گئے۔

حُسین علیہ السلام ماں کے مزار پر!

اہلِ بیتِ اطہار کو تیاّری کا حُکم فرما کر کربلا کا مُسافر ماں کے مزارِ اقدس پر حاضر ہوتا ہے۔

رات بھیگتی جا رہی ہے،

مدینہ منوّرہ کے لوگ چین اور آرام کی نیند سو رہے ہیں۔

جنّت البقیع شریف کے قبرستان میں دِل ہلا دینے والا پُر ہول سنّاٹا چھایا ہُوا ہے۔

ہر طرف ہُو کا عالم ہے۔

حُسین آتے ہیں اور ماں کی قبر پر دیوانہ وار گر جاتے ہیں۔ اور اِنتہائی کرب کے عالم میں مزارِ اقدس پر باہیں پھیلا دیتے ہیں۔

سسکی بندھی ہوئی ہے۔

اِمام حُسین کی ماں سے فریاد

اور ماں کے حضور میں فریاد کرتے ہیں۔

اَے غریبوں مسکینوں کے سوال پُورے فرمانے والی بنتِ رسول صلّی اللہ عَلَیہِ وآلِہ وسلّم۔

اے خُود بھوکی رہ کر دُوسروں کو کھانا کھلانے والی مقدّس ماں!

آج تیرا حُسین تیرے دَربار پہ تیرا سوالی بن کر آیا ہے!

اَے میری تقدّس مآب امّی! تیرے نازوں کے پالے حُسین پر اُمّت کے شریروں نے مدینہ کی زمین تنگ کر دی ہے۔

میری پیاری ماں! حُسین بُزدل نہیں۔ حُسین نے تیرا دُودھ پیا ہے، حُسین کی رَگوں میں حیدرِ کرّار کا خُون ہے۔

حُسین اِمام الانبیاء کی زبان کو چُوستا رہا ہے۔

میری پیاری امّی! مُجھے جان جانے کا غم نہیں، تیرا حسین مَوت سے کبھی نہیں ڈَر سکتا۔

امّی جان میں اس لئے روتا ہوں کے نانا کا مدینہ چُھوٹ رہا ہے ماں کی قبر کی زیارت سے محروم ہو رہا ہوں۔

بھائی حَسنؑ کے قدموں سے دُور جا رہا ہوں۔

میری شفیق ماں! میں فَریادی بن کر آیا ہُوں میری فریاد سُنو!

میرا آخری سلام قبول کرو۔

مُجھے الوداع کہو! مُجھے تسلّی دو!

میرے لئے دُعا فرماؤ! کہ میں اِمتحان میں کامیاب ہو جاؤں۔

میری تھکی ہوئی باہوں میں جب تیرا معصوم علی اَصغر دَم توڑ رہا ہو تو مُجھے اِستقامت نصیب ہو۔

تیرے جوان اَکبر کا لاشہ دیکھ کر میں گھبرا نہ جاؤں۔

ماں! میرے لئے صبر واِستقامت کی دُعا کرو۔

پیاری امیؓ! آپ نے کبھی کسی کا سوال رد نہیں کیا۔ آج تیرا حُسینؑ زیارت کا سوال کرتا ہے۔ آخری بار تیرے قدموں کو بوسہ دینا چاہتا ہے اُے شہزادیء مُصطفیٰ مُجھے محروم نہ رکھنا پیاری ماں! تیرے دربار سے حُسین مایوس نہ لَوٹے۔

یہ الفاظ کہتے کہتے اِمام عالی مقام کا گلا رُندھ جاتا ہے۔ شدّتِ جذبات سے مغلوب ہوکر آپ سِسکیاں بھرنے لگتے ہیں۔

ماں کا جواب

اِدھر امام عالی مقام کی یہ حالت ہے اُدھر شہزادیء کونَین خاتونِ جنّت کی قبرِ انور کو لرزہ آجاتا ہے۔ زمین کانپنے لگتی ہے، آسمانوں پر رَعشہ طاری ہو جاتا ہے، سِتارے تڑپنے لگتے ہیں، چاند کا دِل ڈُوب جاتا ہے، جنّت البقیع شریف کے تمام مزار کانپ جاتے ہیں، حُوروں کی چیخیں نِکل جاتی ہیں۔

شہزادیء مُصطفیٰ ؐ کے مزارِ اقدس سے دَرد میں ڈُوبی ہوئی آواز آتی ہے فَضا کا سینہ چِر جاتا ہے۔

ماں کا پیار کائناتِ عالم کو سوز واَلم کی تصویر بنا دیتا ہے قبرِ انور سے آواز آتی ہے میرے لال چُپ ہو جاؤ اَب کُچھ نہ کہنا میرے حُسینؑ اَب کُچھ نہ کہنا ماں کا کلیجہ پھَٹ جائے گا، نظامِ عالم تہہ و بالا ہو جائے گا۔

میرے بیٹے تیری فریاد نے ماں کے سینے پر چھریاں چلا دی ہیں۔
میرے لال! دِل تو یہی چاہتا ہے کہ قبر سے باہر آ کر تجھے شہادت کا دُولہا بناؤں!

تیری پیشانی اور گردن کو چُوموں، تجھے سینے سے لگاؤں اور خود اپنے ہاتھوں سے تجھے شہادت کا جوڑا پہناؤں۔
لیکن میری مجبوری ہے، میرے چاند! میں اِس لئے مجبور ہوں کہ میرے اِس طرح باہر آ جانے سے ابھی قیامت آ جائے گی۔ زمین دھنس جائے گی، آسمان ٹوٹ پڑے گا، میرے نازوں کے پالے حُسینؑ تیری درد انگیز گفتگو نے ماں کا دِل دہلا دیا ہے۔۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک، میرے لال تُو ابھی بچّہ ہی تھا کہ تیری جان کا سَودا ہو گیا تھا۔ میرے بیٹے تجھے دنیا کے تمام شہیدوں کا قافِلہ سالار بننا ہے۔
تمہیں ماں کے دُودھ کی لاج رکھنا ہے!
تمہیں ذُوالفقارِ حیدری کی عصمت کا تحفّظ کرنا ہے
تمہیں نانا کی امّت کی ڈُوبتی ہوئی کشتی کو سہارا دینا ہے۔
تمہیں اپنا سب کچھ قربان کر کے نانا کے دم توڑتے ہُوئے دین کو زندگی دینا ہے۔

تمہارے لہو کے ہر قطرے میں فاطمہ کا دُودھ رَچا ہُوا ہے۔ اس کی سُرخی ہمیشہ قائم رہے گی۔

میرے چاند اُٹھو! اور باطل کی ہر قوّت سے ٹکرا جاؤ۔ میرے لال!

جب تمہارا خُون تپتے ہُوئے صحرا کے سینے پر گرے گا تو مُجھے تمہارے نانا کے

حضور میں سُرخروئی حاصل ہو جائے گی۔

میں آؤں گی، میرے بیٹے میں آؤں گی! تیرا مَقتل دیکھنے آؤں گی،

تیری شہادت گاہ کا نظارہ کروں گی۔

دشتِ کربلا کی آگ اُگلتی ہُوئی ریت کو اپنے آنسوؤں سے ٹھنڈا

کروں گی۔ تیری گھوڑوں کے سُموں سے کُچلی ہُوئی سَر بریدہ لاش کے ٹُکڑے

اکٹّھے کروں گی۔

میرے لال! میں تیری لاش کے ٹکڑوں پر اپنی چادرِ تطہیر کا سایہ

کروں گی! کربلا کی ریت پر بکھرے ہُوئے کانٹوں کو سمیٹوں گی۔

اے شیرِ خُدا کے شیر! تیری بہادری کے جَوہر دیکھوں گی۔

شہربانو کا صبر دیکھوں گی! زینب کا پہرا دیکھوں گی، سکینہ کے خُشک

ہونٹوں کو چُوموں گی۔

لوگ قبروں پر پانی چھڑکتے ہیں۔ میں تیرے علی اصغر کی قبر پر

آنسوؤں کا چھڑکاؤ کروں گی!

میرے لال! تُمہارے نانا بھی ساتھ ہوں گے، تیرے ابّا بھی

ساتھ آئیں گے، تُمہارا بھائی حسن بھی ساتھ آئے گا، ہم سب تُمہارا امتحان

دیکھیں گے، لوگ مرنے والے کے کفن پر مُشک کافُور ملتے ہیں لیکن جب تم

شہادت کا جام نوش کرو گے تو تُمہارے نانا کی عُنبر فشاں زُلفیں بکھر جائیں گی۔

کربلا کا ذرّہ ذرّہ مہک اُٹھے گا۔

جاؤ میرے چاند! میں تُمہیں پورے اعتماد اور مکمل یقین کے ساتھ بھیج رہی ہوں تم یقیناً کامیاب رہو گے۔

اِس کٹھن اِمتحان میں تُمہارے سوا کوئی کامیاب نہیں ہوسکتا تُم فاطمہ کے دُودھ کی ضرور لاج رکھّو گے۔

جاؤ خُدا تُمہاری حمایت ونُصرت فرمائے! میری بیٹی زینب کا خیال رکھنا، اُس کے مشوروں کو قبول کرنا، اُس کا دل نہ توڑنا۔

اس نے بھی فاطمہ کا دودھ پیا ہے۔

وہ بھی اِسی دردناک اِمتحان میں کامیاب وکامران رہے گی۔ وہ بھی تُمہاری طرح صبر واستقلال کا پیکر بنی رہے گی۔

ماں الوداع کہتی ہے

جاؤ میرے لال! ماں تُجھے الوداع کہتی ہے۔ تُمہارا سلام قبول کرتی ہے۔

میرے بیٹے! تیرا سلام قُبول نہیں کروں گی تو اور کس کا کروں گی۔

میرے چاند! یہ جُدائی عارضی ہے۔ ہم بہت جلد ملنے والے ہیں۔

میرے حُسین! بہت جلد مُلاقات ہوگی۔

تیری گردن پر پھرنے والی ظُلم و اِستبداداور جَور و جَبر کی تلوار اس جُدائی کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم کردے گی۔

جاؤ اور جان دے کر نانا کے دین کو زِندگی بخشو۔

میرے لال! تُم ہمیشہ زِندہ رہو گے ہمیشہ زِندہ رہو گے ہمیشہ زندہ ،اَبدی حیات کے مالک۔

بھائی حَسَن سے مُلاقات کر کے نانا کے حُضور میں جاؤ اور اُلوداعی سَلام کہہ کر اِجازت حاصل کرو۔

خُدا حافظ، میرے چاند خُدا حافظ!

فضا پھر خاموش ہو جاتی ہے وہی پُر ہَول سنّاٹا چھا جاتا ہے۔

غمزدہ ساری فضا تھی فلک تھرّاتا رہا
غَم کے آنسو صُورتِ شبنم مَیں برساتا رہا

پُوچھئے خَاتُونِ جنّت کے دِلِ دِلگیر کو
اَلوادع کیسے کہا تھا آپ نے شبّیر کو

﴿صائم چشتی﴾

اَلوداعی سلام

حُسین اُٹھے! ماں کی قبرِ اَنور کو قدموں کی جانب سے بوسہ دیا اور

عالمِ بےخُودی میں اُلٹے پاؤں یہ الفاظ کہتے ہُوئے واپس لوٹے،

اَلوداع اَے اُمّی جانَ اُلوداع
اَلوداع اَے بنتِ رسُول الوداع

اَے مالکِ ردائے تطہیر اَلوداع
اَلوداع خاتُونِ قیامت اُلوداع

اُلوداع اَے مرکزِ مہر و محبّت اُلوداع
اُلوداع بنتِ نبی خاتُونِ قیامت اُلوداع

میری امّی جانَ میرے دِل کی رَاحت اُلوداع
یاد رکھنا اَب میرا وقتِ شہادت اُلوداع

بُھول نہ جانا کہیں امّی میری فریاد کو
کربلا میں پُہنچنا بہرِ خُدا امداد کو

﴿صائم چشتی﴾

اسی عالم میں الوداع کہتے ہوئے اُمّہاتُ المومنین کے مزارات پر آئے ان تمام مقدّس مزارات کو بوسے دیئے۔

جنّت البقیع کے دیگر مکینوں کو سلام کہا اور اور پھر ابراھیم ابنِ رسول اللہ صلّی اللہ عَلَیہِ وآلہ وسّلم کی ننّھی سی قبر پر حاضر ہوئے۔اور قبرِ انور کو چُوم کر فرمایا۔

مُحترم ننّھے ماموں جان! آج حُسین (عَلیہ السّلام) آپ کا بدلہ اُتارنے کے لئے جا رہا ہے۔ایک وقت تھا کہ میں اور آپ اِمام الانبیاء صلّی اللہ عَلَیہِ وآلِہ وسّلم کی گود میں کھیل رہے تھے۔نانا جان صلّی اللہ عَلَیہِ وآلِہ وسّلم کو دوہری خُوشیاں حاصل تھیں۔

خُدا تعالیٰ نے ہم دونوں میں سے ایک کو مانگ لیا نانا جان "صلّی اللہ عَلَیہ وآلہ وسّلم" نے مُجھے رکھ لیا اور آپ کو مَوت کے حوالے کر دیا۔

میں آپ کا فِدیہ نہ ہو سکا لیکن آپ میرا فدیہ ہو گئے، ماموں جان مُجھے معاف کر دینا میں آج آپ کا قرض اُتارنے کے لئے جا رہا ہوں میرے لیئے دُعا کرنا۔آپ ابنِ رسول ہیں شہزادہ مُصطفےٰ صلّی اللہ عَلَیہِ وآلِہ وسّلم ہیں۔

میرے ننّھے ماموں جان! حُسین عَلیہ السّلام کا سلام، اَلوادع!

اور پھر آپ نانا کے حضُور میں آ گئے۔

حُسین نانا کے مزار پر

اِمام الانبیاء کا دَربارِ اقدس ہے۔رَات تیسرے پہر میں داخل ہو رہی ہے ملائکہ کرام آسمان صَف بہ صَف سلامی وزیارت کے لئے نازل ہو رہے

ہیں۔

ایک نُور ہے جو، زمین و آسمان کے دَرمیان خلاؤں اور فضاؤں کو مُنّور کیے ہوئے ہے۔

یہ فَیصلہ کرنا انتہائی مُشکل ہے کہ یہ نُور آسمان کی جانب پرواز کر رہا ہے یا آسمان سے زمین کی طرف نزُول کر رہا ہے۔

اہلِ عرفان ہی اِس حقیقت سے پَردہ اُٹھا سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ مرکز نُور کی بات ہے۔

انہی انوار وتجلیّات کی برسات میں حُسینؑ حاضر ہوکر مقدّس نانا کے حضُور میں صلوٰۃ وسلام کا ہدیہ پیش کرتے ہیں اور پھر عرض کرتے ہیں۔

نانا تِرے کرم کے خزینے کی خیر ہو
دے بھیک مُجھ کو تیرے مدینے کی خیر ہو

﴿صائم چشتی﴾

میں جا رہا ہُوں چھوڑ کر آنکھوں کے چَین کو
اُٹھ کر گلے لگایئے اَپنے حُسینؑ کو

﴿صائم چشتی﴾

امام حسین کی نانا سے فریاد

کون اندازہ کرسکتا ہے غم وآلام کے اُس طُوفان کا جو اِمام عالی مقام

حُسین عَلیہ السّلام کے سینے میں مُوجزن تھا۔ آپ تصویرِ درد بنے ہُوئے فریاد پر فریاد کرتے ہیں۔

اَے میرے غمگسار و مہربان نانا! تیرا حُسین حاضر ہے، اور شرفِ باریابی چاہتا ہے۔

نانا جان! آپ بولتے کیوں نہیں؟ میں آپ کا وہی حُسین ہُوں جس کی آمد پر آپ خُطبہ چھوڑ کر منبر سے اتر آتے تھے۔

ہاں میرے محترم نانا! وہی حُسین جو حالتِ نماز میں آپ کی پُشت پر سوار ہو جاتا تھا تو آپ اس وقت تک سجدہ سے سَر نہ اُٹھاتے تھے جب تک میں خُود نہ اتر آتا۔

نانا جان! آپ کا نازوں کا پالا ہُوا حُسین آج تیرے قدموں سے دُور جا رہا ہے اس کو سہارا دیجئے۔

حضور میں آپ کا جمالِ جہاں آرا دیکھنے کے لئے حاضر ہُوا ہُوں، میں واللّیل زُلفوں کے جُھرمٹ میں وَالضُّحیٰ چہرے کی زیارت کو آیا ہُوں، مُجھے شرفِ زیارت بخشئے۔

نانا جان! میری حالتِ زار پر رحم فرمایئے۔ مُجھے میرے فرائض سے آگاہی بخشئے۔ میری راہنمائی کیجیے۔ میری مُشکل کُشائی فرمایئے۔

مُجھ کو نانا دیکھئے میں آپ کی تصویر ہُوں
جس کو کاندھوں پر بِٹھاتے تھے وہی شبّیر ہُوں

نانا جان! جب میں آپ کے کندھوں پر سوار تھا تو میں نے ایک آواز سُنی کہ حُسین کو کتنی اچھّی سواری میسّر ہے تو آپ نے فرمایا تھا سوار بھی تو بہت اچھّا ہے۔

مقدّس نانا! میں آپ کی عنبرین زُلفوں کو تھام لیتا تھا کہ کہیں گر نہ جاؤں آپ نے مُجھے شہسوار بنایا ہے۔ نانا میں حقِّ شہسواری ادا کروں گا۔

پیارے نانا جان! میں اُس وقت تک اپنے سینے پر نیزوں بھالوں، تیروں اور تلواروں کے زخم کھاتا رہوں گا جب تک میری سواری کی کونچیں نہ کاٹ دی جائیں۔

نانا جان! آپ کا سوار اُس وقت زمین پر گرے گا جب سواری گر جائے گی۔ مگر میرے حضُور (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) آپ مُجھے شہادت کی جن بلندیوں پر دیکھنا چاہتے ہیں وہ آپ کی دستگیری کے بغیر مُحال ہے۔ اس مقام پر آپ ہی مُجھے گِرنے سے بچا سکتے ہیں۔ خُدارا اپنے حُسین کو اس وقت تھام لینا۔

میرے نانا (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اِس وقت مُجھے سہارا ضرور دینا۔

نانا جان! میں آپ کی حُرمت کیلئے جا رہا ہوں میرا خیال رکھنا۔

پیارے نانا جان! آپ جواب کیوں نہیں دیتے آپ تو حُسین کے

لئے بے قرار ہو جاتے تھے۔ میرے بچپن میں جب آپ کو میری شہادت کی خبر دی گئی تو آپ زار و قطار روتے رہے تھے۔

اَے میرے آقا و مولیٰ! اَے فریاد کرنے والوں کے فریاد رس۔

اَے غریبوں اور بے کسوں کے ملجاء ماویٰ

اَے ناداروں اور مسکینوں کو پناہ دینے والے مقدّس رسول!

اَے اِمام الانبیاء!

اَے رحمت اللعالمین! اپنے حُسین کو ایک بار آغوش میں لے لو میں آپ کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔ آپ مُجھے اور بھائی حَسن کو آسمانوں کے گوشوارے فرماتے تھے۔

میرے پیارے نانا! مُجھے زیارت کی بھیک عطا کرو۔ مُجھے سینے سے لگا کر ایک بار پیار تو کرلو۔ مُجھے سہارا دو۔ مُجھے اِستقامت عطا فرماؤ۔ مُجھے کربلا کا نظّارہ کرادو۔ مُجھے میری قتل گاہ دکھادو۔

میرے مولا! تیرا حُسین کب تک فریاد کرتا رہے گا؟

اسی طرح آہ و زاری کرتے ہوئے حُسین نانا کے مزار سے چمٹ جاتے ہیں ، بادِ رحمت چلتی ہے۔ نیم خوابی کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔

سرکار آتے ہیں

حُسین دیکھتے ہیں کہ انبیاء و ملائکہ کے جُھرمٹ میں شَبِ اسریٰ کے

دُولہا، اِمام الانبیاء۔ صلّی اللہ عَلَیہِ وَآلِہٖ وسلّم دَرد واَلم اور حُزن و ملال کی تصویر بنے ہُوئے سامنے تشریف فرما ہیں۔

نَانا کے حسرت و یاس میں ڈُوبے ہوئے رُخِ والضحیٰ کی زیارت کر کے حُسین تھرّا جاتے ہیں۔

نانا بڑھتے ہیں۔ نَواسے کا سر اپنی گود میں لیتے ہیں۔ اور اپنی اُنگلیوں سے حُسینؑ کی زُلفوں میں کنگھی کرتے ہیں۔

حسینؑ کی عرض

حُسینؑ نانا کی آغوش میں سمٹ جاتے ہیں اور سسکیاں بھرتے ہُوئے فریاد کرتے ہیں۔

نانا جان! دُنیا بدل چُکی ہے۔ حُسینؑ کا اَب اِس بے وفا دُنیا میں رہنا مُشکل ہو گیا ہے۔

میرے پیارے نانا جان! مُجھے اب اَپنے پاس رکّھ لو۔ اپنے مقدّس مزار میں تھوڑی سی جگہ دے دو۔

نانا! مُجھے اپنی آغوشِ رحمت میں مِیٹھی نیند کے مَزے لینے دو مُجھے اَب زندگی کی خواہش نہیں ہے۔

نانا! میں آپ کے حُجرہ میں رہنا چاہتا ہوں۔

نانا! میں ماں کے حُجرے میں رہنا چاہتا ہوں۔ مُجھے ماں کے حجرہ

میں رہنے کی اجازت دی جائے۔

امتحان گاہ دکھا دی

اِمام الانبیاء بیقرار ہو جاتے ہیں اور فرماتے ہیں حُسینؑ ایسی گفتگو نہ کرو، نانا کا دِل نہ توڑو، میرے لال! تمہیں تو میرے دِین کو زندگی دینا ہے تُمہیں تو بڑا امتحان دینا ہے۔

شیرِ خُدا کے شیر! اپنے امتحان کی تیّاری کرو۔

اَے نوجوانانِ جنّت کے سردار اور میرے گُلشن کی بہار حُسینؑ علیہ السلامؑ اِدھر دیکھو! وہ تُمہاری قتل گاہ ہے۔

یہ تُمہاری شہادت کی جگہ بھی ہے اور تُمہاری امتحان گاہ بھی! یہاں تیرا امتحان ہو گا عظیم امتحان۔

کربلا معلّٰی

تو اسی مقام پر ہی فرائضِ ذبحِ عظیم کی تکمیل کرے گا۔ میرے حُسین علیہ السلامؑ اِس بے آب و گیاہ اور تپتے ہُوئے صحرا اور کرب و بلا کی زمین کو تیرے خُون سے آبیاری کے بعد کربلاءِ معلّٰی کا نام دیا جائے گا۔

فرات

حُسینؑ علیہ السلامؑ! یہ فرات ہے۔ لیکن تُجھے اِس کا پانی نہیں ملے گا تیرے ننّھے علی اصغر کا حلق سُوکھ کر کانٹا ہو جائے گا۔ میری تمام اہلِ بیتِ اَطہار

شدّتِ پیاس سے تڑپ رہی ہو گی لیکن اے میرے حُسینؑ علیہ السلامؑ! تُجھے اِس نہر سے پانی نہیں ملے گا۔ تیرے دُشمنوں کے جانور تک پانی پیتے ہونگے مگر میرے لال تُجھے اِس استعمال سے محروم کر دیا جائے گا اِس لئے تیرا اِمتحان ہے تُجھے پیاسے ہی اِمتحان دینا ہے۔

میرے لال حُسینؑ علیہ السلامؑ! تیرا اِن صدمات کو قبول کرنا اختیاری ہوگا۔ تو اگر چاہے تو اِس تپتے ہوئے صحرا اور چٹیل میدان کو سمندر اور ریگزاروں کو پانی میں تبدیل کر سکتا ہے۔

لیکن میرے حُسینؑ علیہ السلامؑ! تُجھے پیاسے رہ کر ہی اِمتحان دینا ہے

صبر کرنا ہے

تُجھے سیّد زادیوں کے خُشک ہونٹوں اور سُوکھے ہوئے حلقوم دیکھ کر صبر کرنا ہے یہی تو تیرا اِمتحان ہے

کہ دُنیا بھر کی تمام مصیبتیں جمع کر کے تُم پر ڈال دی جائیں اور پھر بھی تُو صبر و اِستقامت کی تصویر بَن کر شکر خُداوندی کرتا رہے اور یُوں پیکرِ تسلیم و رَضا بن کر اللہ ربّ العزّت کی خُوشنودی حاصل کر لے۔

اُمّت کی بخشش

حُسینؑ علیہ السلامؑ! تیرا نانا قیامت کے دِن خُدا تعالٰی کے حضُور میں تیری قُربانیاں پیش کر کے اُمّت کی بخشش طلب کرے گا۔

تیری شہادت میری شہادت

میرے حُسینؑ علیہ السلامؑ! تیری شہادت میری نبوّت کا کمال ہے

اِسے تمام شہادتوں سے عظیم اور اَرفع ہونا چاہیئے۔

حُسینؑ علیہ السلامؑ! تُو مُجھ سے ہے اور مَیں تجھ سے ہُوں۔ تیری شہادت میری شہادت ہے۔ تیری مصیبت میری مصیبت ہے، تیرا امتحان میرا امتحان ہے کربلا کی تپتی ہُوئی زمین پر تیری گردن سے میرا خُون بہے گا۔

حسینؑ علیہ السّلامؑ! تیرا خُون میرا خُون ہے۔ تیرا گوشت میرا گوشت ہے، ترا نُور میرا نُور ہے۔ حُسینؑ علیہ السّلامؑ تُو مُجھ سے ہے اور میں تُجھ سے ہُوں،

حُسینؑ علیہ السلامؑ! تیرا نانا تُجھ سے دُور نہیں ہوگا وہ ہو مقام پر تیرے ساتھ ہوگا تیری رہنمائی کرے گا تیرے اِمتحان کا مشاہدہ کرے گا اور تیری شہادت کو اُس اَرفع مقام تک پہنچادے گا جو کسی دُوسرے کو نصیب نہیں

میرے لال "حسینؑ" علیہ السلام! تیرے نانا کا ہر مَنصب تمام کائنات سے بلند و بالا ہے اور یہ مَنصبِ شہادت جو ہمیں تیری طرف سے ہو کر مِلے گا یہ بھی تمام کائنات سے عظیم ہوگا۔

میرے پیارے حُسینؑ علیہ السلامؑ! ایک بار میدان کربلا کا پھر اچھّی طرح نظارہ کرلو۔

میدانِ کربلا کا نظارا

اتھے تیرے اکبر اُتے وَرھن رگیاں شمشیراں
اتھے تیرے قاسم تائیں کرناں ای قتل شریراں

اتھے جسم ترے وِچ آ کے کھبھناں ای زہری تیراں
اتھے صائم وقت جمعے دے ہونیاں گَل اخیراں

اتھے اتھے خیمے لاویں اَے پردیسی میرے
گود تری وِچ تیر ہے کھانا اتھے اصغر تیرے

ایس طرف تھیں خیمیاں تائیں ظالماں آن جلاناں
اتھے اصغر دے جھولے دیاں ڈوریاں نے جل جاناں

(صائم چشتی)

"حُسین" علیہ السلام! خُوب اچھی طرح دیکھ لو! یہاں تیرے علی اکبر کو ذبح کیا جائے گا اِس مقام پر حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نشانی قاسم کی جوانی ٹوٹے گی۔

اور یہ وہ دَردناک مقام ہے جہاں تیرے معصوم علی اصغر کے نازک

گلے میں زہر میں بُجھا ہوا تیر پیوست کر دیا جائے گا اور وہ تیری گود میں حسرت زدہ نگاہوں سے تیری طرف دیکھ کر دم توڑ دے گا۔

یہ وہ جگہ ہے جہاں میری بیٹی کی بیٹی زینب شہیدانِ وفا کی لاشوں کے ٹکڑے جمع کرے گی اور یہ وہ جگہ ہے جہاں شہر بانو سارا گھر اُجڑ جانے کے بعد تیری شہادت کا نظارا کرے گی اپنا لُٹتا ہوا۔ سہاگ دیکھے گی اپنی اُمنگوں اور آرزوں کا جنازہ نکلتے دیکھے گی۔

امام عالی مقام ایک ایک کر کے کربلا کے تمام مناظر کا مشاہدہ فرماتے جا رہے ہیں۔ اور آغوشِ رسولؐ میں خوابِ راحت کا مزہ رہے ہیں۔

خُدا حافظ کہتے ہیں

لیکن یہ سکون راحت بھی عارضی ثابت ہوئے۔ امام الانبیاء صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے رخِ انور کو بوسہ دے کر فرمایا۔

میرے مظلوم حسین علیہ السلام اب جاؤ۔ اہلِ بیت تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ میرے پردیسی اور غریب الوطن ہونے والے حسین علیہ السلام! اُٹھو اور اپنی منزل کی جانب روانہ ہو جاؤ اور جان کی بازی لگا کر سر اُٹھاتی ہوئی ابلیس کی طاقتوں کو فنا کردو۔

میرے لالِ اُٹھو! اور باطل کی سر اُبھارتی ہوئی قوتوں کو کچل کر رکھ دو کذب وافترا کی بنیادوں پر قائم کی ہوئی سلطنت سے ٹکرا جاؤ خود فنا

ہوکر بقا حاصل کرو لیکن باطل کے خُونی عفریت کو اس کے پنجے گاڑنے سے پہلے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فنا کر دو۔

میرے حُسین علیہ السلام! میری اُمت کی کشتی امارت کے چڑھے ہوئے طُوفان کے تھپیڑے کھا رہی ہے۔ اُٹھو اور اپنی جان دیکر اُسے کِنارے پر لگا دو میرے مقدّس دِین کو ظُلم و جبر کی طاقتیں ختم کر دینا چاہتی ہیں۔ اُٹھو اور میرے دین کو ہمیشگی کی زِندگی دیدو۔

میرے حُسین علیہ السلام! تُم بہت بڑے اِمتحان کے لئے جا رہے ہو اللہ تعالیٰ تُمہیں کامیاب کرے۔ جاؤ میرے شہزادے اللہ تعالیٰ تُمہارا حامی و ناصر ہو۔

نانا کے دِل کے ٹُکڑے تُم جہاں کہیں بھی ہو گے ہم تُمہارے ساتھ ہونگے۔ خُدا حافظ، میرے حُسین علیہ السلام! خدا حافظ،

حُسین علیہ السلام! اِس نیم بیداری میں آنکھیں کھول دیتے ہیں خواب میں دیکھا ہُوا کربلا کا تمام منظر آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔

آپ اُٹھتے ہیں، نانا کی قبر کو والہانہ طور پر بار بار چُومتے ہیں اور سلام کرتے عرض کر کے حُجرہ رسول صلّی اللہ عَلَیہِ وآلہٖ وسلّم سے حُجرہ بتُول رضی اللہ عنہا میں آ جاتے ہیں۔

اہل بیت کی تیاری

قیامت صغریٰ

گھر میں آتے ہیں تو دس سال کی معصوم بچی شہزادی حسین علیہ السلام سیدہ فاطمہ صغریٰ کی فریاد و فغاں اور آہ وزاری نے قیامتِ صغریٰ کا نقشہ کھینچ رکھا ہے۔

بیمار بچی بخار کی شدت سے بے تاب ہے۔ جسم جل رہا ہے اُٹھتی ہے تو گر پڑتی ہے گری ہوئی کو جو اٹھانے لگتا ہے تو اُسی کے سامنے فریاد شروع کر دیتی ہے۔ پھوپھی زینب رضی اللہ عنہا آگے بڑھ کر سہارا دیتی ہیں اور تسلی کے الفاظ کہتی ہیں۔

بیمار بچی کا سوال

معصوم بچی کی آہ نکل جاتی ہے بیقرار ہو کر پھوپھی کا دامن پکڑ لیتی ہے ہاتھ کانپ رہے ہیں زبان میں لرزہ ہے [illegible] شہ طاری ہے بات کرتے ہوئے زبان میں بل پڑتے ہیں اس حالت میں عرض کرتی ہیں۔

میری پیاری پھوپھی کیا بات ہے۔ آج آپ سب کیوں بدلے ہوئے ہیں! آپ سب میری طرف کھوئی کھوئی نظروں سے یوں [illegible] تکتے

ہیں۔

پیاری پھوپھی جان! یہ کیسی تیاریاں ہیں آپ سب کدھر جا رہے ہیں مجھے آپ کیوں تیان نہیں کرتے۔

پھوپھی جان! میرے حال زار پر رحم کیجئے مجھ سے یہ سب کچھ نہیں دیکھا جاتا پھوپھی جان صغریٰ اس صدمہ سے مرجائے گی۔

بھیا علی اکبر بھی تیار معلوم ہوتے ہیں علی اصغر کا جھولا بھی صحن میں منگو رکھا ہے امّی جان بھی برقعہ اوڑھنے کی تیاری کررہیہیں۔

لیکن! مجھ قسمت کی ماری کو کوئی پوچھنے والا نہیں آج سے پہلے تو آپ نے کبھی ایسا نہیں کیا پھوپھی جان بتا تو دیجئے کہ بات کیا ہے۔

امام عالی مقام بچی کی یہ حالت دیکھ رہے ہیں۔ دل میں سفر کا خیال آتا ہے بیمار کو اس حالت میں چھوڑ جانے کا تصور کرتے ہیں تو رواں کانپ اٹھتا ہے۔

دل میں خیال آتا ہے حسین علیہ السلام تیرا امتحان ابھی سے شروع ہو چکا ہے۔ یہ تیرے امتحان کی پہلی کڑی ہے۔ آپ دل کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر بارگاہ ایزدی میں عرض کرتے ہیں یا اللہ میرے حال پر رحم فرما مجھے میرے امتحان میں کامیابی نصیب فرما۔

پھر حضرت شہر بانو کو اشارہ کرتے ہیں کہ علی اکبر کو بلاؤ۔ علی اصغر کو لاؤ۔ تاکہ بیمار بہن سے آخری بار گلے مل لیں۔

بانو کو اِشارہ کیا حضرت نے کہ جاؤ
اکبر کو بُلاؤ علی اصغرؑ کو بھی لاؤ

آئے علی اکبر تو کہا شاہ نے آؤ
رُوٹھی ہے بہن تُم سے ! گلے اِس کو لگاؤ

چلتے ہُوئے جی بھر کے ذرا پیار تو کر لو
لینے اِنہیں کب آؤ گے، اِقرار تو کر لو

﴿انیسؔ﴾

علی اکبر سے التجاء

شہزادۂ حُسین علیہ السلام علی اکبر آگے بڑھتے ہیں۔ بہن کی یہ نازک حالت دیکھ کر پہلے ہی بیقرار تھے اور بیقرار ہو گئے۔ آنسوؤں کو روکنے کی بڑی کوشش کرتے رہے لیکن یہ طُوفان کب رُکتا ہے۔

صائمؔ کمالِ ضبط کی کوشش تو کی مگر
پلکوں کا حلقہ توڑ کے آنسو نکل گئے

﴿صائمؔ چشتی﴾

بات کرنے لگتے ہیں مگر بات نہیں ہوتی ہمشیر کے چہرہ کی طرف

دیکھنا چاہتے ہیں مگر آنسوؤں کی دیوار حائل ہو جاتی ہے بڑی مُشکل سے اتنی بات کر سکے۔

میری بہن کیا تو مُجھ سے ناراض ہو گئی ہے۔ اچھّی بہن خفا نہ ہو۔ میرا تو کوئی قصور نہیں۔ اور پھر اِضطراب میں کفِ افسوس ملنے لگے۔

بیمار بچی نے بھائی کے سِینے پر سَر رکھ کر کُچھ اس طرح فریاد کی کہ عرش بریں کو بھی لرزہ آ گیا۔

فریاد کیا تھی کہ برق غم تھی۔ جِس نے اہلِ بیت کے دلوں کو تڑپا دیا۔ آپ عالم بے خُودی میں بھائی سے باتیں کرتی رہیں اس کی شادی کی باتیں، بھائی کو لانے کی باتیں، گھوڑے پر چڑھنے کی باتیں، دولہا بنانے کی باتیں، باگ پکڑائی کی باتیں۔

چلّانے لگی چھاتی پہ مُنہ رکھ کے وہ دلگیر
محبوب بَرا دَر تیرے قربان یہ ہمشیر

صدقے ترے سر پر سے اُتارے مُجھے کوئی
بَل کھاتی ہوئی زُلفوں پہ وَارے مُجھے کوئی

رُخساروں پہ سبزے کے نِکلنے کے میں صدقے
تلوار لئے شان سے چلنے کے میں صدقے

افسوس ہے اِن ہاتھوں کے ملنے کے میں صدقے
کیوں روتے ہو اشک آنکھوں سے ڈھلنے کے میں صدقے

جلد آ کے بہن کی خبر لیجیئو بھائی
بے میرے کہیں بیاہ نہ کر لیجیئو بھائی

﴿انیس﴾

میرے اچھّے بھائی جان! اگر میرا حال پُوچھا ہے تو امّی سے میری سفارش بھی کر دو آپ جہاں بھی جانا چاہتے ہیں مُجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ آپ لوگوں کی جُدائی مُجھے زندہ نہیں چھوڑے گی۔ اَب اگر آ ؤ گے تو میری قبر سے ملاقات کرو گے۔

بھیّا مُجھے اپنے ساتھ لیتے چلو میری امّی سے سفارش کر دو۔ نہیں تو میں مر جاؤں گی بھیا۔

بی بی شہر بانو نے بیمار بچی کے یہ الفاظ سُنے تو کلیجہ منہ کو آ گیا رو کر فرمانے لگیں۔

جانِ مادر! مجبور ماں کے دِل پر چھُریاں نہ چلاؤ۔ پیاری بیٹی مجھے اب اور نہ تڑپاؤ۔ تُمہاری گُفتگو سے میری جان نکل جائے گی۔

پیاری صغریٰ میری سفارش کی بات کرتی ہو ماں کب چاہتی ہے کہ اپنے جگر کے ٹکڑے کو اس حالت میں چھوڑ کر چلی جائے۔

بیٹی ! تمہیں سخت بخار ہے۔ تم سفر کے قابل نہیں ہو۔ تمہاری تکلیف اور بڑھ جائے گی۔

میری دعا ہے کہ تو جلد صحت یاب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ تیری نگہبانی فرمائے صغریٰ صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے تو تندرست ہو جائے گی تو علی اکبر تمہیں آ کر لے جائیں گے اب نہ رونا میری بیٹی اب نہ رونہ۔ ننھا علی اصغر تمہاری دردناک آواز سن کر رونے لگی ہے۔

علی اصغر کی بیقراری

میں صدقے گئی بس! نہ کرو گریہ وزاری
اصغر میرا روتا ہے صدا سُن کے تمہاری

وہ کانپتے ہاتھوں کو اُٹھا کر یہ پکاری
آ آ میرے ننھے سے مسافر ترے واری

چھٹتی ہے یہ بیمار بہن جان گئے تم
اصغر میری آواز کو پہچان گئے تم

﴿انیس﴾

ننھے سے علی اصغر نے جب بہن کی پھیلی ہوئی باہوں کو دیکھا تو پاس

جانے کے لئے مچلنے لگا۔

ماں نے جب ننھے سے بھائی کو بہن کی گود میں دینا چاہا تو صُغریٰ نے

ہاتھ پیچھے کر لئے۔

اس غم کو کن الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے اُس الم کا کیسے اظہار کیا جا

سکتا ہے۔

اُس غم کے بیان کرنے کو الفاظ نہیں ملتے۔

ایک طرف تو ہمشیر تڑپ رہی ہے کہ ننھے کو گود میں لے کر پیار کروں

سینے سے لگاؤں اس کا منہ چوموں اسے لوریاں دوں۔

اور دوسری طرف اس جذبہ کے ساتھ ہاتھ کھینچ لئے کہ مجھے تیز بخار

چڑھا ہوا ہے۔

آپ کہتی ہیں امّی! علی اصغر کو اپنے پاس ہی رکھو۔ میرے بُخار

کی گرمی سے مرا ننھا سا پھول مرجھا جائے گا۔

بس میرے قریب بیٹھ جاؤ کہ میں اسے دیکھتی رہوں۔

بی بی شہر بانو قریب بیٹھ جاتی ہیں اور معصوم بہن یوں معصوم بھائی

سے مخاطب ہوتی ہے۔

تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہیں سکتی
تپ ہے تمہیں چھاتی سے میں لپٹا نہیں سکتی

بیکس ہوں مِرا کوئی مدد گار نہیں ہے
تُم ہو سو تُمہیں طاقتِ گُفتار نہیں ہے

مَعصُوم نے جِس دَم یہ سُنی دَرد کی گُفتار
صُغراء کی طرف ہاتھوں کو لٹکا دِیا یکبار

لے لیکے بَلائیں یہ لگی کہنے وہ بیمار
جُھک جُھک کے دِکھاتے ہو مُجھے آخری دیدار

دُنیا سے کوئی دِن میں گُزر جائے گی صغرا
تُم بھی یہ سمجھتے ہو کہ مَر جائے گی صُغرا

میری ماں جائے اصغر! میرا جی تو یہ چاہتا ہے کہ تُمہیں سینے سے لگا کر تُمہاری بلائیں لوں لیکن بہن مجبور ہے۔

تُو بہن کے جلتے ہُوئے جِسم اور تپتے ہُوئے سینے کی گرمی برداشت نہیں کر سکے گا۔

میرے ننّھے چاند! تُم میری طرف دیکھتے رہو اور میں تُمہاری طرف دیکھتی رہوں

اِس قِسم کی دَرد انگیز گُفتگو کرتے کرتے بُخار اور تیز ہو جاتا ہے۔ بیمار کو

پھر غش آ گیا،

اِمام عالی مقام عَلَیہِ السّلام بچّی کی یہ حالت دیکھ کر تڑپ گئے، بیٹی کے سرہانے بیٹھ کر نبض پر ہاتھ رکّھا۔ بُخار اس قدر تیز تھا جیسے بھٹی جل رہی ہو۔ ماتھے کو چُھوا تو ہاتھ جلنے لگا۔

پیکرِ صبر و رضا، حُسین عَلَیہِ السّلام کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو جاتی ہیں بیبیوں سے نظر بچا کر دستارِ مُبارک کے پلڑے میں گرم گرم آنسوؤں کو جذب کر لیا۔

پھر بھی جگر کو چیرتی ہوئی ٹھنڈی آہ نکل ہی گئی! سُورۃ فاتحہ پڑھ کر بچّی کو دم کیا۔

شہزادۂ مُصطفیٰ کی قُوّتِ مَسیحائی نے پُورا پُورا اثر کیا بچّی نے آنکھیں کھول دیں۔

بیمار نے پائی جو گُلِ زَہرا کی خُوشبو
آنکھوں کو جو کھولا، تو ٹپکنے لگے آنسو

بابا سے فریاد

امام کے حضور مجسمِ فریاد بن کر بی بی صُغرا نے عرض کیا بابا! آپ آ گئے بابا!

میرے مَسیحا! آپ اَب تک کہاں تھے؟

یہاں کیا ہو رہا ہے بابا!

میرے پیارے اَبّو جان! یہ کہاں کی تیاّری ہو رہی ہے؟

آپ اپنی صُغرا کو کِس کے سہارے چھوڑ کر جا رہے ہیں؟

مُجھے سب کچھ بتا دو میرے ابّا! میں بہت پریشان ہُوں۔

اِمام عالی مقام نے فرمایا، بیٹی صبر کرو!

ہم دیر سے آئے ہُوئے تُمہاری یہ حالت دیکھ رہے ہیں۔

بیٹی! تُمہاری یہ حالت مُجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔

بیٹی! میں اس لئے سامنے نہیں آتا تھا کہ تُمہارے سوالوں کا کیا جواب دوں گا۔

اَب سن میری بیٹی! میں تمہیں سب کچھ بتا دیتا ہُوں

تُم رہتی ہو اِس واسطے سب روتے ہیں صُغرا
ہم آج سے آوارہ وطن ہوتے ہیں صُغرا

﴿انیس﴾

بیٹی میرا اِمتحان شروع ہو چُکا ہے۔ مُجھے بہت لمبے اور دل ہلا دینے والے سفر پر جانا ہے۔ میں تُمہیں ضرور ساتھ لے جاتا مگر میری بچّی! تم بیمار ہو تمہیں شدید بخار ہے۔ زبردست نقاہت ہے۔

تُمہیں لمحہ بالَمحہ غش آ رہا ہے۔ تُم سواری پر بھی نہیں بیٹھ سکوگی۔ تُمہیں بڑے آرام کی ضرورت ہے۔

راستہ پُرہَول بھی ہے اور طویل بھی ہے۔

میری پیاری بیٹی! تُجھے اِس حال میں چھوڑتے ہُوئے جو میرا حال ہو رہا ہے وہ تجھ پر کیسے ظاہر کروں۔

تجھے یہاں چھوڑ کر جانا بھی میرے لئے بہت بڑی مصیبت ہے۔

ناچار یہ فُرقت کا اَلم سہتا ہُوں صُغرا
ہے مَصلحت حق بھی یہی جو کہتا ہُوں صُغرا

(انیسؔ)

صحت دے تمہیں اللہ یہی بابا کی دُعا ہے
اَولاد کو راحت ہو تو جینے کا مزہ ہے

اَب بادِیہ پیمائی ہے اِیذا ہے بلا ہے
کیا جانئے شبیّر کی تقدیر میں کیا ہے

دِل جلتا ہے جب تپ میں تُجھے پاتا ہوں صُغرا
اِس رَنج میں اَور! گھُلا جاتا ہُوں صُغرا

(انیسؔ)

تُم جانے کے قابل نہیں میں رہ نہیں سکتا
شب سے ہے وہ تشویش کہ کُچھ کہہ نہیں سکتا

بچّوں میں کوئی تُم سے زیادہ نہیں پیارا
مجبور ہُوں بے ہجر نہیں اَب کوئی چارا

فُرقت میں سدا نالہ و فریاد کروں گا
اُتروں گا جو منزل پہ تمہیں یاد کروں گا

﴿انیس﴾

بیمار کی آخری کوشش

بابا کی دَرد بھری اور واضح گفتگو سُن کر معصوم بیمار کے دِل کی دھڑکن اور بھی تیز ہوگئی۔ پھر غش کی حالت ہونے لگی شدت کرب سے آنکھیں بند ہوتی جارہی تھیں لیکن نہ جانے صُغرا نے کس قوّت کے سہارے بیہوشی کے جال کو توڑ دیا۔ بیمار کی یہ آخری کوشش تھی

جس نے لرزتے ہُوئے جسم کو سنبھالا دے دیا۔ پانی کا پیالہ قریب تھا۔ بخار سے کانپتے ہُوئے ہاتھوں کو سنبھال کر پیالے کو اُٹھایا۔ چند گھونٹ پانی پی کر بچے ہوئے پانی کے آنکھوں پر چھینٹے مارے۔ لبوں پر زبردستی کی مسکراہٹ پیدا کر کے امام سے مخاطب ہوتی ہے۔

بابا میری نبض دیکھو اَب میں تندرست ہُوں۔ اَب تو سارا بخار اُتر گیا ہے میرے بابا۔ میں اَب بالکل ٹھیک ہوں۔

معمولی سی نقاہت ہے۔ سو وہ بھی آپ کی زیارت دور ہو جائے گی

اگر آپ چاہیں تو میں چل پھر کر بھی دکھا سکتی ہوں پیارے ابو جان

اب مجھے ضرور ساتھ لے چلیں

میں آپ کے بہت کام کیا کروں گی۔ بابا میں علی اصغر کا جھولا جھلایا کروں گی۔ وہ میرے ساتھ بہت مانوس ہے۔ میری گود میں آ کر کبھی نہیں روتا۔

بابا! میں اِسے کبھی نہیں رونے دوں گی اگر میں ساتھ نہ گئی تو وہ بہت روئے گا، امی جان کو اور آپ کو بہت پریشان کرے گا۔

میں آپ کے کپڑے بھی دھویا کروں گی بابا! امی کے بھی کام آؤں گی آٹا گوندھوں گی روٹیاں پکاؤں گی۔

ابا جان! میں آپ کے خیموں میں جھاڑو بھی دیا کروں گی، آپ کے جائے نماز کو ہر وقت صاف رکھا کروں گی۔

سواری کم ہے تو جب بھی کوئی بات نہیں میں آپ کی سواریوں کے پیچھے پیچھے دوڑتی ہوئی چلتی رہوں گی بابا! جب میں آپ کی سواری کے پیچھے دوڑوں گی تو پسینہ آ جانے سے باقی ماندہ بخار بالکل اُتر جائے گا۔

کچھ بھوک کا شکوہ نہیں کرنے کی یہ بیمار

پانی جو کہیں راہ میں مانگوں تو گنہگار

گرمی میں بھی راحت سے گزر جائے گی بابا
آ جائے گا پسینہ تپ اُتر جائے گی بابا

کیا تاب اگر منہ سے کہوں درد ہے سر میں
اُف تک نہ کروں بھڑکے اگر آگ جگر میں

بھولے سے بھی شب کو نہ کراہوں گی سفر میں
قربان گئی چھوڑ کے نہ جاؤ مجھے گھر میں

ہو جانا خفا، راہ میں گر روئے گی صغرا
یاں نیند کب آتی ہے جو، واں سوئے صغرا

ہر صبح میں پی لوں گی دوا آپ بنا کر
دن بھر میری گودی میں رہیں گے علی اصغر

میں یہ نہیں کہتی کہ عماری میں بٹھا دو
بابا مجھے فضہ کی سواری میں بٹھا دو

بیمار بچی کے معصوم جذبے کی کیفیت کو الفاظ میں کس طرح ڈھالا

جا سکتا ہے بیمار معصومہ نے خُود کو تندرست ثابت کرنے کے لئے آخری کوشش
بھی کر کے دیکھ لی

صُغرا نے کہا بابا! میں آپ کو چل پھر کر دِکھا سکتی ہوں آپ دیکھ لیں
میں اَب بالکل نہیں گِروں گی۔

یہ جُملہ کہتے ہی اپنی تمام طاقت کو جمع کر کے مَعصوم بچّی پُورے اعتماد
کے ساتھ خُود کو سنبھالتے ہُوئے اٹھی ابھی پہلا قدم ہی اُٹھایا تھا کہ چکرآ گیا اور
تیوراِکر گر پڑی۔

بچوّں سے لیکر بڑوں تک کی چیخیں نِکل گئیں، گھر بھر میں کہرام مچ گیا

دوھرا غم

اِمام عالی مَقام علیہ السّلام کے دِل سے ہُوک اُٹھتی ہے۔آپ بیہوش
بچّی کی طرف دیکھ کر فرماتے ہیں، میری پیاری بیٹی! اللہ تُم پر رحم فرمائے
جانِ پدر! باپ تیری اِس مَعصوم کوشش پہ قُربان! تیری خواہش تھی کہ
جس طرح بھی ہو سکے تو ہمارے ساتھ چلی جائے۔تُو نے بیماری کے ساتھ
مقابلے کرتے ہوئے دیکھ لیا بیماری جیت گئی اور تو ہار گئی۔

پیاری صُغرا باپ تیرے اِس مُقدّس جذبے کی قدر کرتا ہے۔حُسین
﴿علیہ السلام﴾ دِل کی کیفیت کو پُوری طرح جانتا ہے۔

میرے سینہ میں بھی دِل ہے بیٹی! میں سب کُچھ محسوس کر رہا ہوں۔

میری بیٹی! میں اَولاد کے غَم کو جانتا ہوں تُو میری اَولاد ہے اگر تجھے بچھڑنے کا غم ہے تو تیرے بابا حُسین ﴿علیہ السلام﴾ کو دوہرا غَم ہے۔ ایک اپنا غم ہے اور ایک تیرے غَم کا غَم۔

بیٹی! یہ تقدیرِ الٰہی ہے اِسے قبول کرو۔ میں بھی خُدا کی رضا کو قبول کرتا ہوں اور تُو بھی کر۔

جانِ پدر! اگر بابا کی رضا کی بات ہوتی تو میں تجھے ابھی تندرستی عطا کر دیتا لیکن تیرے غم کو سینے میں لیکر اِس دردناک سفر کا آغاز کر رہا ہُوں مُجھے نانا کے مدینہ کو اِسی حالت میں چھوڑنا ہے کہ تیرا بُخار سے جلتا ہُوا جسم، اور سُتا ہُوا زَرد چہرہ، ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے رہے۔ مجھے تیرا غم تڑپاتا رہے، اور میں اس کرب اور بیقراری کو سینے میں دباتا ہُوا اپنا سفر جاری رکھوں،

میرے دِل کے ٹکڑے صُغرا! اللہ تعالیٰ تجھے شِفائے کامِل نصیب فرمائے تُو جَلد صحت یاب ہو جائے۔ بابا کی دُعا ہے کہ تیرا بُخار مُجھے آجائے۔ تیری بیماری مُجھے مِل جائے۔ اور تُو تندرست ہو جائے۔

اِمام عالی مقام عَلَیہِ السّلام کی گُفتگو نے گھر بھر کو ماتم کدہ بنا کر رکھ دیا۔ سینے سے اُٹھنے والے غم کے طُوفان آنکھوں کے راستے آنسوؤں کی نہریں بن کر رَواں تھے۔

معصُوم بچّی سکینہ روتی ہُوئی باپ کے سینے سے لپٹ جاتی

ہے آپ نے ارشاد فرمایا بیٹی! ایک بار اپنی بہن صُغرا کو ہوش میں لاؤ، باپ اِسے آخری بار الوداع کہنا چاہتا ہے۔

بیٹی سے الوداعی ملاقات

شہزادیٔ حسینؑ جنابِ سکینہ آگے بڑھتی ہے، بیمار کے مُنہ پر چھینٹے مارتی ہے اور ہوش میں لانے کی کوشش کرتی ہے۔

کہتی تھی سکینہ کہ بہن آنکھیں تو کھولو
کچھ بات کرو ہم سے ذرا مُنہ سے تو بولو

ہم جاتے ہیں تم اُٹھ کے بغل گیر تو ہولو
چھاتی سے لگو باپ کی دِل کھول کے رولو

تُم جِن کی ہو شَیدا وہ بُرادر نہ مِلے گا
پھر گھر میں جو ڈُھونڈو گی تو اکبر نہ مِلے گا

اُصغر کو کرو پیار کلیجے سے لگا کر
ہُوشیار ہو! کیا دیر سے بے ہوش ہو خُواہر

چھاتی سے لگو اُٹھ کے کھڑی روتی ہے مادر
ہم روتے ہیں دیکھو تو ذرا آنکھ اُٹھا کر

افسوس اِسی طور سے غفلت میں رہو گی
کیا آخری !بابا کی زیارت نہ کرو گی

﴿انیس﴾

مُنہ پر پانی کے چھینٹے دینے سے بیمار نے آنکھیں کھول دیں نقاہت پہلے سے کئی گُنا بڑھ گئی ہے۔ ساتھ چلنے کی آس بھی ٹُوٹ چکی ہے۔ اَب تو اُٹھ کر بیٹھ جانے کی ہِمت بھی نہیں۔

تَصویرِ یاس اور نا اُمیدی بنے ہُوئے ہر ایک کا چہرہ دیکھے جا رہی ہے سینے کے اُندر اُٹھنے والے طُوفانوں کا اظہار بھی نہیں کیا جا سکتا۔

آنکھیں ہیں جَیسے پتھرا گئی ہوں۔

چہرا زرد ہے۔

بات کرنے کو جی چاہتا ہے، لیکن ہونٹ تھرا کر رہ جاتے ہیں۔

تمام اہل بیت چپکے چپکے رو رہے ہیں۔ اور بیمار کو دیکھتے جا رہے ہیں کِسی میں بھی بات کرنے کا حَوصلہ نہیں ہے۔

بات کی بھی جائے تو کونسی!

بالکل یوں مَعلوم ہوتا تھا۔ جَیسے سب کسی لاش کے پاس کھڑے ہوں

اور حسرت و یاس کے ساتھ دیکھتے جارہے ہوں اِسی سکراتِ موت جیسے عالم میں امام عالی مقام کی دَرد میں ڈوبی ہوئی آواز اُبھرتی ہے۔

میری بچّی! ہمیں اِن حسرت زدہ نگاہوں سے نہ دیکھو ہمارے سینے چھلنی ہو جائیں گے، پیاری صغرا صبر کرو!

صبر میری بیٹی، صبر ہی سے اِن غموں کا مداوا کیا جا سکتا ہے،

ہمیں بہت دیر ہو گئی ہے سفر طویل ہے ہم صُبح طلوع ہونے سے پہلے پہلے سفر کا آغاز کر دینا چاہتے ہیں، میری بچّی اللہ تُمہیں جلد صحت یاب فرمائے۔ چلنے پھرنے کے قابل ہو جاؤ تو نانا جان صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے حضُور ہمارے لئے دعا کرنے جانا۔

اپنی دادی مخدومہ کائنات، خاتون قیامت، کے حضور میں روز حاضری دینا اور بابا کیلئے دُعا کرتی رہنا خُدا حافظ میری صُغرا خُدا حافظ!

غمزدہ حُسین (علیہ السلام) کی غمزدہ بیٹی الوداع!

بچّی کے سر پر آخری پیار دے کر امام عالی مقام، حُجرہ سے باہر تشریف لے آتے ہیں۔ خانۂ حیدر کی عزّت، نامُوسِ مُصطفٰی گلستانِ فاطمہ کی کلیوں کو سواریوں پر بٹھایا۔ سامان سفر تیّار ہو چکا تھا۔

ایک بیمار تھی جسے اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی کفالت میں دے کر ہاشمی خاندان کی عورتوں اور حضرت عبداللہ بن جعفر کو پورا پورا خیال رکھنے کا ارشاد فرمایا۔

عجیب بات ہے کہ مدینہ کو بسانے والے خُود مدینہ سے دُور جا رہے ہیں۔ بیمار صُغرا کو بھی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر میں رہنا تھا گویا آج حُجرۂ فاطمہ سلامُ اللہ علیہا خالی ہو گیا ہے وہ مقدّس گھر جس میں اپنی حیاتِ ظاہری میں اِمامُ الانبیاء صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم روزانہ تشریف لاتے تھے اس کی تالا بندی ہو رہی ہے۔

گلی گلی مدینے دی چیخ اُٹھّی
جدوں کربلا دا شہسوار ٹُریا

ایہہ تے جِگرا حُسینؑ دا جان دا اے
کیویں بچّی نُوں دے کے پیار ٹُریا

ٹُریا کوئی نہیں گھراں نُوں چھڈّ ایویں
جیویں فاطمہ دا ماہ انوار ٹُریا

روندا ہویا حُسین ذِیشان صائمؔ
جندرے امّاں دے حُجرے نُوں مار ٹُریا

﴿صائمؔ چشتی﴾

سواریاں ابھی دروازے کے پاس ہی مَوجُود ہیں کہ حجرہ کے اندر

سے دَرد میں ڈُوبی ہُوئی اور لرزتی ہُوئی مدھم سی آوز آئی۔

اے میرے علی اصغر!

بی بی صُغرا کی والدہ بے تاب ہوکر امام عالی مقام کی بارگاہ میں عرض کرتی ہیں ناموسِ محمد صلّی اللہ عَلَیہِ وَآلِہ وَسلّم کے محافظ !اُے میرے سرتاج!ایک بار صُغرا کی چار پائی باہر منگوا دیں صرف ایک لمحہ کیلئے میرے سرتاج مُجھے سے اِس کی دردناک چیخ برداشت نہیں ہوسکتی۔

بیمار کو صرف دو باتیں کر لینے دیں۔

اِمام عالی مقام نے جلدی جلدی بیمار کی چار پائی دَروازے کے قریب لانے کا حکم دیا

صُغرا کو نقاہت سے نہ تھی طاقتِ رفتار
دَروازے کے پاس آکے یہ کہتی تھی وہ بیمار

قُربان گئی آخری دِیدار کرا دو
اماں مُجھے اَصغر کو پھر اِک بار دِکھا دو

مُضطر ہُوئی سُن کر یہ سُخن بانُوئے بے پَر
پَردے سے جِگر بَند کا مُنہ کر دیا باہر

بیٹی نے کہا دستِ پسر ماتھے پہ رکھ کر
لو آخری تسلیم بجا لاتے ہیں اصغرؔ

مُنہ زرد ہے رُخساروں پر آنسو بھی بہے ہیں
یہ نرگسی آنکھوں سے تمہیں دیکھ رہے ہیں

تھرّاتے ہُوئے ہاتھ اُٹھا کر وہ پُکاری
اِس ہاتھ کے اِس چاند کے ماتھے پہ میں واری

آخر کوئی دِن میں ہے بس اَب موت ہماری
بھیّا نہیں جینے کی میں فرقت میں تُمہاری

جب آکے پھر اِس جُھولے کو آباد کرو گے
تُم بھی میری گودی کو بہت یاد کرو گے

﴿انیس﴾

بہن بھائی سے آخری گُفتگو کر لیتی ہے تو پھر چار پائی اندر رکھوا دی جاتی ہے۔ سواریوں کو چلنے کا حُکم دے کر "کربلا کا مسافر" نانا جان کے روضۂ اقدس کی جانب مُنہ کر کے آخری کلام کرتا ہے۔

مدینہ چھوٹ جاتا ھے!

۴ شعبان المعظم ۶۰ ہجری کی صُبح طُلوع ہونے میں ابھی کُچھ وقت
باقی ہے۔ مدینہ منّورہ کی پُرکیف فضا فردوسِ بریں کا نقشہ پیش کر رہی ہے
نخلستانوں میں کھجوروں کے پتّے وَجد و کیف کے عالم میں ایک
دوسرے کے گلے مل رہے ہیں۔
مدینۃ الرّسول کے سب مکین آغوشِ رحمت میں چین کی نیند سو رہے
ہیں مسجدِ نبوی شریف میں نزولِ انوارِ خُداوندی ہو رہا ہے۔ ملائکہ کی صفیں
نہائت ادب سے دربارِ رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم میں ہدیہ صلوٰۃ و
سلام پیش کر رہی ہیں،
ہر طرف آرام و راحت اور سکون ہی سکون نظر آتا ہے مگر ایک ایسا
بُزرگ جاگ رہا ہے جس کے قد و قامت اور رفتار کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا
ہے جیسے خُود شہنشاہِ دو عالم تشریف لا رہے ہوں
یہ بُزرگ حُسین ابنِ علی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ہے
نواسۂ رسول ہے،
سبطِ پیغمبر اور شبیہہِ مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہے
یہ زہرا بتول کا دُلارا شبّیر ہے

یہ مَدینۃ النّبی کا شہزادہ ہے۔

یہ سَلطنتِ اِسلامیہ کا رُوحانی تاجدار ہے۔

جواس وقت اپنے نانا جان سے یُوں ہمکلام ہے

نانا جان! میں آپ کے اِرشاد کی تعمیل کے لئے جارہا ہُوں، آپ نے مُجھے جس اِمتحان کے لئے پالا تھا میں نے اُس امتحان کی تیاّری مکمّل کرلی ہے تیرے ناموس تیری اہلِ بیت کو دکھوں مصیبتوں کے اذیت ناک سفر پر روانہ کردیا ہے۔

نانا جان! آپ کا غُلام پُورے طَور پر حقِّ غلامی ادا کرے گا۔

میرے پیارے نانا! تیرا حُسین تیرے دین کی زِندگی کیلئے اپنا سب کُچھ قربان کردے گا،

آپ اگر میری خواہش کو عزیز رکھتے تھے تو میں بھی آپ کی ہر خواہش کا پُورا پُورا احترام کروں گا۔

آپ نے بچّپن میں میرے لئے جنّت سے جوڑا منگوایا تھا میں آپ کے دین کی سر بلندی کیلئے اپنی ٹکڑے ٹُکڑے لاش کے لئے کفن بھی نہیں مانگوں گا۔

نوازشات کے بدلہ!

حضُور آپ نے میرے لئے منبر چھوڑ دیا تھا آج آپ کا

غلام آپ کے ناموس کیلئے مدینہ چھوڑ رہا ہے۔

نانا جان! حُسین کے جِسم میں جب تک خُون کا آخری قطرہ بھی موجود ہوگا آپ کی عظمت کے پرچم کو سرنگوں نہیں ہونے دے گا۔

پیارے نانا جان! آپ نے مُجھے کربلا کی جو تصویر دکھائی ہے میں اِس کے ہر خاکے میں اپنے خُون کی سُرخی بھر دوں گا۔

نانا جان! مُجھے کربلا کا محشر خیز نظارا دیکھ کر وہ تکلیف نہیں ہوگی جو آپ کا مدینہ چھوڑتے وقت کر رہا ہُوں۔

وہ کوئی بد بخت ہی ہوگا جو آپ کے مَدینہ میں رہ سکتا بھی ہو اور پھر نہ رہے۔ نانا جان جنّت کو چھوڑنے کے لئے اپنی خوشی سے کون تیار ہوتا ہے۔

محترم نانا! اپنے اِس غَریب الوطن پَردیسی مسافر پر نگاہِ شَفقت رکھنا اِسے دُکھوں اور مُصیبتوں سے مقابلہ کرنے کی ہمّت عطا فرمانا۔

نانا جان! اپنے حُسین کو بُھول نہ جانا۔ نانا! آپ کے کرم کے بغیر حُسین ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ آپ ہی تو میری رہنمائی کریں گے۔ آپ ہی تو مجھے منزل سے آشنا کریں گے۔

میرے حضور! آپ ہی تو میری رُوح اور میری زندگی کی زندگی ہیں، آپ میرا خیال نہیں رکھیں گے تو اور کون رکھے گا۔ حضور مُجھے کسی ابتلاء کے وقت بھی اکیلے نہ چھوڑنا۔

اب میں اجازت چاہتا ہوں۔ میرے کریم! اَب اپنے حُسینؑ کو

اجازت مرحمت فرمایئے۔

میرے آقا! بیمار صُغرا کا خیال رکھنا۔ میں نے اِسے جِس حال میں چھوڑا ہے وہ سب آپ پر ظاہر ہے۔

حضور! وہ آپ ہی کا خُون ہے۔ میں اُس اَلم نصیب کو آپ کی پناہ میں دیتا ہُوں۔ تاجدارِ عالم کی پناہ میں، شہنشاہِ کونین کی پناہ میں، پناہِ بیکساں میں اس غمگسارِ غریباں کی پناہ میں جِس کی پناہ میں آنے کے بعد غم خوشی میں بدل جاتے ہیں بیماری تندرستی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ دُکھ، سکھ بن جاتے ہیں۔

حضور! حُسین کی بیکس بچّی کا خیال رکھنا۔ خُدا حافظ میرے غمگسار نانا! خُدا حافظ خُدا تعالیٰ آپ کے مدینہ کو آباد رکھے، آپ کی خَیر ہو آپ کے ساتھیوں کی خَیر ہو لہلہاتے نخلستانوں کی خَیر ہو عنبر بار گلستانوں کی خیر ہو۔

جنّت البقیع کے مزاروں کی خَیر ہو مدینہ کی بہاروں کی خَیر ہو۔ میری امّاں جان کے حُجرہ کی خیر ہو مسجدِ نبوی کے محراب و منبر کی خَیر ہو۔

اَلوداع اُے تاجدارِ دو عالم الوداع، خُدا حافظ اُے نانا جان حُسین کا آخری سلام قبول ہو، خُدا حافظ!

پھر آپ روتے ہوئے اُلٹے پاؤں واپس ہوئے۔ اہل بیت کا قافلہ جا چکا تھا آپ اپنی سواری پر بیٹھے اور ڈُوبتے ہُوئے دِل کے ساتھ منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔

شہر کے باہر اہلِ بیت کا قافلہ رکا ہُوا ہے اور سب مدینہ کی طرف
حسرت زدہ نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔

آج سے ساٹھ سال پہلے عرب کا چاند **ثنیات الوداع** کی
گھاٹیوں سے طلُوع ہوا تھا آج اُس چاند کا چاند انہی گھاٹیوں میں غُروب ہو
رہا ہے۔ یہ وہ گھاٹی ہے جہاں تک مدینہ کے لوگ اپنے مہمانوں کی واپسی پر
اُلوداع کہنے آتے ہیں۔

مگر آج حُسین جا رہا ہے تو اُسے کوئی بھی اُلوداع کہنے والا نہیں ہے
آپ نے حسرت سے اس گھاٹی کی طرف دیکھ کر فرمایا۔

میرے نانا کی مدینہ مُنوّرہ میں تشریف آوری پر بنی نجار کی لڑکیوں
نے یہاں خوشی کے گیت گائے تھے۔

ہائے افسوس کہ تھوڑی دیر تک یہ گھاٹی میری نگاہوں سے اوجھل ہو
جائے گی۔ مدینہ کو چھوڑ دینا آسان نہیں مدینہ چھوڑتے وقت جان نکل جاتی
ہے عام لوگوں کی یہ حالت ہے

کہ مدینہ چھوڑنے کے وقت چیخیں مار مار کر بے ہوش ہو جاتے ہیں
آنکھیں خُون کے آنسو بہاتی ہیں۔ دِل ڈوب جاتے ہیں مدینہ سے نِکلتے
وقت جو حالت ہوتی ہے یہ وہی لوگ جان سکتے ہیں جو مدینہ سے ہوکر آئے
ہیں۔

قافلہ والوں کی حالت زار

اور یہ تو حُسینؑ مدینہ چھوڑ رہے ہیں جن کا گھر مدینہ میں ہے جن کی امّی جان کا حُجرہ مدینہ میں ہے، جن کے بھائی حَسن مدینہ میں ہیں جنکی ماں مدینہ میں ہیں، جن کا سب کچھ مدینہ میں ہے جنکے نانا مدینہ میں ہیں جنکی بیمار صغریٰ مدینہ میں ہے مدینہ چھوڑتے وقت اُن کی کیا حالت ہوگی۔ یہ تصوّر کر لینا بھی مشکل ہے کہ مدینہ چھوڑتے وقت حُسین کے سینے میں کس کس طرح کے طُوفان اُٹھ رہے تھے۔

سیّدہ زینب کے دِل کی کیا حالت تھی علی اکبر کو بہن کی جُدائی نے کس طرح بیقرار کیا ہوگا۔ جنابِ قاسم کو باپ کی قبرِ انور کے بِچھڑنے کا کیا صَدمہ ہوگا کون جان سکتا ہے۔

اِس غریب الوطن ہونے والے قافلہ والوں کے دِلوں کی حالت نہ قلم بیان کر سکتی ہے نہ زبان اُدا کر سکتی ہے ان کے دلوں پر جدائی کی چلنے والی چُھریوں کے زخموں کی گہرائی کو کون ناپ سکتا ہے۔

اُن کی مصیبت کو یا خدا جانتا تھا یا مصطفٰے جانتے تھے یا وہ جانتے تھے نبضیں تھرّا رہی تھیں کلیجے دھڑک رہے تھے سینے بھڑک رہے تھے، دِل ڈُوب رہے تھے آنکھیں خُون کے آنسو برسا رہی تھیں اور زبان پر صدائے اَلفراق اَلفراق تھی

قافلہ روانہ ہو گیا

اسی عالم اندوہ غم میں حسین کی حسرت و یاس میں ڈوبی ہوئی نگاہیں اُٹھتی ہیں ہم سفروں کی طرف دیکھتے ہیں اور ٹوٹے ہوئے دل سے روانگی کا حکم دیتے ہیں قافلہ روانہ ہوتا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا جیسے سواروں کے جذبے کو سواریاں بھی جانتی ہیں قدم اٹھتا ہے مگر نہیں اٹھتا یوں لگتا تھا جیسے ہر ناقہ کے پاؤں باندھ دیئے گئے ہیں۔

قافلہ آہستہ آہستہ طوعاً و کرہاً چلا جا رہا ہے سبھی لوگوں کی گردنیں مڑی ہوئی ہیں اور نظریں مدینہ منورہ کی طرف لگی ہوئی ہیں۔

آخر چلتے چلتے یہ آرزوؤں اور ارمانوں کا شہر نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔

حسین مکّہ معظمہ میں

عجیب اتفاق ہے کہ نانا نے رات کے وقت مکّہ معظّمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی اور اب نواسے کو رات ہی کے وقت مدینہ منورہ سے مکّہ معظّمہ کی طرف آنا پڑا اِس وقت خاندانی عداوت کفر اور اسلام کے نام پر ظاہر ہو رہی تھی اور اب وہی خاندانی عداوت اسلام کے نام پر اسلام سے ٹکرانا چاہتی ہے۔ بہر حال امام حسینؑ سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے منزل بہ منزل مکّہ معظّمہ میں تشریف لے آتے ہیں۔

عبداللہ ابن زبیر آپ سے پہلے مدینہ منورہ سے مکّہ معظّمہ میں آ چکے تھے عبداللہ ابن عباس اور عبداللہ ابن عمر پہلے ہی وہاں موجود تھے۔ ان سب نے مل کر امام عالی مقام کا شاندار استقبال کیا اور قافلہ اہل بیت نہایت عزت واحترام کے ساتھ اپنے نانا و دادا کے مکانوں فروکش ہو گیا نانا کا مولد مبارک سب کے لئے باعث تسکین بن گیا سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ کے مکانوں کی رہائش نے مدینہ منورہ کی جدائی کے زخموں پر مرہم کا کام کیا ان گلیوں میں بھی سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عنبر فشاں زلفوں کی مہک رچی بسی ہوئی تھی۔

یہ وہی گھر تھا جہاں شہزادیٔ کونین، مخدومۂ کائنات، سیدۃ النساء العالمین، خاتونِ قیامت، سیدہ فاطمۃ الزہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کی ولادت

باسعادت ہوئی تھی۔ ماں کے مزار اقدس کی جگہ نانی سلام اللہ علیہا کا مزار وجہ سکون وقرار بنا ہوا تھا۔ مدینہ بھولنے کی چیز نہیں! لیکن یہاں تاجدار مدینہ کے آثار تھے۔ نشانیاں تھیں جن کی زیارت سے تصورات کی دنیا بہت کچھ حاصل کرلیتی ہے

امام عالی مقام علیہ السلام کا زیادہ وقت حرم میں ہی گزرتا ہے وعظ و ارشاد پند ونصائح کا بازار ہر وقت گرم رہتا ہے مکہ معظّمہ کے لوگ شہزادۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سننے کیلئے انبوہ درانبوہ آپ کے گرد جمع رہتے ہیں۔

ان دنوں عامل مکہ سعید بن عمرو بن العاص تھا اگرچہ یہ گورنر یزید کی طرف سے مقرر تھا لیکن امام عالی مقام کے گرد لوگوں کے ہجوم سے کچھ تعرض نہ کرتا۔ اندرون خانہ مکہ معظّمہ کے بیشتر لوگ یزید کی حکومت سے بے زاری کا بھی اظہار کرتے اور اس سے نفرت بھی کرتے۔ لیکن فضا پرسکون تھی نہ تو حکومت کی طرف سے کسی قسم کا کوئی تشدد کیا جاتا اور نہ ہی لوگ کھل کر حکومت کی مخالفت کرتے۔

امام عالی مقام علیہ السلام نہائت خاموشی سے اپنا وقت گزار رہے تھے اور اس وقت کا انتظار کررہے تھے جب کربلا کا خونی معرکہ قائم ہونا تھا۔ ان لمحات کا انتظار تھا جن میں تکمیل ذبح عظیم ہونا تھی ان گھڑیوں کے منتظر تھے جن میں خدا تعالیٰ کے حضور میں امتحان کے پرچے پیش کرنا تھے،

کوفہ والوں کے خطوط

بالآخر یہ انتظار کی گھڑیاں ختم ہونے کے قریب آگئیں اور وہ اسباب پیدا ہونے کا وقت آ گیا جو آپ کو آپ کی شہادت گاہ تک لے جاتے عراق کے دارالخلافت کوفہ سے امام عالی مقام کے نام خط آنا شروع ہو گئے کوفہ کے رئیسوں کے خطوط، شہریوں کے خطوط، امیروں کے خطوط، علماء کے خطوط عوام کے خطوط۔

ایک ایک خط پر کئی کئی مہریں ہوتیں، ایک خط پر کوفہ کے ستّر سر برآوردہ لوگوں کی مہریں تھے۔ دو چار، پانچ دس نہیں بیسیوں خطوط، پورے ایک سو بیس خطوط امام عالی مقام کو موصول ہوئے۔

جو نامہ بر بھی آتا تحریر کیا ہوا خط شہزادۂ گلگوں قبا کے حضور میں پیش کر کے فریاد شروع کر دیتا ہر نامہ بر کی گفتگو اور ہر خط کا مضمون ایک ہی جیسا ہوتا۔ امام عالی مقام خط پڑھتے، خط لانے والوں کے چہروں کو پڑھتے، ان کے دلوں کا مطالعہ کرتے، اور پھر نانا جان سے کیا ہوا وعدہ یاد کر کے زیرلب مسکرا دیتے متعدد خطوط آنے تک آپ نے، ہاں! نہ، کچھ بھی نہ کہا۔

وعدہ فرما لیا

بالآخر آپ نے ایک وفد سے وعدہ فرما لیا کہ ہم آجائیں گے لیکن ہم

سے پہلے ہمارے بھائی جناب مسلم بن عقیل تمہارے پاس آئیں گے۔
وہ حالات کا جائزہ لے کر ہمیں خط لکھیں لکھیں گے تو ہم ضرور آجائیں گے۔

وفد کی واپسی

وفد واپس چلا گیا۔ ادھر کوفہ میں ہر شخص کو اطلاع ہوگئی کہ امام عالی مقام ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشریف لانے کا وعدہ فرمالیا ہے اور مسلم بن عقیل آپ کے نائب بن کر بہت جلد پہنچ رہے ہیں۔

ادھر امام عالی مقام نے حضرت مسلم کو ارشاد فرمایا۔

برادر محترم ! کوفہ والوں کی طرف سے مسلسل خطوط کی آمد آپ پر ظاہر ہے وہ لکھتے ہیں کہ ہمیں یزید کی بیعت قبول نہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ میرے ہاتھ پر بیعت کریں۔

اُن کا جملہ یہ بھی ہے کہ اگر ہمیں ایک فاسق و فاجر کے رحم وکرم پر چھوڑا تو اِس کی ذمہ داری ابنِ رسولؐ پر ہوگی اور وہ قیامت کے دن بری الذمہ ہوں گے۔

برادرِ عزیز ! ہم کوفہ والوں کو جانتے ہیں۔ اس لئے آپ کو پہلے بھیجنا چاہتے ہیں۔ آپ وہاں تشریف لے جائیں، وہاں کا جائزہ لے کر ہمیں خط لکھیں۔ تو ہم بھی آجائیں گے۔

امام مسلم کی کوفہ روانگی

حضرت امام مسلم نے امام عالی مقام کا ارشاد عالیہ سن کر گردن جھکا دی۔اور عرض کیا کہ یا ابن رسول اللہ! غلام حاضر ہے میں انشاءاللہ العزیز صبح کی نماز کے بعد کوفہ کو روانہ ہو جاؤں گا۔

میرے سردار! میں بھی کوفہ والوں کی بے وفائی کو جانتا ہوں اس لئے آپ پوری احتیاط فرمایئے۔جب تک غلام کا عریضہ نہ آجائے آپ کوفہ کی جانب ہرگز تشریف نہ لائیں میرے آقا وہ لوگ پرلے درجے کے دغاباز ہیں

شہزادوں کی ضد

اگلی صبح فجر کی نماز کے بعد نائب ابن رسوول، قاصد حسین حضرت مسلم بن عقیلؓ مختصر زادراہ لے کر سواری پر بیٹھنے لگتے ہیں تو دو ننھے شہزادے آپ کی سواری کے آگے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

مسلمؓ سواری سے اتر تے ہیں، بچوں کو پیار کرتے ہیں، دوناں کے رخساروں کو تھپتھپا کر فرماتے ہیں،

میرے لال جاؤ! بابا حسین کے پاس جاؤ! میں بہت جلد واپس آجاؤں گا یا تم سب بابا کے ساتھ میرے پاس آجاؤ گے۔

دونوں شہزادے مچل جاتے ہیں۔ابا جان! ہم آپ کے ساتھ جائیں گے ہمیں رات آپ کے سفر کا رات کو ہی چل گیا تھا اور ہم اس وقت

سے تیار ہو کر بیٹھے ہیں اچھے ابا جان ہمیں ضرور ساتھ لے چلیں۔ ہم کبھی ضد نہیں کریں گے۔ ہم آپ سے کوئی چیز نہیں مانگیں گے اور نہ ہی آپ کو پریشان کریں گے۔

دونوں ننھے صاحبزادے ایک دوسرے کے کندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے باپ کو روکے ہوئے ہیں شہزادۂ گلگوں قبا ابن بتول امام حسین علیہ السلام بھی اُدھر تشریف لے آتے ہیں بچوں کی ضد کا ماجرا سن کر ارشاد فرمایا مسلم! ان کی بات مان جایئے! ورنہ یہ آپ کی یاد میں پریشان ہو جائیں گے مجھ سے ان کا مچلنا دیکھا نہیں جاتا۔

میں بیمار صغریٰ کر چھوڑ تو آیا ہوں مگر آج تک پریشان ہوں اس کی یاد اس شدت کے ساتھ آتی ہے کہ میرا دل تڑپ جاتا ہے۔ آپ اپنے شہزادوں کو ساتھ لے جائیں یہ بھی خوش ہو جائیں گے اور آپ کا دل بھی بہل جائے گا۔

ان کے کپڑوں کے ایک دو جوڑے اور ساتھ لے لو اور دھوپ کی تمازت سے پہلے کچھ نہ کچھ سفر طے کر لو۔

حضرت مسلم مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہ اس کا فرمان تھا جس کا کوئی حکم ٹالا نہیں جا سکتا۔ آپ شہزادۂ رسول کو جھک کر سلام کہتے ہیں اور بچوں کو آگے بٹھاتے ہیں اور سواری کو اپنے راستے پر چھوڑ دیتے ہیں۔

مکہ معظّمہ سے کوفہ تک کا سفر ان دنوں خاص طور پر دشوار تھا دور دور

تک کسی بستی کا نشان نہیں تھا لق و دق صحرا چٹیل میدان، کہیں کہیں پہاڑیاں اور پھر ریت کے اونچے اونچے ٹیلے کوئی باقاعدہ نخلستان شائد ہی کہیں ہو ورنہ کہیں کہیں اکیلا دو کیلا کھجور کا درخت نظر آ جاتا تو کوئی مسافر اس کے نہ ہونے کے برابر سایہ میں چند گھڑیاں سستا لیتا۔

البتہ بعض مقامات پر خار دار جھاڑیوں کے جھنڈ کے جھنڈ پھیلے ہوئے نظر آتے پانی کا دور دور تک نشان نہیں۔

اس جانکاہ سفر میں امام عالی مقام کے نائب حضرت مسلمؓ اپنے پھول سے شہزادوں کو ساتھ لئے ہوئے جا رہے ہیں۔

نہ دھوپ کی پرواہ ہے نہ پیاس کا ڈر بچوں کو کئی بار پیاس کی شدت بے قرار کر دیتی ہے لیکن انہیں اپنا وعدہ ہر وقت یاد رہتا ہے کہ ابا جان ہم ضد نہیں کریں گے اور نہ ہی آپ کو پریشان کریں گے

کہیں کوئی قافلہ نظر آ جاتا ہے تو آپ اس کے ساتھ ہی پڑاؤ ڈال کر رات بسر کر لیتے ہیں اور صبح قافلے والوں کے اٹھنے سے پہلے ہی اپنا سفر شروع کر دیتے ہیں۔

گرم گرم ریت کے بگولے جب سواری کو اپنی لپیٹ میں لیتے ہیں تو ننھے بچے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں لیکن کب تک!

ریت کے ذرات آنکھوں میں پڑ جاتے ہیں بچوں کی آنکھیں بار بار ملنے سے سرخ ہو جاتی ہیں۔

راستے کی پریشانیوں کو کہاں تک قلمبند کیا جا سکتا ہے ان حالات کو کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کو کبھی ایسے سفر سے واسطہ پڑا ہو جوں توں کر کے سفر ختم ہو جاتا ہے کوفہ شہر دور سے نظر آ جاتا ہے آپ سواری تیز کر دیتے ہیں بالآخر معرکۂ کربلا کا پہلا شہید شہر میں داخل ہو جاتا ہے۔

حضرت مسلم کوفہ میں

آپ کی آمد کی اطلاع جنگل کی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل جاتی ہے

کوفہ کے لوگ جوق در جوق آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں کوئی پاؤں کو بوسہ دے رہا ہے اور کوئی ہاتھ چوم رہا ہے۔

خوش آمدید اور لبیک کے نعروں سے کوفہ کا ہر بازار گونج رہا ہے آپ کو نہایت عزّت و احترام کے ساتھ رئیس کوفہ مختار ثقفی کے گھر ٹھہرایا گیا وہیں پر کوفے کے دوسرے زعماء و رؤساء جمع ہو جاتے ہیں۔

ان میں بیشتر وہ ہیں جن کی طرف سے امام عالی مقام کے نام خطوط لکھے گئے تھے چند مشہور لوگوں کے نام یہ ہیں:۔

سلیمان بن صرد خزاعی، مسیّب فرازی، رعافہ بن شداد، عارب، رقار، اشعب، عبدالرحمٰن بن سخف، عبداللہ عفیف، طارق اعمش، مختار ثقفی

حضرت مسلم کا خط امام کے نام

امام مسلمؓ نے جب ان لوگوں کے جذبات و احساسات کا ندازی لگایا تو آپ کو ایک گونہ تسلی ہوگئی کہ یہ لوگ اہل بیت اطہار کی محبت سے سرشار ہیں۔ رؤسائے کوفہ کی استدعا پر امام عالی مقام کے نام پر بیعت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

معتبر روایات کے مطابق اسی ایک روز میں بارہ ہزار کوفیوں نے امام مسلمؓ کے دست حق پر سیّدنا امام حسین علیہ السلام کے نام کی بیعت کی وہ لوگ کھلے بندوں یزید لعین کو برا بھلا کہتے اس کی حکومت و امارت کو غیر اسلامی قرار دیتے اور اپنے خطوط کے مطابق یزید سے پوری پوری بیزاری اور نفرت کا اظہار کرتے اور امام عالی مقام امام حسین علیہ السلام کی مدح و ستائش بیان کرتے۔

حضرت مسلمؓ نے کچھ دن وہاں رہ کر سامنے آنے والے حالات کا بخوبی اندازہ لگالیا اور اچھی طرح جائزہ لے لیا تو شہزادۂ مصطفٰے کے نام خط لکھ کر روانہ کردیا۔

خط میں لکھا تھا کہ یہاں کے حالات درست ہیں آپ تشریف لے آئیں تمام کوفہ کے لوگ سوائے چند ایک کے آپ کے نام کی بیعت کر چکے ہیں اور اب وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں کہ آپ تشریف لائیں اور مسلمانوں

کو یزید کی ہلاکت خیزیوں سے نجات دلائیں ادھر امام مسلمؓ کا قاصد روانہ ہو جاتا ہے اور دوسری جانب کوفہ میں رہنے والے یزید پلید کے چند شریر چیلے اور جاسوس شام کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

یزید کے جاسوس

انہوں نے جا کر یزید کو کوفہ کے حالات سے مطلع کیا کہ وہاں مسلمؓ کے ہاتھ پر پورا کوفہ حسین کے نام کی بیعت کر چکا ہے۔

لوگ تمہیں کھلے بندوں گالیاں دیتے ہیں لیکن وہاں کا گورنر کسی قسم کا تعرض نہیں کرتا اگر تم نے جلد حالات پر قابو نہ پالیا تو پھر کوفہ سے اٹھنے والا طوفان تمہاری حکومت اور امارت کو غرق کر دے گا۔

جاسوسوں کی اطلاع سن کر یزید کا رنگ اڑ جاتا ہے اس نے اسی وقت اپنے ہی جیسے ایک شیطان وزیر کو بلایا جو یہودی النسل بھی تھا اور اسلام کا دشمن بھی وہ اسے لے کر خاص کمرے میں بیٹھ کر مشورہ کرنے لگا۔

یزید:۔ بہت بڑی مصیبت نازل ہونے والی ہے مجھے مشورہ دو کہ اب میں کیا کروں۔

یہودی وزیر سرجون:۔ آخر کونسی مصیبت آ رہی ہے کچھ بتاؤ تو سہی جو بھی بلا آئے گی اس کا حل نکال لیا جائے گا۔

یزید:۔ کوفہ سے ابھی ابھی اطلاع آئی ہے کہ وہاں مسلم بن

عقیل کو حسینؑ علیہ السلام نے اپنے لئے بیعت کی غرض سے بھیج رکھا ہے

سرجون:۔ تو پھر کیا ہوا امیر! گھبرانے کی کیا بات ہے،

یزید:۔ تم عجیب آدمی ہو۔ پورا کوفہ حسین کے نام کی بیعت کر چکا ہے اور تم کہتے ہو کہ پھر کیا ہوا۔

سرجون:۔ کیا کوفہ کے گورنر نے لوگوں کو بیعت حسین سے منع نہیں کیا۔

یزید:۔ یہی تو مصیبت ہے کہ وہ بھی انہی لوگون سے ملا ہوا ہے جاسوسوں کی اطلاع کے مطابق کوفہ کے لوگ مجھے گالیاں دیتے ہیں، اور سر بازار برا بھلا کہتے ہیں لیکن وہ کسی کو نہیں روکتا۔

سرجون:۔ کوئی بات نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا کوفہ کے لوگوں میں خوب جانتا ہوں سب بکاؤ مال ہے کوفہ کے لوگ موم کی ناک ہیں امیر! انہیں جو چاہے جس طرف جی چاہے موڑ سکتا ہے تھوڑی سی سیاست اور ہمت کی ضرورت ہے۔

یزید:۔ تو پھر کب سیاست کھیلی جائے، کب ہمت سے کام لیا جائے گا پانی تو سر سے اونچا ہو رہا ہے سرجون یہ سیلاب اگر بڑھتا گیا تو شام کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔

سرجون:۔ مت پرواہ کرو امیر! ابھی بندوبست کیے دیتا ہوں بصرہ کے گورنر ابن زیاد کے نام ایک خط لکھواؤ اور شاہی مہر لگوا کر فوراً قاصد کو

روانہ کردو اسی لفافہ میں نعمان بن بشیر کی معزولی کا حکم نامہ بھی بھیج دو ابن زیاد کو لکھو کہ حکمنامہ ملتے ہی بصرہ کے کسی معتمد کو عامل بنا کر کوفہ چلا جائے وہاں جاتے ہی وہاں کے گورنر کو معزول کر کے خود چارج سنبھال لے اور کوفہ والوں کو ہر طرح قابو میں کر لے۔

یزید:۔ میں تمہاری تجویز سے اتفاق کرتا ہوں ابن زیاد ٹھیک طور پر اس کام کو انجام دے سکے گا اب مضمون مرتب کرو اور فوراً قاصد کو بھیجنے کا بندوبست کرو اسے خط میں لکھ دو کہ تمہیں ہر قیمت پر کوفہ کی فضا پر قابو حاصل کرنا ہے

لالچی آدمیوں پر خزانوں کے منہ کھول دو اہل بیت سے زیدہ محبت دکھانے والوں پر تشدد کرو تم جس کی چاہو گردن زنی کر سکتے ہو۔ تمہیں قتل و غارت گری کا عام اختیار ہو گا اسے لکھ دو کہ تمہیں کوفہ میں داخل ہونے کا طریقہ اپنی عقل کے مطابق اپنانا ہو گا حالات پر قابو پاتے ہی مسلم بن عقیل کو قتل کر دینا۔ اسے یہ بھی لکھ دو کہ امیر نے تمہیں پوری اسلامی قلمرو سے بہتر سمجھتے ہوئے منتخب کیا ہے اور تم امیر کے اعتماد کو برقرار رکھو گے۔

یزید کا خط ابن زیاد کے نام

خط لکھ دیا گیا اور قاصد تیزی کے ساتھ سفر کرتا ہوا ابن زیاد کے پاس پہنچ گیا۔ ابن زیاد لعین نے خط کھولا تو اس کی خوشی سے باچھیں کھل گئیں وہ

طبعاً متشدد تھا اس لئے ہی تو اس کا انتخاب کیا گیا تھا اور پھر جب اس نے اپنے بارے میں تعریفی جملے پڑھے تو اس کی شیطانی آنکھیں چمکنے لگیں وہ ایسے انداز میں اٹھا جیسے کسی درندے کو انسانی خون کی بو آ گئی ہو وحشت اور درندگی نے اسے پاگل بنا دیا ہو۔

خط کو دو تین بار پڑھا اٹھا اور اپنے بھائی کو اپنی جگہ حاکم مقرر کیا اور نعمان بن بشیر کی معزولی کا حکمنامہ جیب میں ڈال کر سفر کی تیاری کرنے لگا کوفہ میں داخل ہونے کا طریقہ اس نے سوچ لیا تھا۔

جس قسم کی دستار امام عالی مقا امام حسین علیہ السلام باندھا کرتے تھے باندھ لی اور سیاہ رنگ کی نقاب منگوائی اور تیز چلنے والی سواری میں بیٹھ کر کوفہ روانہ ہو گیا۔

اب دیکھئے کیا ہوتا ہے؟

کوفہ کے لوگ انتظار میں تھے کہ امام عالی مقام کو حضرت مسلم کا خط پہنچ چکا ہے اور وہ تشریف لانے والے ہیں اس تصور سے حمائت امام میں ان کے جوش وخروش میں ہر روز اضافہ ہوتا جاتا۔

بڑے بڑے اجتماع ہوتے یزید کے خلاف اور امام عالی مقام کے حق میں نعرہ بازی ہوتی کوفہ کا گورنو واقعی نرم دل اور اہل بیت مصطفےٰ کا غلام ہے لیکن کوفیوں کے اس رویہ پر اسے تشویش ضرور تھی۔

اس نے چند زعماء کو بلا کر سمجھانے کی کوشش کی کہ میں تمہیں امام عالی مقام کی بیعت سے منع نہیں کرتا لیکن اپنی ان کاروائیوں کو روک دیں جن میں تشدد کا رنگ پایا جاتا ہے

مگر کوفیوں نے اس کی کسی کی پرواہ نہ کی اور اپنی بات پر اڑے رہے ایک روز جامع مسجد میں نعمان نے تشدد روکنے کے لئے دھمکی آمیز خطبہ بھی دیا لیکن کسی نے کوئی بات نہ مانی۔

حضرت مسلم کے گرد ہر وقت ہزاروں لوگوں کا اجتماع رہتا آپ کے پیچھے ہی نمازیں ادا کرتے جگہ جگہ پر مجالس و محافل وعظ و ارشاد کا اہتمام ہوتا یوں سمجھنا چاہیئے کہ لوگوں کی اکثریت اپنے کام کاج بھول کر شمع حسینیت کا پروانہ وار طواف کرنے میں مصروف رہتی جدھر ابن عقیل کا گذر ہوتا ہے لوگ آپ کی راہ میں آنکھیں بچھاتے ہیں۔

آپ کے شہزادوں کی زیارت کے لئے عورتوں کی ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ جاتے ہیں کوئی ان کا منہ چوم رہی ہے، کوئی کپڑے بدیل کر رہی ہے، کوئی پھل کھلانے کے لئے بے تاب ہے

، کوئی قدموں کو بوسے دے رہی ہے، کوئی ان کے جسم پر ہاتھ مل کر برکت کے لئے اپنے جسم پر پھیر رہی ہے، عجیب میلہ لگا ہوا ہے، کوئی آ رہی ہے، کوئی جو رہی ہے، کوئی پنکھا جھل رہی ہے۔ اور کوئی قریب جانے کے لئے بے قرار کھڑی ہے

نقاب پوش شطان

اس طرف تو یہ پیار محبت کے میلے لگے ہوئے ہیں اور اُدھر ابن زیاد اپنا سفر قطع کرتا ہوا کوفہ میں اس طریقہ سے داخل ہوتا ہے کہ سر پر سیاہ رنگ کی دستار ہے اور چہرے پر نقاب پہنی ہوئی ہے اور بجائے بصرہ کی طرف سے آنے کے راستہ تبدیل کر کے مکہ معظمہ کے راستے سے آتا ہے۔
اس کے ساتھ فوج کے چند دستے بھی تھے جنہیں کہا گیا کہ تم کوفہ میں صبح داخل ہونا کسی شخص نے دور سے ایک نقاب پوش سوار کو دیکھا تو اس نے پورے شہر میں دُہائی مچادی کہ لوگو تمہیں مبارک ہو کہ امام عالی مقام تشریف لے آئے لوگ شہر سے باہر نکل آتے ہیں لیکن وہ تیزی سے گھوڑا دوڑاتا ہوا شہر میں داخل ہو جاتا ہے اور دارالامارت کے قریب پہنچ جاتا ہے۔

لوگوں کی حیرانی

لوگ حیرانی سے واپس آتے ہیں کہ امام کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ابن زیاد عمارت کے اندر ایسی جگہ پر کھڑا ہو جاتا ہے کہ جہاں وہ ان لوگوں کے ساتھ بآسانی بات چیت کر سکتا ہے کوفی دارالامارت کے قریب آتے ہیں ابن زیاد زبان میں زبردستی مٹھاس پیدا کر کے ان سے اس قسم کی گفتگو کرتا ہے کہ سب لوگ خاموشی سے واپس آ جاتے ہیں۔

کوفے کے لوگ زیر نقاب نور دیکھنا چاہتے تھے لیکن نقاب اٹھتے ہی

احساس ہو گیا کہ یہ تو آگ اور ظلمات ہے۔

وہ مشتاق تھے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے چاند کی زیارت ہو گی لیکن وہ سمیّہ کا والد الحرم نکلا۔

وہ ابن رسول کی راہ دیکھتے تھے انہیں ابن مجہول سے واسطہ پڑ گیا۔

وہ مدینہ کے فرشتہ سیرت انسان کے منتظر تھے لیکن ان کے سامنے بصرہ کا شیطان تھا۔ کوفہ والوں کی اس جذباتیت کا کیا جائے جو ان کی عقلوں کو سلب کر لیتی ہے۔

کسی نے نہیں سوچا

انہیں معلوم تھا کہ امام عالی مقام یہاں بمعہ اہل وعیال تشریف لا رہے ہیں انہیں یہ بھی اندازہ تھا کہ امام عالی مقام کے یہاں پہنچنے میں ابھی کچھ دن لگیں گے۔ مگر آج ہی کی طرح وہ بھی جذباتی نعروں کے دام میں جکڑے جایا کرتے تھے کسی ایک نے آواز دے دی امام آ گئے ہیں تو سبھی لوگ پکار اٹھے امام آ گئے امام آ گئے ان کی عقلوں نے سوچا نہیں امام عالی مقام اکیلے نہیں آ رہے اور ابھی ان کے آنے میں کچھ وقت باقی ہے۔

نعمان کی معزولی

ابن زیاد کوفہ والوں کو یہ بتا دینے کے بعد کہ میں آ گیا ہوں آگے بڑھتا ہے نعمان پہلے ہی اس کے قریب کھڑے تھے اور انہیں یہ اندازہ لگانے

میں دشواری نہیں ہوئی کہ اس کا اس طریقہ سے آنا خالی از شرارت نہیں۔

نعمان اور ابن زیاد کی گفتگو

وہ اسے ساتھ لیتے ہیں اور اسے خالی کمرے میں آ کر یوں گفتگو شروع کرتے ہیں

نعمان ! بصرہ کے عامل کی اس پر اسرار اور غیر متوقع آمد پر میں حیران ہوں؟

ابن زیاد ! حیرانی کی کوئی بات نہیں مجھے آنا ہی تھا۔

نعمان ! اپنی آمد کا مطلب بیان کرو؟

ابن زیاد ! مطلب بھی بتا دیتا ہوں پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے کوفیوں کو اتنی کھلی چھٹی کیوں دے رکھی ہے کہ وہ براہ راست امیر شام کو گالیاں دے سکیں۔

نعمان ! میں نے انہیں روکنے کی کوشش کی ہے کل بھی میں نے ان کے زعماء کو بلا کر اس جوش و خروش سے منع کیا تھا۔

ابن زیاد ! تمہارے ہوتے ہوئے مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حسین علیہ السلام کے نام کی بیعت کیوں لی۔ کیا تم یزید کے نمک خوار ملازم نہیں ہو؟

نعمان ! میں یزید کا ملازم ضرور ہوں لیکن میں عقیدت کے اس سیلاب کو کس طرح روک سکتا تھا جبکہ عوام کے ساتھ فوج کا کچھ حصہ بھی امام عالی

مقام کے مداحوں میں ہے۔

ابن زیاد ! تمہیں طاقت استعمال کرنا تھی مسلم ابن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آتے ہی اس کا سر قلم کروادیتے تو کوفیوں کا سارا جوش وخروش اسی وقت ٹھنڈا ہو جاتا۔

نعمان ! ابن زیاد ہوش کی دوا لو میں خاندان مصطفیٰ کے چشم و چراغ کا سر کس طرح قلم کرواسکتا ہوں کیا تم اس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی نہیں ہو جس کے یہ عزیز ہیں۔

ابن زیاد ! تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم بھی اس حق میں ہو کہ حسین علیہ السلام کو من مانی کرنے دی جائے اور یزید کی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے؟

نعمان ! میرا یہ مطلب تو نہیں لیکن میں اس کا انکار نہیں کرسکتا کہ مجھے اہل بیت سے محبت ضرور ہے۔

ابن زیاد ! اہل بیت سے محبت کا صاف مطلب یہ ہے کہ تم امیر شام کے دشمن ہو اس لئے یہ لو امیر شام کا حکم نامہ جس میں تمہیں حکومت کا بد خواہ ہونے وجہ سے معزول کردیا گیا ہے۔

شک یقین میں بدل گیا

نعمان پہلے ہی جان گئے تھے کے یہ شیطان خیر کے ساتھ تو ہرگز نہیں

آیا۔اب شک نے یقین کی صورت اختیار کر لی آپ نے دل ہی دل میں ٹھنڈی آہ بھر کر الحمدللہ کہا اور دارالامارت کے باہر آ گئے۔

الحمدللہ تو اس لئے کہا کہ میں اس امتحان سے بچ گیا جو امام عالی مقام کے آنے کے بعد شروع ہوتا ہو سکتا ہے کہ حکومتی نظم ونسق برقرار رکھنے کے لئے اہل بیت کے ساتھ کوئی زیادتی ہو جاتی۔

اور ٹھنڈی آہ اس لئے بھری تھی کہ بصرے کا یہ ظالم گورنر انسان کے روپ میں شیطان ہے اور اہل بیت کے ساتھ کسی بھی قسم کے ظلم و زیادتی سے باز نہیں رہے گا رات ہی رات کوفہ میں گردش کرتی ہوئی ہر شخص تک پہنچ گئی کہ نعمان گورنری سے معزول ہو چکے ہیں اور ان کی جگہ اب ابن زیاد عامل کوفہ بن گیا ہے اس خبر نے کوفیوں کی نیند حرام کر دی اور ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر بیتاب نظر آنے لگا۔

کوفیوں کا کردار

صبح طلوع ہوتی ہے آج بجائے نعمان کے ابن زیاد کا دربار لگتا ہے اور وہ اپنی عیار نگاہیں اپنے درباریوں کے چہروں پر گاڑ دیتا ہے۔اور پھر اپنی مرضی کے چند لوگ منتخب کر لیتا ہے۔

بند کمرے میں منتخب لوگوں سے مشورہ کیا۔مکمل طور پر حالات سے آگاہی حاصل کی کچھ لوگوں کو خرید کر انہیں دوسروں کو خریدنے کے لئے بازار

بھیج دیا۔ پہلا پتا پھینکتے ہی خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا۔ کئی کام کے آدمی خرید لئے گئے۔ پھر دوسرا پتا پھینک دیا گیا۔ ایک کھلا اجلاس طلب کیا گیا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ادھر اُدھر مسلح فوجی دستے بھی پھیلا دیئے گئے۔ اس کی اپنی فوج بھی شہر میں داخل ہو چکی تھی۔

گفتگو میں زبردستی نرمی پیدا کر کے لوگوں کو فضا سازگار رکھنے اور پرامن رہنے کی تلقین کی گئی اور ساتھ ہی ساتھ بدامنی کے نتائج سے دبے الفاظ سے آگاہ کر دیا۔

دونوں حربے نہایت کارگر ثابت ہوئے کوفیوں کا جوش وخروش کافی حد تک تھم چکا تھا۔

کوفیوں کا رویہ تبدیل ہو گیا

اب لوگ امام عالی مقام کی حمایت کا ذکر تو کرتے تھے لیکن یزید کے خلاف کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالتے تھے۔

پھر ایک اور اجلاس ہوا لوگوں کو سیاست چھوڑ کر کاروبار میں دلچسپی لینے پر زور دیا گیا۔ سیاست کے نقصانات اور کاروباری فوائد گنوائے گئے۔

جنگ وجدل کی ہولناکیوں سے ڈارایا گیا اور امن وآشتی کی خوبیوں سے آگاہ کیا گیا۔

اب تقریر کرنے والا ابن زیاد نہیں تھا بلکہ یہ مقرران لوگوں میں سے

تھے جنہوں نے امام عالی مقام کو خطوط لکھے تھے جنہوں نے امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استقبال کیا تھا اور جو یزید کی حکومت کا تختہ الٹنے کا خواب دیکھا یا کرتے تھے۔

ان لوگوں کا عوام کے سامنے اس روپ میں آنا جو اثرات مرتب کر سکتا تھا وہ پورے طور پر نمایاں ہو گئے۔امام مسلم کا حلقہ اب کوفہ کی جامع مسجد تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔لوگ ہزاروں کی تعاداد میں نماز کے وقت مسجد میں آتے اور حضرت مسلم کی اقتدا میں نماز پڑھتے۔

لیکن اب نماز کے بعد مسجد میں ٹھہرنے کے لئے کوئی بھی تیار نہ ہوتا۔لوگ ہر نماز کے فوراً بعد اپنے اپنے دنیاوی مشاغل میں مصروف ہو جاتے۔

امام مسلم کی پریشانی

امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوفہ وا؛وں کی تبدیلی دیکھ کر انتہائی پریشان تھے انہیں اپنی فکر تو کم تھی لیکن انہیں اس خط کا غم تھا جو امام عالی مقام شہزدۂ گلگلوں قبا کے نام لکھ چکے تھے۔

وہ سوچتے رہے کہ جب امام آئیں تو یہ لوگ اور بھی بدل چکے ہونگے۔

چند لوگ باقی ایسے تے جن کے پاس آپ شب باشی فرماتے تھے ان کے سامنے اپنے ان خدشات کا اظہار کیا کہ یہاں حالات خراب ہو چکے ہیں کسی طرح امام عالی مقام کو اطلاع دے دی جائے کہ وہ کوفہ تشریف نہ

لائیں راستے میں جہاں بھی ہیں وہیں سے واپس چلیں جائیں۔

وہ لوگ تسلی دیتے اور وعدہ کرتے کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں چند دنوں تک اس نئے حاکم کو ہم اپنے قابو میں کرلیں گے اور پھر فضا سازگار ہو جائے گی۔آپ بالکل فکر نہ کریں۔

لیکن جب صبح ہوئی تو ان کے پاس ابن زیاد کا آدمی بلانے کے لئے آ گیا کہ وہ حضرت مسلم کو لیکر میرے پاس آئیں وہ بے خوف ہو کر چلے گئے

ابن زیاد نے حضرت مسلم پر سوال کیا کہ آپ لوگوں میں تفریق پیدا کرنے کے لئے یہاں آئے ہیں۔

حضرت مسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہرگز نہیں۔

ہم تو ان کے پاس اس لئے آئے ہیں کہ ان کو انصاف کا حکم دیں اور انہیں کتاب اللہ کے احکام کی طرف بلائیں۔

ابن زیاد ! آپ جو بھی کرنا چاہتے ہیں یا کر رہے ہیں اس کو حکومت برداشت نہیں کرسکتی۔اس لئے اس سلسلے کو بند کردو۔

امام مسلم ! ابن زیاد ہم یہاں اپنی مرضی سے نہیں آئے بلکہ ہمیں ان لوگوں نے سینکڑوں خطوط لکھ کر منگوایا ہے۔

ابن زیاد ! میں جانتا ہوں لیکن اب یہ لوگ میری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرسکتے۔اس لئے پہلا خیال دل سے نکال دو۔

حضرت مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحث کو طول نہیں دینا چاہتے تھے

اس لئے خاموشی سے واپس تشریف لے آئے۔

مغرب کی نماز کا وقت ہے کہ کوفہ کے لوگ حسب معمول مسجد میں آ رہے ہیں وضو کر چکے ہیں جماعت شروع ہونے والی ہے مسجد کے باہر کسی نے اعلان کر دیا جو شخص امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے پاس رکھے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔

کوفی بھاگ گئے

جناب مسلم نے اللہ اکبر کہا اور نماز کی نیت باندھ لی ہزاروں کی تعداد میں لوگ آپ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے فرضوں کی نماز پوری ہوئی نائب حسین علیہ السلام نے سلام پھیرا۔ دعا مانگی اور سنتوں کی نیت باندھ لی سنتوں کے بعد نوافل پڑھ کر فارغ ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا تو مسجد خالی تھی۔

صرف ایک نحیف وضعیف بزرگ ہاتھ میں تسبیح لئے بیٹھا تھا۔ آپ حیران ہو کر بوڑھے سے سوال کرتے ہیں۔ بابا کیا ہوا سب لوگ کدھر چلے گئے کیا نہیں زمین کھا گئی یا آسمان نے اٹھا لیا۔

حضرت ھانی کی امام سے محبت

بابا آتا ہے آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ حضور یہاں حالات بالکل خراب ہو چکے ہیں نماز کے وقت مسجد کے باہر اس قسم کا اعلان ہوا تھا جسے سن کر سب لوگ بھاگ گئے۔

میرا نام ہانی ہے۔ میں نے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی ہے اور مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی ہونے کا شرف حاصل ہے۔

آیئے آپ میرے گھر تشریف لے آئیں۔ میں جیسا بھی ہوں سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل بیت کا خادم ہوں۔ میرے گھر کے دروازے آپ پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کھلے رہیں گے۔

اور میں اسی ارادہ میں یہاں پیچھے رہ گیا تھا کہ آپ کو اپنے ساتھ لے جاؤں۔ شام گہری ہو چکی تھی۔ لوگوں نے ڈر کی وجہ سے اپنے دروازے بند کر رکھے تھے کہ کہیں امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے گھر آ جائیں ایک روایت میں ہے کہ مختار ثقفی کا گھر چھوڑ کر آپ پہلے ہی حضرت مسلم تو حضرت ہانی کے ہاں رہائش پذیر تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب آپ کوفہ میں جائے پناہ تلاش کر رہے تھے۔ تو حضرت ہانی نے پہلے انکار کیا اور پھر پناہ دے دی۔

آپ کے بچے کسی دوسرے کے گھر تھے آپ نے حضرت ہانی کو بلا کر فرمایا! بابا میرے ساتھ دو بچے بھی آئے تھے صبح ان کا بھی پتا کر ہے۔ مجھے ان کی فکر بہت ہے۔ یہ ارشاد فرما کر پھر امام عالی مقام کی تشریف آوری پر غور و فکر کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ عشاء کی نماز کے بعد اوراد و وظائف کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

جاسوسوں کو خبر ہو گئی

بعد ازاں آرام کی غرض سے لیٹتے ہیں لیکن آرام کہاں۔ تمام رات کروٹیں بدلتے بدلتے اور سوچتے سوچتے گذر جاتی ہے۔

آپ جاگ ہی رہے ہوتے ہیں کہ اذان فجر کی آواز آجاتی ہے آپ نے خیال فرمایا کہ مسجد تش یف لے جائیں۔ پھر کچھ سوچ کر وہیں نماز فجر ادا کی۔

صبح ہوئی تو ہر گھر میں آپ کی تلاش جاری تھی۔ آخر کسی نہ کسی طرح شیطان کے جاسوسوں نے معلوم کر لیا کہ آپ حضرت ہانی کے گھر تشریف فرما ہیں۔

حضرت ہانی کو بلاوا

ابن زیاد نے سپاہیوں کو بھیج کر حضرت ہانی کو دارالامارت میں بلوالیا اور سوال کیا کہ بابا! مسلم ابن عقیل تمہارے گھر میں ہیں۔

حضرت ہانی ! ہاں میرے غریب خانہ پر ہی ہیں لیکن تم انہیں تلاش نہیں کر سکتے۔

ابن زیاد ! کیا آپ نے اعلان نہیں سنا تھا کہ مسلم کو پناہ دینے والے کو قتل کر دیا جائے گا

حضرت ہانی ! میں نے یہ اعلان سنا تھا۔ لیکن میں صحابی رسول ہوں اور

حضرت مسلم اہل بیت رسول ہیں۔

بابا مجھے تمہارے بڑھاپے پر ترس آ گیا ہے۔ ورنہ میں تجھے ضرور قتل کر دیتا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل بیت کو پناہ دینے والے کو قتل کی غرا دینا اسلام میں جائز ہے۔

ابن زیاد ! ﴿گرم ہوکر﴾ بوڑھے مسئلے مت کرو میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے اس لئے جاؤ اور ابھی مسلم کو ساتھ لیکر حاضر ہو جاؤ۔

حضرت ہانی ! ابن زیاد ! بیشک تم کوفہ کے گورنر ہو لیکن میں یہ تمہاری بات نہیں مان سکتا۔

ابن زیاد ! کیوں ؟

حضرت ہانی ! اس لئے کے میں نے حضرت مسلم کو پناہ دے رکھی ہے میں انہیں کسی قیمت پر تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔

ابن زیاد ! اچھا صرف یہ بتادو کہ مسلم کو تم نے کہاں چھپا رکھا ہے؟

حضرت ہانی ! میں یہ بھی نہیں بتاؤں گا میں نے انہیں ایسی جگہ چھپا رکھا ہے۔ جہاں تمہارے خونی ہاتھ نہیں پہنچ سکتے۔

ابن زیاد ! غصے سے پاگل ہو جاتا ہے اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بوڑھے صحابی کے چہرے پر زور زور سے چھڑی کی ضرب میں لگاتا ہے۔ بابا ہانی کی چیخ نکل جاتی ہے لیکن چابک کھانے کے باوجود بھی آپ نے حضرت مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش کرنے کا اقرار نہ کیا۔ ابن زیاد نے

سپاہیوں کو حکم دیا کہ بوڑھے کو گرفتار کرلو میں مسلم کو خود تلاش کرلوں گا۔

عارضی جوش

جناب ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ کے معززین میں شمار ہوتے تھے ان کے بلائے جانے کا تو پہلے ہی پتہ لگ چکا تھا لیکن اب یہ افواہ بھی مشہور ہو گئی کہ پہلے انہیں گرفتار کیا گیا تھا لیکن اب انہیں قتل بھی کر دیا گیا ہے۔

اس افواہ نے کوفیوں میں پھر ایک جوش سا پیدا کر دیا۔ حضرت مسلم نے یہ خبر سنی تو آپ باہر تشریف لے آئے اور فرمایا کہ ہم اپنے محسن کا ضرور انتقام لیں گے خواہ تم ہمارا ساتھ دو یا نہ دو۔

خدا جانے وہ لوگ اتنی تیزی سے اکٹھے کس طرح ہو جایا کرتے تھے دارالامارت کے سامنے ہزاروں کا مجمع تھا اور نعرے پر نعرہ لگ رہا تھا کہ ابن زیاد ! تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی کو شہید کیا ہے۔ ہم تمہارے گورنر ہاؤس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ ہم تیری فوج کو بھی دیکھ لیں گے۔ آج ہم خون کی ندیاں بہا دینے کے لئے جمع ہوئے ہیں لیکن ان سے خون کا ایک قطرہ بھی گرایا نہ گیا۔

ابن زیاد کی سیاست

ابن زیاد نے صورت حال کو بھانپ لیا۔ اس سے خود سامنے ہونے ہونے کے بجائے ان جیسے ہی چند آدمیوں کو ان کے پاس بھیج دیا۔

وہ کوفے کے چند سرداروں کے مل کو کہنے لگے کہ آپ عجیب لوگ ہیں۔خواہ مخواہ ذرا ذرا سی بات پر مشتعل ہو جاتے ہو۔حضرت ہانی کو ہرگز قتل نہیں کیا گیا۔وہ بڑے آرام سے اُوپر بیٹھے ہوئے ہیں۔ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ان کے غصہ دلانے سے ابن زیاد نے ایک دو چھڑیاں لگا دی ہیں جس کا ہمیں بھی بے حد افسوس ہے اور خود ابن زیاد کو بھی افسوس ہے وہ اس شرمندگی کی وجہ سے آپ لوگوں کے سامنے نہیں آیا۔ورنہ وہ ڈرنے والا تو ہے نہیں۔ہمیں حکومتوں کے چکر سے کیا لینا ہے۔ہم خواہ مخواہ کیوں اپنی عورتوں کو بیوہ کریں اور اپنے بچوں کو یتیم بنائیں۔

آپ ایسا کریں چند معتبر لوگوں کو ہمارے ساتھ بھیج دیں جو حضرت ہانی کو دیکھ لیں۔

درباریوں کی جھوٹی گواہی

چنانچہ آدمی گئے اور انہوں ن آ کر لوگوں کو بتا دیا کہ حضرت ہانی زندہ ہیں گھبرانے کی کوئی بات نہیں، یہ صرف افواہ تھی جس نے ہم سب کو پریشان کر دیا تھا گورنر انہیں چھڑی مار دینے کی وجہ سے سخت شرمندہ ہے اور وہ ہانی سے معافی مانگ رہا ہے اور یہ بات بالکل ہی گول کر گئے کہ ہانی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔چند ہی لمحوں میں مجمع منتشر ہو کر کائی کی طرح پھٹ گیا۔اور جناب مسلم پھر بے مددگار اکیلے کے اکیلے رہ گئے۔

مسلم ہانی کا گھر چھوڑ دیتے ہیں

حضرت مسلم نے جب کوفیوں کی یہ حالت دیکھی تو آپ سخت مضطرب ہوئے آپ نے رات کے وقت ہانی کا گھر چھوڑ دینے کا فیصلہ کر دیا وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی وجہ سے کوئی شخص مصیبت میں گرفتار ہو انہیں یقین تھا کہ ہم یہاں نہیں ہونگے تو ہانی کر دئے جائیں گے۔

آپ کی عجیب حالت کوئی ایسا شخص نہیں ملتا جس سے بچوں کے متعلق معلومات حاصل کریں کوفہ کو چھوڑنا بھی دشوار ہو چکا ہے اور رہنا مشکل ہے آخر آپ نے فیصلہ کیا کہ آج کی رات گذارنے کے بعد کوفہ کو ہر حالت میں چھوڑ دیا جائے گا شاید کسی طریقہ سے بچوں کا سراغ مل سکے۔

رات کے وقت آپ اسی خیال سے اپنا ٹھکانا چھوڑ دیتے ہیں اور عجیب کسمپرسی کے عالم میں ادھر ادھر دیکھ رہے ہیں تمام کوفہ والیان دنوں شام ہی اپنے دروازے بند کر لیتے تھے کہیں کہیں ابن زیاد کے سپاہی کتوں کی طرح بو سونگھتے پھرتے ہیں کہ کہیں حضرت مسلم ہاتھ آ جائیں تو وہ ان کو گرفتار کر کے ابن زیاد سے شاباش حاصل کریں۔

آپ ان کی نظروں سے بچتے بچاتے گلیوں کے موڑ کاٹ رہے ہیں کہ ایک دروازہ کھلا ہوا نظر آ جاتا ہے کچھ امید کی صورت نظر آتی ہے آپ آگے بڑھتے ہیں چراغ کی مدھم لو میں ایک ضعیفہ کا چہرہ نظر آیا جو دروازہ کی

دہلیز کے ساتھ اس طرح لگی بیٹھی ہے جیسے کسی کی منتظر ہو

آپ ضعیفہ کو سلام کیا اس نے جواب دے کر پوچھا بیٹا! آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا اماں میں مسافر ہوں کبھی مدینۃ الرسول میں رہا کرتا تھا ضعیفہ کسی خیال کے تحت ایک دم خوش ہو کر پوچھتی ہے بیٹا! آپ مسلم بن عقیل تو نہیں؟ ہاں اماں میں وہی بدنصیب ہوں جس کا آپ نے نام لیا ہے۔

بڑھیا خوشی سے بے قابو ہو کر آپ کی بلائیں لینے لگتی ہے اور آپ کو اندر آ جانے کی دعوت دیتی ہے آپ اندر آ جانے کی دعوت دیتی ہے آپ اندر تشریف لے جاتے ہیں تو بڑھیا نے نہایت ادب سے کھانے کے متعلق عرض کیا۔ آپ نے فرمایا ماں! میں نے بہت کچھ کھا پی لیا ہے میرا ایک کام ہے۔ اگر وہ آپ کسی طرح کر دیں تو آپ کو دعا دوں گا۔ پہلے آپ یہ بتائیں کہ آپ نے دروازہ کیوں کھولا ہوا ہے اور کس کا انتظار کر رہی ہیں جبکہ تمام کو فہ والے میری وجہ سے سرِ شام ہی دروازے بند کر لیتے ہیں

حضور! میرا ایک بیٹا ہے جو سرکار کی نوکری کرتا ہے اور اسے رات ہی کو چھٹی ملتی ہے بس اس کا ہی انتظار تھا کہ میرے گھر میں خدا کی رحمت آ گئی اب آپ مجھے حکم فرمائیں کہ آپ کو مجھ سے کیا کام لینا ہے اگرچہ میرے جسم میں طاقت نہیں ہے پھر بھی مجھ سے جہاں تک ہو سکا میں اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ضروری کام آؤں گی۔

آپ نے فرمایا! میرے ساتھ دو بچے آئے تھے جن کے تعلق

مجھے معلوم نہین کہ وہ اس وقت کہاں ہیں۔

بس ان کا پتہ لگانا ہے کہ وہ کہاں ہیں وہ مجھے مل جائیں تو میں کوفہ چھوڑ دوں اور جلد از جلد امام عالی مقام کو راستہ ہی میں یہاں کے حالات سے آگاہ کر کے واپس لے جاؤں۔

ضعیفہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا کہ یا حضرت یہ تو بہت معمولی کام ہے میرا بیٹا سرکاری ملازم ہے۔

اسے اس بات کا پتہ ہوگا کہ آپ کے بچے اس وقت کہاں ہیں کیونکہ حکومت آج کل آپ کے متعلق بہت چھان بین کر رہی ہے وہ گھر میں آلے تو میں اسے ابھی بھیجوں گی کہ جس طرح بھی ہو سکے بچوں کو ساتھ لے آئے۔

امام مسلم کو ضعیفہ کی باتوں میں صداقت ہی نظر آئی اور کوفہ کے اندھیرے میں کچھ نہ کچھ امید کی کرن ظاہر ہوئی۔

تھوڑا عرصہ گذرنے کے بعد بڑھیا کا بیٹا بھی آ گیا اور حضرت مسلم کو اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے دیکھ کر کچھ ہڑ بڑا سا گیا اور پھر آپ کو سلام کر کے بیٹھ گیا۔ بڑھیا اس کے لئے کھانا لائی۔ وہ کھنا کھاتا رہا اور اس کی ماں بڑے پیار سے بچوں کو تلاش کر کے لانے پر آمادہ کرتی رہی۔

بڑھیا جب گفتگو ختم کر چکی تو اس نے کچھ سوچ کر وعدہ کر لیا کہ ماں! میں آپ کا حکم کیسے ٹال سکتا ہوں، اور یہ تو میری بہت بڑی سعادت ہے کہ میں اہل

بیت مصطفیٰ کے کسی کام آسکوں۔

مجھے امام کے صاحبزادوں کے متعلق سب کچھ پتہ ہے وہ قاضی شریح کے گھر میں موجود ہیں۔

میں تھوڑی دیر آرام کرلوں پھر آدھی رات کے بعد جب پہرے کے سپاہیوں کو نیند آجائے گا اور صبح ہونے سے پہلے پہلے شہزادوں کو ساتھ لا کر آپ حوالے کردوں گا۔اور پھر وہ جناب مسلم کو بڑے ادب سے سلام کو کے سوگیا دروازہ بند کردیا گیا۔

حضرت مسلم کی شہادت

حضرت امام مسلم چار پائی پر لیٹے ہوئے کروٹ پر کروٹ بدل رہے ہیں نیند کا کہیں دور دور تک پتہ نہیں کبھی شہزادوں کی فرشتوں جیسی معصوم صورتیں سامنے آجاتی کبھی اپنی کسمپرسی کا خیال آجاتا ہے کبھی کوفیوں کی بے وفائی سے الجھن ہونے لگتی ہے اور کبھی امام عالی مقام کی کوفہ میں آمد کا خیال دل کو تڑپا کور کھ دیتا ہے۔

کبھی آپ سوچتے ہیں کہ بچے اگر صبح سے پہلے آبھی جائیں تو سواری کا انتظام ابھی باقی ہے۔پھر خیال آجاتا ہے کہ بڑھیا کے بیٹے نے کہیں جھوٹ ہی نہ بولا ہو پھر سوچتے ہیں کہ بڑھیا کو باتوں میں تو سچائی ہی سچائی تھی۔

لیکن اللہ تعالیٰ زندوں سے مردے بھی پیدا کر دیتا ہے پھول اور کانٹے کا بھی رشتہ ہے ۔ بہت ممکن ہے بڑھیا کی عقیدت کے پھول کے ساتھ اس کا بیٹا کانٹا ثابت ہو اور یہ بجائے بچوں کے لانے کے ہمیں دھوکہ دیا

بس اسی قسم کے سینکڑوں خیالات کا تانا بانا بندھا ہوا تھا۔ ادھر بڑھیا کا بیٹا چار پائی پر لیٹا ہوا اسی قسم کے تانے بانے بن رہا تھا۔ میں آدھی رات کے بعد اٹھوں گا۔ اور پہرے داروں سے مل کر کسی نہ کسی طرح کوفہ کے گورنر تک رسائی حاصل کروں گا۔

میں انہیں بتاؤں گا انتہائی ضروری اطلاع ہے جو میں براہ راست گورنر کو دوں گا۔ لیکن تمہارے ساتھ ایک وعدہ ضرور کرتا ہوں کہ انعام و اکرام میں تم میرے ساتھ برابر کے حصہ دار ہو گے اور ہمارے گھر میں چند سپاہی آئیں گے ۔ اور نہایت آسانی سے ابن عقیل کو قید کر کے لے جائیں گے۔

یہ میرے انتہائی خوش بختی ہے کہ شکار خود چل کر میرے گھر میں آ گیا ہے۔ میں بھی اب امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی بسر کروں گا۔

رات کا تیسرا پہر ہے ۔ مائی طوعہ جس کے گھر میں حضرت امام مسلم ٹھہرے ہوئے تھے اپنے بیٹے کو آواز دیتی ہے ۔ بیٹا بلال اٹھو ! اور جا کر جلدی سے جلدی بچوں کو لانے کی کوشش کرو۔

طوعہ کا بیٹا بلال

اٹھتا ہے۔ گھر کا دروازہ کھولتا ہے اور باہر نکل جاتا ہے۔

بیٹے کو بھیج کو بڑھیا خدا کے دربار میں ہاتھ اٹھا دیتی ہے۔ یا اللہ! میرا بچہ جلد ہی جلد امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہزدوں کو لے کر آ جائے تا کہ میں قیامت کے دن سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ کے سامنے سرخروئی حاصل کر سکوں خداوندا ! میرے اٹھے ہوئے بڑھے ہاتھوں کی لاج رکھ لینا۔

اُدھر حضرت مسلمؓ نے بھی طوعہ کے بیٹے کو جاتے ہوئے دیکھا۔ اس کے گھر سے نکلنے کا انداز درست نہیں تھا۔ آپ نے اندازہ لگا لیا کہ اس کی نیت خراب ہے لیکن آپ خاموش رہے۔

نماز تہجد کا وقت ہو چکا تھا آپ نے وضو فرمایا اور مصروف نماز ہو گئے تہجد کے نوافل ادا کرنے کے بعد آپ دیگر اوررادو وظائف میں مشغول ہو گئے اور پھر صبح کی اذان ہو گئی۔ آپ نے نماز فجر بھی ادا کر لی لیکن طوعہ کا بیٹا اب تک بھی نہیں آیا تھا جوں جوں وقت گزرتا جاتا۔ آپ کی پریشانی بڑھتی جاتی ہے۔

مختلف خیالات کا ہجوم دماغ پر ہتھوڑے برسا رہا ہے۔

آپ طلوع سحر سے پہلے پہلے کوفہ چھوڑ دینا چاہتے تھے لیکن بچوں کا ابھی تک کچھ بھی پتہ نہیں لگ سکا تھا ادھر ابن زیاد کی مکمل ناکہ بندی کر رکھی تھی مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل کی حالت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے وطن دور

زمانہ دشمن بچوں کی جدائی اور ان مصیبتوں سے بڑھ کر امام عالی مقام کو خط لکھنے کا غم سینے میں ایک طوفان بپا کیئے ہوئے ہے آپ سوچتے ہیں کہ امام عالی مقام ان ظالموں کے شکنجے میں آ گئے تو کیا ہوگا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جگر گوشۂ بتول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگر پوچھ لیا کہ مسلم یہ کیا ہے تو پھر میں کیا جواب دوں گا۔ آپ انہی ذہنی اُلجھنوں میں مبتلا ہیں کہ دروازے کے باہر شور کی آواز آئی۔

آپ کے دل دھڑکن تیز ہو جاتی ہے۔ آنے والے لمحات کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے آپ کو یقین ہو گیا کہ مائی طوعہ کے بیٹے بلال نے دھوکہ دیا ہے اور وہ بجائے بچوں کو لانے کے ابن زیاد کے درندوں کو لے آیا ہے۔

باہر سے آواز آتی ہے مسلم باہر آؤ اور خود کی حراست مین سمجھو! آپ کیلیئے ایسا ہو جانا غیر متوقع نہیں تھا۔

آپ نے دروازے کے باہر نہیں دیکھا کوفی فوج کے سینکڑوں سپاہی صفیں باندھے کھڑے تھے بی بی طوعہ کے گھر کا مکمل طور پر گھراؤ کیا چکا تھا کوتوال شہر محمد ابن اشعث آگے بڑھتا ہے اور چاہتا ہے کہ آپ کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دے لیکن آپ اس کا ہاتھ جھٹک کو فرماتے ہیں پہلے میرے سوال کا جواب دو۔

ابن اشعث ! آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔

امام مسلم ! یہ بتاؤ کہ صرف ایک شخص کو گرفتار کرنے کے لئے اتنی بڑی فوج کی کیا ضرورت تھی۔

ابن اشعث ! اس بات کا ڈر تھا کہ کہیں پھر کوفے والے آپ کی حمایت پر نہ نکل آئیں۔

امام مسلم! محمد بن اشعث ! مقابلہ تو اب بھی ہوگا۔

ابن اشعث ! اب اس غلط فہمی کو دل سے نکال دیں اور مقابلے کو بھول جائیں۔

امام مسلم ! کیوں! مقابلہ کیوں نہیں ہوگا؟

ابن اشعث ! اس لئے کے کوفہ کا رہنے والا ہوں۔ میں یہاں کے باشندوں کی نفسیات کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ یہ لوگ ایک ایک لمحہ میں کئی کئی رنگ بدلتے ہیں۔

امام مسلم! تم ٹھیک کہتے ہو امام حسین علیہ السلام کے نام لکھے جانے والے خطوط میں تمہاری بھی مہر تھی لیکن اب تم میری گرفتاری کے لئے آچکے ہو۔

تمہاری طرح ثابت بن ربیع حجار بن الحیر یزید ین الخرشا، یزید ین رابعہ عروہ بن قیس اور عمر بن اجاج زبیدی کے بھی نام تھے۔ لیکن وہ سب بھی حکومت کے ساتھ مل بیٹھے ہیں۔

ابن اشعث ! میں آپ سے شرمندہ ہوں۔ میں واقعی امام عالی

مقام کے حامیوں میں سے تھا اور میں نے کئی خطوط پر دستخط بھی کئے ہیں یہاں کے سب لوگ میری ہی طرح حالات دیکھ کر بدل جاتے ہیں میرا مشورہ ہے کہ آپ خود کو ہمارے حوالے کر دیں۔

کیونکہ اب کوئی شخص بھی آپ کی حمایت کو نہیں آئے گا ہانی بن عروہ کو قتل کیا جا چکا ہے لیکن اب اس کے سارے ہمدردوں کی زبانیں گنگ ہیں۔ حالانکہ پورا شہر ایک دفع ہانی کا انتقام لینے کے لئے آپ کے ساتھ نکل آیا تھا۔

امام مسلم:۔ کیا یہ سچ ہے کہ ہانی شہید کر دیے گئے؟

کوتوال:۔ بالکل درست ہے حاکم شہر نے بہت کوشش کی کہ وہ آپ کو پیش کر دیں لیکن وہ مسلسل انکار کرتے رہے۔ آخر ان کا سر تن سے جدا کر دیا گیا۔

امام مسلم کو حضرت ہانی کی شہادت کا انتہائی صدمہ ہوا آپ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے آپ نے **انا للہ وانا الیہ راجعون** پڑھا اور کوتوال کو غصے سے فرمایا! اب مقابلہ ہو کر ہی رہے گا میں تمہارے ہاتھوں گرفتار ہو کر بے بسی کی موت پر بہادروں کی موت کو ترجیح دیتا ہوں میں بزدلوں کی طرح ہاشمی خون کی غیرت کو نیلام نہیں کر سکتا تم لوگوں نے میرے محسن ہانی کو شہید کیا ہے مجھے اس کے خون کا بدلہ بھی تو تم سے لینا ہے

کوتوال ایک لمحے کے لئے کچھ سوچتا ہے اور پھر اس نے سپاہیوں

کی طرف اشارہ کردیا کہ یہ اکیلے ہیں ان کا کوئی حمائتی آگے نہیں بڑھے گا تم
آگے بڑھ کر چاروں طرف سے گھیر لو۔

آج ان کی حمایت کر کے کوئی اپنی عورت کو بیوہ اور اپنے بچوں کو یتیم
بنانا پسند نہیں کرے گا اور اگر کوئی اس کا خواہش مند ہو تو اسکی بھی خواہش پوری
کر دو۔ سپاہیوں کا دستہ آگے بڑھتا ہے امام مسلم نے چاروں طرف ایک
طائرانہ نظر ڈالی اور محسوس کرلیا کہ کوفیوں کے بے غیرت خون میں جوش ایمانی
کی کوئی رمق باقی نہیں۔

تمام لوگ یا تو کچھ تماشائی بنے دور کھڑے ہیں یا گھروں میں
دبکے پڑے ہیں البتہ بی بی طوعہ دروازے میں کھڑی چیخ رہی ہے نالہ وشیون
اور فریاد وفغاں کر رہی ہے کہ ظالمو! اہل بیت مصطفٰے پر ظلم نہ کرو مگر اس بے
چاری کی کون سنتا ہے

ھاشمی تلوار چلتی ھے

ابن زیاد کا پورا دستہ آگے بڑھتا ہے امام مسلم بھی تلوار کھینچ لیتے ہیں حیدری کچھار کے شیر کی تلوار بجلی کی طرح کوند جاتی ہے سامنے آنے والوں میں سے کسی کا سر نہیں کسی کس بازو نہیں۔ کسی کا سینہ کٹ گیا اور کسی کا شانہ زخمی ہو گیا جو بھی سامنے آتا گاجر مولی کی طرح کٹ جاتا۔

نائب حسین کی تلوار گردنوں پر اس طرح پھر رہی ہے جیسے سطح آب پر مچھلی تیر رہی ہو خون میں ڈوبی ہوئی تلوار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہاشمی شہزادے کی تلوار کو بھی جلال آ گیا ہے اور وہ غصے سے سرخ ہو رہی ہے۔

سردار بطحا حضرت ابو طالبؓ کا پوتا، عقیل کا بیٹا اور حیدر کرار کا بھتیجا کوفہ والوں کو ہاشمی خون کے جوہر دکھانے پر تلا ہوا ہے۔

قوت ید اللّٰہی پورے جلال جبروت کے ساتھ سامنے آ چکی ہے جذبۂ حسینیت کا پورے احتشام ووقار کے ساتھ ظہور ہو چکا ہے۔ احقاق حق اور ابطال باطل کی تصویر کھینچی ہوئی ہے۔ دھڑوں سے سروں کا بوجھ اتر رہا ہے آگے بڑھنے والے دستے کا مکمل صفایا ہو جاتا ہے۔

کوفے کے عوام دور کھڑے حیدری شیر کی قوت کا مظاہرہ دیکھ رہے ہیں کاش ان لوگوں کے خون میں وفا کی بھی تھوڑی سی بھی حرارت ہوتی اور یہ امام مسلم کا ساتھ دے دیتے تو اب یزیدی فوج کے ٹکڑے اڑا دیے جا

سکتے تھے۔ابن زیاد کی تکہ بائی کی جاسکتی تھی۔لیکن وہ یہ حرارت لاتے کہاں سے اگر ان میں بوئے وفا آ جاتی تو ان کی بے وفائی ضرب المثل کیسے بنتی اکیلا ہاشمی شہزادہ قوّت خیبر شکن کا مظاہرہ کررہا ہے۔

ابن زیاد کے سپاہی آگے بڑھتے ہوئے ڈرتے ہیں۔امام حسینؑ کا شیر خود آگے بڑھ بڑھ کر ظالموں کو موت کی نیند سلا رہا ہے۔

اندازہ کیجئے کہ اس جنگ کا نقشہ کیا ہوگا ایک طرف اکیلا ہے جس کے پاس نہ گھوڑا ہے نہ ڈھال، نہ زرہ ہے نہ خود، نہ نیزہ ہے نہ برچھی، فقط ایک تلوار ہے اور ضرب حیدر کرّار اور دوسری طرف دشمنوں کی تعداد سینکڑوں تک ہے ان کے پاس نیزے ہیں، برچھیاں ہیں، ڈھالیں ہیں، تلواریں ہیں کمانیں ہیں تیر ہیں، لیکن اس کے باوجود سامنے آنے سے ڈرتے ہیں اب سامنے سے، عقب سے، دائیں سے بائیں سے، چاروں طرف سے حملہ ہوجاتا ہے۔

لیکن امام مسلم کی تلوار ہے کہ جیسے ناچ رہی ہو چاروں جانب اپنا ہی لوہا منوا رہی ہے ہر طرف ایک ہی جیسی کاٹ کر رہی ہے۔

تیروں کا مینہ برس رہا ہے۔کئی کئی تلواریں ایک ساتھ چل رہی ہیں نیزوں کی باڑھ آ رہی ہے

لیکن محمدؐ عربی کا سپاہی، حیدر کرّار کا شیر، شبیر کا نائب، ابو طالب کا پوتا، عقیلؑ کا شہزادہ، جعفر طیار کا بھتیجہ تن تنہا بہادری کے وہ جوہر دکھاتا ہے کہ

دیکھنے والے حیران و ششدر رہ جاتے ہیں۔

ابن زیاد کے چند سپاہی کوٹھے کی چھت پر چڑھ کر اوپر سے تلواروں کا مینہ برساتے ہیں، آگ کی بارش کرتے ہیں اور عورتوں کی طرح اینٹ پتھر جو بھی ہاتھ آتا ہے مارنا شروع کر دیتے ہیں۔ پھر بھی آپ شیر کی طرح چھلانگ لگا کر ایک ہی جست میں کوٹھے پر پہنچ جاتے ہیں۔

تلوار چل رہی ہے سپاہی کٹ رہے ہیں اور باقی ماندہ نیچے چھلانگیں لگا دیتے ہیں ابن اشعث نے ہاشمی شیر کی جرات و جوانمردی کا مشاہدہ کیا تو گھبرا گیا اور گھبرا کر پکارا کہ آپ چھت چھوڑ کر نیچے آ جائیں آپ کو امان دی جاتی ہے۔

آپ نے تلوار میان میں کر لی اور چھت سے اتر آئے۔ صبح سے تلوار چل رہی تھی اکیلے کا سینکڑوں سے مقابلہ تھا، جسم زخمی ہو چکا تھا شدت کی پیاس محسوس ہوئی طوعہ سے پانی مانگا اس نے جلدی سے پانی کا پیالہ پیش کیا آپ نے پہلا گھونٹ لیا، پانی سرخ تھا اوپر کا ہونٹ کٹ چکا تھا جس سے بہنے والے خون نے پانی کو سرخ کر دیا تھا۔

آپ نے پانی کا پیالہ واپس کر دیا۔ زخم ٹھنڈے پڑتے جا رہے تھے جسم کے بال بال میں درد ہو رہا تھا، زخموں سے بہت زیادہ خون بہہ چکا تھا کمزوری اور نقاہت کی وجہ سے شہزادہ عقیل کو چکر آنے لگے اور پھر آپ پر غشی طاری ہو گئی آپ نے پوری طاقت جمع کر کے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائی اور

بے ہوش ہو گئے۔

اسی حالت میں کوتوال شہر نے آپ کے میان سے تلوار نکال لی اور آپ کو خچر پر بٹھا کر دارالامارت میں لے گیا۔

افسوس! صد افسوس! اے کوفہ کے رہنے والو تمہاری بدلتی ہوئی ذہنیت پر چند دن پہلے جس مہمان کے راستے میں تم آنکھیں بچھاتے تھے آج وہ تمہاری گلیوں سے اس طرح گزر رہا ہے کہ اس کے کٹے ہوئے جسم پر پٹیوں کی بجائے رسّیاں بندھی ہوئی ہیں۔ اور تم ہو کہ لومڑیوں کی طرح گھروں میں چھپتے پھرتے ہو۔

بزدل و بے وفا ہو تم!
ظالم و پُر جفا ہر تُم

ظلم کی انتہا ہو تم
جانو تمہیں کہ کیا ہو تم

صائم چشتی

قصر امارت میں کافی دیر کے بعد امام مسلم کو ہوش آتا ہے ہوش آتے ہی آپ کی نظر میان کی طرف گئی جو تلوار سے خالی ہو چکی تھی ابن اشعث بھی سامنے تھا۔

آپ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا تو نے ہمارے ساتھ بدعہدی کی

ہے تو نے مجھے امان دے کر میری تلوار پر قبضہ کر کے مجھے بے دست و پا کر دیا ہے۔

یہ کہتے ہوئے آپ پر رقت طاری ہوگئی عمرو اہلی نے رقت کا سبب پوچھا آپ نے فرمایا کہ مجھے امام حُسین علیہ السّلام اوران کے اہل وعیال پر رونا آتا ہے جو میرا خط پڑھ کر مکہ مشرفہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہو چکے ہونگے پھر ابن اشعث سے فرمایا۔

''تم اس سے پہلے تو اپنے وعدوں پر پورے نہیں اُترے مگر اب ایک آخری وعدہ کرو کہ راستہ ہی میں امام حُسین علیہ السّلام کو یہاں کے حالات سے آگاہ کر دو گے اور یہ وعدہ تمہاری طاقت پر مشروط ہے اگر تم میں یہ قوت ہو تو وعدہ کرنا۔ ابن اشعث نے کہا کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ امام عالی مقام کو پیغام پہنچا دوں گا کہ آپ واپس تشریف لے جائیں۔ ﴿اور یہ وعدہ اس نے پورا بھی کر دیا﴾۔

پھر آپ نے وہیں پر ہی قاضی شریح کو بلوایا اور وصیت فرمائی کہ میرے بچوں کو یا تو مدینہ منورہ بھیج دینا یا جس جگہ امام حُسین علیہ السّلام کا قافلہ آ چکا ہو وہاں پہنچا دینا۔

ابن زیاد کے سامنے

تھوڑی دیر کے بعد آپ کو اسی زخمی حالت میں ابن زیاد کے پاس

لایا گیا آپ نے ابن زیاد کو سلام نہیں کیا حرسی ازدی نام کے ایک درباری سگ نے اعتراض کیا کہ امیر کو سلام کیوں نہیں کیا۔

امام مسلم نے فرمایا! تم کون ہو یہ مشورہ دینے والے جو شخص مجھے قتل کرنے کے منصوبے بنا رہا ہو اسے سلام کیسا۔

ابن زیاد نے کہا! میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔

امام مسلم نے فرمایا! مجھے اس کا یقین ہے لیکن میں موت سے نہیں ڈرتا۔

ابن زیاد ! مگر میں چاہوں تو تم ایک شرط پر زندہ رہ سکتے ہو!

امام مسلم ! تم غلط کہتے ہو مگر وہ شرط کیا ہے؟

ابن زیاد ! امام حُسین علیہ السّلام کا ساتھ چھوڑ دو اور امیر یزید کی بیعت کر لو۔

امام مسلم ! مرجانہ کے بیٹے ہوش کی دوا کرو عقل کا علاج کرواؤ حسین علیہ السّلام کا غلام یزید جیسے دشمن اسلام کی بیعت نہیں کر سکتا۔

ابن زیاد! تو پھر مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ میں تمہیں ایسی بے دردی سے قتل کراؤں گا کہ کوفے کی گلیاں چیخ اٹھیں گی۔

امام مسلم! تم تھوڑی دیر پہلے ہاشمی خون کی غیرت کا مشاہدہ کر چکے ہو مجھے موت کی دھمکی مت دو میری رگوں میں شیخ بطحا طالب کا خون ہے میری تربیت اللہ کے شیر کے شیر حسین علیہ السلام ابن علی کے ہاتھوں میں

ہوئی ہے میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرا سکتا ہوں۔

ابن زیاد! خاموش! حکومت وقت کے باغی حسین علیہ السلام کا نام بار بار مت لو۔

امام مسلم کا زخمی چہرہ غصہ سے سرخ ہو جاتا ہے آپ نے غضبناک ہو کر فرمایا۔ اور مرجانا کے ناہنجار بیٹے زبان سنبھال! تجھے حسین علیہ السلام کو باغی کہتے ہوئے شرم آنا چاہیے باغی حسین نہیں تم ہو۔

تم نے قرآن سے بغاوت کی ہے اسلام سے بغاوت کی ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغاوت کی ہے۔ آئینِ مصطفائیسے بغاوت کی ہے۔ تم نے شریعت کے قوانین کو توڑا ہے۔ تم نے اسلام کا مذاق اڑایا ہے۔ تمہارے صرف نام اسلامی ہیں لیکن تم اسلام کے دشمن ہو، خدا کے دشمن ہو، مصطفیٰ کے دشمن ہو اور حُسین علیہ السلام سے دشمنی کا مطلب بھی یہی ہے کہ تم خدا کے دشمن ہو تم حُسینؑ کے نانا کے دین کو تبدیل کر دینا چاہتے ہو لیکن حسینؑ ابھی زندہ ہے۔ میرے آقا حسین تمہیں کبھی ایسا نہیں کرنے دے گا۔ وہ تمہیں کبھی من مانی نہیں کرنے دے گا۔

وہ اپنے نانا کے دین کی حفاظت کرنا جانتا ہے۔ شیر خدا کا شیر زندہ ہے۔ فاطمہ کا لال زندہ ہے۔ محمد کا نواسہ زندہ ہے۔ وہ تمہارے ارادوں کو ملیامیٹ کر دے گا۔ وہ اب اٹھا ہے تو تم اسے نہیں روک سکو گے۔ وہ باطل کی قوتوں کو فنا کر دے گا۔ نامراد! تو اسے باغی کہتا ہے۔ جس کے نانا سے تم نے

بغاوت کی ہے۔امام مسلمؑ کی یہ شعلہ بار تقریر سن کر کوفیوں کی گردنیں جھک گئیں۔ابن زیاد کا چہرہ شعلہ جوالہ بن گیا۔غصے سے پکارا، لے جاؤ اس باغی کو اور ابھی قتل کر دو۔

ابن زیاد کے سپاہیوں نے امام مسلمؑ کا ہاتھ پکڑا اور قصرِ امارت کی چھت پر لے آئے۔آپ خدا تعالی کی حمد و ثنا میں مصروف ہو گئے۔پھر مدینہ کی طرف منہ کر کے امام الانبیاء کے حضور میں ہدیہ صلوٰۃ سلام پیش کیا۔مکہ معظّمہ کی طرف جانے والے راستے کی طرف دیکھا کہ شاید امام عالی مقام کے قافلہ کی گرد و غبار کی زیارت ہو جائے۔پھر دل ہی دل میں امام حسینؑ کو مخاطب کر کے عرض کیا۔یا ابن رسول اللہ! غلام آپ کے نام پر جان دے رہا ہے۔میرا یہ حقیر نذرانہ قبول فرمالینا۔آپ انہی تصورات میں تھے،قصر امارت کے اوپر مقام حدائن کے سامنے ابن بکیر یا بکر بن حمدان نے تلوار کا وار کیا اور سرتن سے جدا کر دیا۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

آپ کے سر اور لاش کو ابن زیاد کے حکم سے بے گور و کفن پہلے چھت سے سڑک پر پھینک دیا گیا۔﴿بعض روایات میں ہے کہ یزید پلید کے حکم پر آپ کا سر مبارک یزید پلید کو بھیجا گیا﴾ اور یوں کربلا کے خونین معرکہ کا پہلا شہید شمع حق وانصاف کی حفاظت کرتا ہوا منصب شہادت پر سرفراز ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہو گیا۔

ع خدا رحمت کنند ایں عاشقان پاک طنیت را

دو ننھے مسافر

ابن زیاد میں کوفہ میں ہونے والی تمام کاروائی یزید پلید تک پہنچادی جس میں امام مسلم کے بچوں کا بھی ذکر تھا یزید کی طرف سے حکم ملا کے ان بچوں کو میرے پاس پہنچادو مظلوم بچے ابھی تک قاضی شریح کے گھر میں تھے ابن زیاد نے اعلان کروا دیا کہ جس کے پاس مسلم کے بچے ہوں وہ دارالامارت میں پہنچادے قاضی شریح کو حضرت مسلم سے کیا ہوا وعدہ یاد آ گیا اور بیقرار ہو گیا بچوں کو مدینہ منورہ بھیجنے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔ پتہ چلا کہ رات کو ایک قافلہ مدینہ کی طرف جانے والا ہے۔

رات کے وقت اپنے لڑکے کو بلا کر سمجھایا کہ تم مسلم کے بچوں کو لیکر احتیات سے چھپتے چھپاتے شہر سے باہر چلے جانا وہاں تمہیں مدینہ منورہ کو جانے والا قافلہ تیار ملے گا۔ میں نے ان سے بات کر رکھی ہے بچوں کو ان کے سپرد کر دینا کہ ان کا خیال رکھیں اور مدینہ پہنچادیں۔

میں اس لئے نہیں جاتا کہ کہیں پہچان نہ لیا جاؤں۔ تم اگر سپاہیوں کی نظر میں آ بھی گئے تو میں تمہیں بچالوں گا۔ اپنے بیٹے کو اچھی طرح سب کچھ سمجھا لینے کے بعد شریح نے ہوئے ہوئے بچوں کو جگایا ہاتھ منہ دھلایا تا کہ نیند کا غلبہ کم ہو جائے۔ پھر دونوں شہزدوں کو گلے لگا کر پیار کیا پیار کرتے کرتے حضرت مسلم کی شہادت کی طرف خیال چلا گیا قاضی شریح کی چیخ نکل گئی

اور زار وقطار رونے لگا۔ ننھے شہزادے پریشان ہو گئے شہزادوں نے بیقرار ہوکر پوچھا بابا! آپ روتے کیوں ہیں؟ ہمارے ابّا کہاں ہیں آپ کہتے تھے کہ وہ کسی دوسرے شہر میں گئے ہوئے ہیں کیا ابھی تک وہ واپس نہیں آئے؟

بابا! ہم نے ابّا سے وعدہ کیا تھا کہ ہم کبھی ضد نہیں کریں گے۔ اور نہ ہی کوئی چیز مانگیں گے اسی وجہ سے ہم ضد نہیں کرتے بابا! مگر اب تو ابا جان کو ملے ہوئے کئی روز ہو گئے ہیں اب تو ہم سارا سارا دن پریشان رہتے ہیں بابا ہم کسی کے سامنے اپنے غم کا اظہار تو نہیں کرتے لیکن علیحدہ کمرے میں جا کر ابو جان کی یاد میں ہم پہروں روتے رہتے ہیں بابا گھر والے سمجھتے ہیں کہ ہم سوئے ہوئے ہیں لیکن ہمیں نیند کب آتی ہے بابا! ہم راتیں ابا کی یاد میں رو رو کر گذارتے ہیں۔

ابا جان نے ہمیں یہ نہیں بتایا تھا کہ وہاں جا کر ہم ایک جگہ نہیں رہیں گے ورنہ ہم کبھی نہ آتے ہم نے سفر کی مصیبت اسی لئے تو برداشت کی تھی کہ ابو کے ساتھ رہیں گے ہم نے صرف اس لئے چھوڑا تھا کہ ابّا سے جدائی نہ ہو۔ وہ تو کئی روز ہوئے ہمارا پتہ لینے بھی نہیں آئے۔ شہزادوں کی دردناک اور رقت انگیز گفتگو سن کر بابا شریح دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ بابا کو روتے دیکھ بچے بھی بے قرار ہو گئے۔ ان کے ننھے ننھے دل سینوں کے اندر دھڑکنے لگے۔ اب ان کے سامنے کچھ اور ہی نقشہ تھا۔ بڑے صاحبزادے نے بیتاب ہوکر پوچھا،

بابا! ہمارے ابا کہاں ہیں؟ آپ روتے کیوں ہیں۔ ہمیں کچھ تو بتائیں بابا، ہمیں جلدی بتادو کہ کیا بات ہے ہمارے سینوں پر ہاتھ رکھ کر دیکھو بابا! ہمارے سینے پھٹ رہے ہیں۔ بچوں کی فریاد و آہ وزاری اور قاضی شریح کا دھاڑیں مار مار کر رونا فضائے عالم کو غمزدہ کر دیتا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ جیسے قاضی شریح کا گھر ماتم کدہ بن گیا ہے۔

چند لمحوں بعد چھوٹا شہزادہ سوال کر دیتا ہے کہ بابا بتاتے کیوں نہیں ہیں کہ ہمارے ابو جان کہاں ہیں؟ وہ ہمارا پتہ لینے کیوں نہیں آتے؟

قاضی شریح نے دل پر جبر کرتے ہوئے رندھی ہوئی آواز میں بتایا ،عرب کے شہزادو! تمہارا باپ اس دنیا میں نہیں ہے تمہارے باپ کو کوفہ ظالموں نے شہید کر دیا ہے۔ تم یتیم ہو چکے ہو، تمہارے بابا حسینؑ بھی ابھی تک یہاں نہیں آئے ابھی تھوڑی دیر تک ایک قافلہ مدینے جانے والا ہے تمہیں ان کے ساتھ مدینہ بھیج رہا ہوں۔

میں نے اسی لئے تمہیں اس وقت جگایا ہے۔ اب جلدی کرو اور میرے لڑکے کے ساتھ چھپتے چھپاتے چلے جاؤ۔ یہاں کا حاکم تمہیں ڈھونڈ رہا ہے تاکہ وہ تمہیں بھی شہید کر دے، اب دیر نہ کرو۔ کہیں قافلہ چلا نہ جائے

اب کس طرح بتایا جائے کہ امام مسلم کے یتیموں پر یہ خبر سن کر کیا بیتی تھی یہ اندازہ تو صاحب اولاد ہی لگا سکتے ہیں۔ بچوں کے تو دل پھٹ گئے ، کلیجے چر گئے۔ حسرتوں کے طوفان آنکھوں سے آنسو بن بن کر ٹپکنے لگے ایک

ہی لمحے میں گلاب کے غنچے سرسوں کے پھول بن گئے، سینے سے اٹھنے والے طوفان حلقوں میں گولے بن کر پھنس گئے۔پھٹی پھٹی سی آنکھوں سے قاضی شریح کی طرف دیکھا اور نگاہوں میں ہزاروں سوال لئے اس کے لڑکے کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔

جاتے ہیں چاک دامنِ راحت کئے ہوئے
ننھے سے پھول داغِ یتیمی لئے ہوئے

﴿ صائم چشتی ﴾

ٹھوکر تو لگ ہی چکی تھی، اب گرنے میں کیا دیر ہے، گرتے ہیں، اٹھتے ہیں۔اٹھتے ہیں اور گرتے ہیں۔رات کا اندھیرا، کوفیوں کے ناہموار دلوں کی طرح راستہ، گلیوں کے موڑ، کبھی کسی دیوار سے ٹکر لگ جاتی ہے کبھی پاؤں مڑ جاتا ہے، شریح کے لڑکے کی رفتار تیز ہے۔

دوڑ دوڑ کر اس تک پہنچتے ہیں کبھی چھوٹا گرتا ہے تو بڑا اتھام لیتا ہے بڑا گرنے لگتا ہے تو چھوٹا سہارا دے دیتا ہے۔

اب آنسو تھمے ہوئے ہیں۔آنسو کہاں سے آتے آنکھوں کو تو غم نے پتھر بنا دیا تھا اسی طرح شہر سے باہر آ جاتے ہیں۔لیکن اس غم کو الفاظ میں کیسے سمو دوں کہ چاند کی چاندنی میں بہت دور جاتے ہوئے قافلے کا اڑتا ہوا غبار نظر آتا ہے۔قافلہ جا چکا ہے۔مدینہ منورہ جانے والا قافلہ، ارمانوں کی بستی کو جانے والا قافلہ، آرزوؤں کو جانے والا قافلہ!

وے خنک شہرے آنجا دلبر است

اب کدھر جائیں

قاضی شریح کے لڑکے نے کہا، قافلے والے آہستہ چلتے ہیں تم تیز تیز دوڑو رات چاندنی ہے تم جلد ہی قافلہ تک پہنچ جاؤ گے۔ اور پھر وہ تمہیں سواری پر بٹھالیں گے دیر نہ کرو جلدی دوڑو، زور زور سے بھاگتے رہو، قافلہ زیادہ دور نہیں!

شریح کا لڑکا تو دلّی کا راستہ بتا کر گھر آ گیا اور معصوموں نے دوڑنا شروع کر دیا اب دلوں پر ہاتھ رکھ کر تصور کریں کہ اونٹوں اور گھوڑوں کی سواریوں تک معصوم بچے کس طرح پہنچ سکتے تھے۔

بس! تقدیر جدھر دوڑا رہی تھی دوڑ رہے تھے۔ قافلہ تک کیا پہنچنا تھا قافلہ کا تو اڑتا ہوا غبار بھی اب نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ شہزادے دوڑ دوڑ کر تھک گئے سانس پھول گئے اور بے بس ہو کر گر گئے۔

رات کا وقت ہے، ریت کے ٹیلے ہیں، خوفناک جنگل، ننھے سے پھول، یتیمی کا داغ، غم کی تصویریں، سینے فگار، پھٹے ہوئے دل، سہمی ہوئی نگاہیں، نہ کوئی منزل اور نہ کوئی رہبر، بے یار و مددگار ریت پر بیٹھے ہوئے ایک دوسرے کی طرف حسرت زدہ نگاہوں سے دیکھتے جا رہے ہیں۔

اٹھنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اٹھا نہیں جاتا۔ بیٹھے رہتے ہیں جنگل کی

وحشت خوفزدہ کرتی ہے۔ کہیں ہلکی سی کوئی سرسراہٹ ہوتی تو اس خیال سے دل ڈوبنے لگتے کہ کوئی ہمیں پکڑنے کے لئے آ رہا ہے۔

لوگوں کے بچے اس وقت بستروں پر خوابِ راحت کے مزے لوٹ رہے ہیں لیکن نائب حسین کے یتیم شہزادے تھکاوٹ سے چکنا چور ہو کر ریت پر گرے پڑے ہیں۔

اس طرح کچھ وقت گزر جاتا ہے تو چھوٹے شہزادے نے کہا بھیا اٹھیے ورنہ سپاہی ہمیں پکڑ کر لے جائیں گے۔

بڑے نے فرمایا! بات تو ٹھیک ہے لیکن تم بہت تھک چکے ہو، میں تو کسی نہ کسی طرح دوڑ ہی لوں گا لیکن تم سے تو چلا بھی نہیں جاتا۔

نہیں بھائی جان آپ میری فکر نہ کریں۔ اب میری ٹانگوں کو کچھ سکون ہے میں آپ کے ساتھ ساتھ چلتا رہوں گا۔ آپس میں مشورہ کر کے شہزادے اٹھتے ہیں اور آہستہ آہستہ دوڑنا شروع کر دیتے ہیں راستے کا تو کچھ پتہ ہی نہ تھا۔

مدینہ پہنچ جانے کے تصور ہی میں دوڑتے رہے۔ زیادہ تھک جاتے تو تھوڑی دیر آرام کر لیتے اور پھر چلنا شروع کر دیتے۔

اس طرح چلتے چلتے صبح کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں سامنے دیکھتے ہیں تو ایک شہر ہے۔ دل کو ڈھارس بندھی کہ وہاں چل کر سواری کا بندوبست ہو جائے گا لیکن تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

چند قدم پر ہی شہر سے آنے والا ایک آدمی نظر آ گیا وہ شخص صبح ہی صبح دو بچوں کو شہر کی طرف آتا دیکھ کر بڑا حیران ہوا، اتنے عرصے میں بچے قریب پہنچ گئے۔ بڑے شہزادے نے پوچھا بابا اس شہر کا نام کیا ہے؟

اس نے بتایا کوفہ!

کوفے کا نام سن کر بچوں کی جو حالت ہوئی وہ احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ اس شخص نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ سچوں کی اولاد تھے سچی بات ہی کہنا تھی۔ فرمایا! مسلم کے یتیم۔

لالچیوں کا شہر تھا وہ ان دونوں کو لے کر ابن زیاد کے پاس آ گیا اس نے کہا کہ جا کر داروغہ جیل کے سپرد کر دو۔

حق بیان کرنے والوں کے لئے جیل پرانی بات ہے ننھے یتیموں نے سچی بات کہی تھی اس لئے انہیں جیل بھیج دیا۔

ورنہ ان کی عمر ہی کیا تھی نہ انہوں ڈاکہ ڈالا نہ چوری کی اور نہ ہی کی ہی کوئی دوسرا جرم کیا جرائم پیشہ کب جیل جاتے ہیں وہ تو حکومتوں کی پناہ میں ہوتے ہیں ڈاکوؤں اور چوروں کو جیل سے کیا سروکار دار و رسن تو حق کہنے والوں کے لئے ہی مخصوص ہے۔

جیل کے داروغہ کا نام مشکور تھا تھا تو حکومت کا ملازم مگر اہل بیت سے بے پناہ محبت رکھتا تھا اس نے شہزادوں کے ساتھ بڑا پیار کیا سارا دن ان کو تسلیاں دیتا رہا اس عالم میں کسی کا پیار سے پوچھ لینا ہی بڑی بات ہوتی ہے

داروغہ جیل کی شفقت سے شہزادوں کو کچھ تسلی ہوئی داروغہ نے کھانے پینے کی چیزیں بھی پیش کیں۔

جن سے بادل ناخواستہ تھوڑا بہت کھالیا لیکن کھانا کیا تھا باپ کی یاد تو سینے پر چھریاں چلا رہی تھی اسی طرح دن گذر گیا شام ہوگئی رات کا اندھیرا بڑھنے لگا مشکور نے بچوں کو ساتھ لیا اور شہر کے باہر آ گیا بچوں کے سر پر دست شفقت پھیرا بڑے شہزادے کو ایک انگوٹھی دے کر کہنے لگا کہ یہ راستہ شہر قادسیہ کا ہے۔

دل تو نہیں مانتا کہ رات کے وقت آپ کو سفر کی تکلیف دوں لیکن مجبوری ہے یہاں کا حاکم بڑا سخت اور بد بخت ہے مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمہیں وہ شہید نہ کر دے یہ نہایت پر امن راستہ ہے آپ بالکل بغیر ڈر کے اپنا سفر جاری رکھیں۔

جب قادسیہ پہنچ جائیں تو میرے بھائی کا پتہ پوچھ لینا اسے مل کر میری انگوٹھی دینا وہ آپ کو سواری کے ذریعے مدینہ منوّرہ پہنچا دے گا شہزادے مشکور کے جذبہ رحم سے بے حد متاثر ہوئے لیکن سر پر وہی سفر کی مصیبت دیکھ کر پریشان ہو گئے تقدیر کب کسی کی پریشانیاں دیکھتی ہے مشکور چند قدم ساتھ چلتا رہا اور پھر دونوں کو پیار کر کے واپس ہو گیا۔

سات آٹھ سال کے ننھے مسافر رات کے اندھیرے میں چلے جا رہے ہیں پھر چاند طلوع ہو جاتا ہے شہزادے تھوڑا سا تیز چلنا شروع کر دیتے

ہیں جب بہت زیادہ تھک جاتے تو بیٹھ جاتے ہیں۔

مسلسل تیس گھنٹوں سے جاگ رہے ہیں کسی جگہ آرام کرتے ہیں تو نیند کا غلبہ بھی محسوس ہوتا ہے لیکن سونے کی خواہش خود بخود دم توڑ دیتی ہے جلد از جلد مدینہ پہنچ جانے کا خیال نیند کو دور بھگا دیتا ہے۔

آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھتے ہیں اور پھر چلنا شروع کر دیتے ہیں پوری رات یہ مصیبت کا سفر کرتے کرتے آثار صبح نمودار ہو جاتے ہیں اور ساتھ ہی سامنے ایک شہر بھی نظر آتا ہے۔

گویا تھکے ماندے ننھے مسافروں کو غم و آلام کے گہرے اندھیرے میں اُمید کی کرن نظر آ گئی چلتے چلتے پاؤں میں ورم آ چکے تھے ایڑیوں پر ہاتھ نہیں رکھا جاتا تھا پنڈلیوں کا گوشت پھوڑا بن گیا تھا۔

مگر مدینہ کے معصوم مسافروں میں شہر دیکھ کر ایک نیا ولولہ پیدا ہو گیا ارمانوں کی دنیا میں انقلاب آ گیا حالت یہ تھی کہ ایک قدم بھی اٹھانا دشوار ہے سارا جسم تھکن سے چُور چُور رہے لیکن اب قدم خود بخود تیزی سے اٹھ رہے ہیں۔

بڑے شہزادے نے کپڑے میں بندھی ہوئی انگوٹھی کو کھول کر دیکھا مشکور کے بھائی کا نام یاد کیا اور چھوٹے شہزادے کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مشکور بہت نیک آدمی تھے دعا کرو ان کا بھائی بھی ویسا ہی ہو تھکاوٹ تو بہت ہے۔

لیکن اُسے یہی کہتے رہنا کہ بابا ہمیں آج ہی مدینہ پہنچا دو چھوٹے نے ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا بھائی جان آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں ہمیں آج ہی مدینہ کو روانہ ہو جانا چاہیے شہزادے اس قسم کی معصوم گفتگو کرتے کرتے شہر کے بالکل قریب پہنچ گئے مدینہ پہنچ جانے کی خوشی میں دل تیزی سے دھڑکنے لگے۔

جب ذرا شہر کے اور قریب ہوئے تو یوں ہوا کہ جیسے کسی نے بجلی کا شاک لگا دیا ہو دونوں ہی تصویر حیرت بنے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے دونوں نے ہی پہچان لیا کہ یہ تو وہی شہر کوفہ ہے جہاں سے ہم نے آغاز سفر کیا تھا۔

ننھے مسافروں کے دل ٹوٹ گئے پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا نزدیک ہی چشمہ تھا اُس کی طرف چلے گئے چشمے کا ٹھنڈا پانی پیا منہ ہاتھ دھویا دونوں کے جسم بھرے پڑے تھے کسی بھی حصّے پر ہاتھ نہیں رکھا جاتا تھا۔

دل میں اگر ہو درد تو دوا کیجئے
بن جائے دل ہی درد تو کیا کیجئے



مشکور کی شہادت

اُدھر صبح ہوتے ہی ابن زیاد کو خبر مل جاتی ہے کہ حضرت مسلم کے بچے جیل میں نہیں ہیں ابن زیاد نے داروغہ جیل مشکُور کو حاضر ہونے کا حکم دے دیا تھوڑی دیر کے بعد مشکور ابن زیاد کے فرعونی دربار میں پہنچ جاتے ہیں۔

ابن زیاد: مسلمؑ کے بچوں کے متعلق مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ جیل میں نہیں ہیں کیا یہ درست ہے؟

مشکُور: ہاں؛ یہ اطلاع درست ہے۔

ابن زیاد: کیا تم نے اُن کو کسی اور جگہ ٹھہرایا ہوا ہے؟

مشکور: نہیں؛ بلکہ میں نے انہیں خدا تعالٰی کی رضا حاصل کرنے کے لئے رات کو ہی آزاد کر دیا تھا۔

ابن زیاد:۔ کیا تمہیں میرا ڈر نہیں تھا؟

مشکور:۔ جسے اللہ تعالٰی کا ڈر ہو وہ کسی دوسرے سے نہیں ڈرتا۔ ابن زیاد تُو بھی خدا سے ڈر تو معصوم بچوں کے باپ کو بیگناہ شہید کر دیا ہے اور اب بیگناہ یتیم معصوموں اور پردیسی شہزادوں کو قید و زندان میں ڈال کر تم قہر الٰہی کو آواز دینا چاہ چاہتے ہو میں نے سید الکونین امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ان کو رہا کر دیا ہے۔

ابن زیاد! مشکور جانتے ہو تم کس کے ساتھ گفتگو کر رہے ہو؟

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں اس انداز سے گفتگو کرنیوالوں کی زبانیں کھینچ لیتا ہوں۔

مشکور ! میں جانتا ہوں لیکن یاد رکھ ! ایک وقت ایسا بھی آنے والا ہے کہ تم موت کو آواز دیتے پھرو گے لیکن موت تم سے دور بھاگے گی تم جس قصر امارت میں اپنی فرعونیت کا مظاہرہ کرر ہے ہو یہیں تم ایڑیاں رگڑ رگڑ کر فنا ہو جاؤ گے میں حیران ہوں کہ جس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیامت کے دن شفاعت کی امید رکھے ہوئے ہو اس کے بے گناہ بچوں کو اس بے دردی کے ساتھ شہید کرر ہے ہو کہ نمرود و شداد کی روحیں بھی کانپ جاتی ہیں۔

ابن زیاد ! آگ بگولا ہو کر مشکور خاموش ہو جاؤ ورنہ میں تمہاری زبان کاٹ دونگا۔

مشکور ! مجھے زبان کے کٹ جانے کا کچھ افسوس نہیں ہوگا۔ حق بیان کرتے ہوئے اگر زبان کٹتی ہے تو کٹ جائے۔

مشکور کی حق گوئی نے ابن زیاد کے تن بدن میں آگ لگا دی۔ جلاّد کو بلا کر کہنے لگا کہ اس کا سر قلم کردو۔

جلاد تلوار اٹھا کر چلانے لگا تو ابن زیاد نے کہا ٹھہر جاؤ پہلے اس کے جسم پر پانچ سو درّے لگاؤ اور پھر اس کا سر قلم کر دینا۔

روح انسانیت تڑپ اٹھی۔ وحشت و بربریت کی انتہا ہو گئی شیطان

اپنے مکروہ دانت نکال کر کھل کھلا اٹھا درندگی کو سکون حاصل ہو گیا۔

جلاد نے پہلا چابک چلایا،

مشکور نے کہا! **بسم اللہ الرحمن الرحیم**

شائیں کی آواز سے دوسرا چابک پڑا۔

مشکور نے کہا! اللہ مجھے صبر عطا فرما۔

تیسرا وار ہوا۔

مشکور نے کہا! یا اللہ میری دستگیری فرما۔

چوتھا چابک آیا۔

آواز آئی! مجھے فرزندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت عطا کر۔

پانچواں چابک پڑتا ہے۔

مشکور نے کہا! یا اللہ مجھے اہل بیت مصطفیٰ کے دامن میں جگہ دینا

پھر چابک پر چابک پڑتا ہے لیکن مشکور خاموش رہتے ہیں اسی طرح پانچ سو درہ پورا ہو جاتا ہے۔ مشکور نے کراہتے ہوئے پانی طلب کیا ابن زیاد نے کہا اسے پانی مت دینا۔

پانچ سو درہ لگ جانے کے بعد زندگی اور موت میں کیا فاصلہ باقی رہ جاتا ہے۔ لیکن عمر بن الحارس نے سفارش کی کہ اب اسے قتل نہ کیا جائے اور مجھے اجازت دی جائے کہ میں اسے اپنے گھر لے جاؤں۔

ابن زیاد نے کسی مصلحت کی بنا پر اس کی بات مان لی! ابن حارس مشکور کو اپنے گھر لے آیا۔ پانی پیش کیا۔ آپ نے کہا! یہ پانی میں نہیں پیؤں گا میرے لئے حسین علیہ السلام کے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوثر کا جام لئے کھڑے ہیں۔ یہ کہتے ہی کلمہ شہادت کی گواہی دی اور راہیٔ ملک بقا ہو گئے

ان لله وانا اليه راجعون

ہزار ہزار سلام ہوں اہل بیت کے اس سچے خادم اور وفادار پر جس نے جان تو دیدی مگر ابن زیاد جیسے جابر وظالم کے سامنے کلمہ حق کہنے سے باز نہ رہا۔

یہی حسینیت ہے اور یہی پیغام حسین علیہ السلام ہے کہ دار و سن کی پرواہ کیے بغیر کلمہ حق کہتے رہو۔

دل میں حق و حریت کا نور ہونا چاہیئے
جذبۂ مشکور کا مشکور ہونا چاہیئے

﴿صائم چشتی﴾

ادھر مشکور جن معصوم یتیموں کو بچانے کے لئے جام شہادت نوش فرماتے ہیں وہ چشمے کے کنارے بیٹھے ہوئے چھپنے کی جگہ تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ اوپر دیکھتے ہیں تو چشمے کے کنارے والے درخت کے موٹے تنے میں کافی خلا ہے۔

یہ معصومانہ سوچ تھی جو بھی سمجھ میں آیا کر دیا دونوں ہی درخت کی اس

کھوہ میں دبک کر بیٹھ گئے۔

حبشیہ کنیز کا آنا

تھوڑا ہی عرصہ گذرا کر کہ ایک عورت ہاتھ میں برتن لئے چشمے پر آئی جب اس نے چشمہُ سے پانی لینا چاہا تو درخت کے عکس کے ساتھ اسے شہزدوں کا عکس بھی نظر آ گیا۔

یوں معلوم ہوتا تھا جیسے دو چاند بیک وقت پانی کی تہہ سے طلوع ہو رہے ہوں دو نور کی تصویریں ہیں جن کے گلاب کے پھولوں جیسے چہرے خون کے آنسوؤں میں بھیگ کر گل لالہ بن چکے ہوں۔

دو گل از گلشن دولت و میدہ
دو سرو از باغ خوبے قد کشیدہ

دو ماہ از برج آبے رخ نمودہ
ز دیدہ چشمہُ باراں کشودہ

یکے تابندہ مہر از دلربائے
یکے چوں ! آبِ خصر از جاں فرماتے

گل رخسار ! شاں زیر کلالہ
شدہ از گریۂ خونیں! چوں لالہ

لب آں گشتہ خشک از آتش غم
رخ ماندہ تر از اشک ماتم

﴿کاشفی﴾

وہ عورت ایک حارث نامی شخص کی کنیز تھی۔ اُس نے اُوپر نظر اٹھائی مسلم کے دونوں یتیم سراپہ درد کی تصویریں کو اس کی جانب ہی دیکھ رہے تھے کنیز نے شہزدوں کی حالت دیکھی تو تڑپ گئی۔ وہ سوچنے لگی اتنے خوبصورت بچے اس قدر آلام وغم کی تصویر کیوں بنے ہوئے ہیں ان پر کیا مصیبت نازل ہوئی ہے جو اس طرح چہرے ستے ہوئے ہیں۔ آنکھیں سوجی ہوئی ہیں بال بکھرے ہوئے ہیں اور اتنی حسرت بھری نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہے ہیں۔ دل کو سنبھال کر عرض کرتی ہے اچھے بچو تم کون ہو تمہیں کس کا ڈر ہے جو اس طرح چھپے بیٹھے ہو تمہارے باپ کا کیا نام ہے۔

جواب آیا ! بی بی! ہم سے یہ نہ پوچھو کہ ہم کس کے بیٹے ہیں باپ کا نام بتاتے وقت ہمارے سینے پھٹ جاتے ہیں بس یہ سمجھ لو دو یتیم ہیں

خدا اے رفیق از منزل جا ناں مدہ یا دم
کہ من در وادیٔ ہجراں زحال خود بفر یادم

کنیز کے دل میں اچانک خیال آ گیا کہ یہ بچے کوفیوں کے معلوم نہیں ہوتے۔ یہ یقیناً حضرت مسلم کے صاحبزادے ہیں۔

پھر ٹھنڈی آہ بھر کو بچوں سے مخاطب ہوتی ہے۔ اگر میرا خیال غلط نہیں تو آپ حضرت مسلم کے دلبند ہیں۔ بڑے شہزدے نے تڑپ کر کہا۔

بی بی! تم ٹھیک کہتی ہو مگر اب ہمیں مسلم کے دلبند نہ کہو ہمیں مسلم کے یتیم کہو۔ غریب الوطن پردیسی کہہ کر پکارو۔

ہو وطن جن کا چھپ گیا، ہم وہ کلیم ہیں
دلبند کس کے رہ گئے! اب تو یتیم ہیں

بی بی! ہمیں اب یاد کے تحفے نہ دیجئے
ہم بے وطن مسافروں پہ رحم کیجئے

﴿علامہ صائم چشتی﴾

کنیز یہ درد بھری گفتگو سب کو تڑپ ہی تو گئی پھر عرض کرتی ہے۔ اچھے شہزادو اللہ تمہیں صبر دے۔ مسلم کے یتیمو! اللہ تم پر رحم فرمائے میں ایک بی بی کی کنیز ہوں۔

میں بھی خاندان مصطفیٰ کی غلام ہوں اور میری مالکہ کو بھی اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق ہے۔ میں ابھی جا کر اسے تمہارے متعلق بتاتی ہوں۔ تم کسی قسم کا فکر نہ کرنا۔ میں ابھی آتی ہوں شہزادو!

کنیز چلی گئی تو بڑے شہزادے محمد نے چھوٹے شہزادے کو مخاطب کر کے فرمایا !

بھائی ابراہیم ! کہیں ہم پھر کسی جال میں نہ پھنس جائیں۔

ابراہیم ! بھائی جان اب تو جو بھی تقدیر دکھائے گی دیکھنا پڑے گا۔

محمد ! مجھے تو اسی حبشی کنیز کی باتوں میں سچائی معلوم ہوتی ہے۔

ابراہیم ! ہاں بھائی جان ! سیاہ فام حبشیہ کے چہرے ہر عقیدت اور سچائی کا نور صاف ظاہر ہے۔

محمد ! خدا کرے کہ اس کا دل بھی سچائی کا نور ہو۔

کنیز آزاد کر دی

ادھر شہزادے اسطرح کی سوچ اور فکر میں محو ہیں ادھر اس کنیز نے جا کر اپنی مالکہ کو سب حالات سے آگاہ کر دیا مالکہ نے جب حضرت مسلم کے یتیم شہزادوں کا حال سنا تو تڑپ کر رہ گئی اور پھر والہانہ انداز میں باہر کو دوڑی کنیز بھی ساتھ تھی دروازے کے پاس پہنچ کر رک گئی کنیز بھی رک گئی مالکہ نے اپنے سر کا دوپٹہ اتارا اور کنیز کے سر پر دیکر کہنے لگی آج سے تم میری لونڈی نہیں بلکہ میری بہن ہو تو مجھے بہت بڑی خوشخبری سنائی ہے میں اس کے صلہ میں تمہیں اپنے مال کے حصے سے آزاد کرتی ہوں۔

اور پھر ننگے سر ہی والہانہ دوڑتی ہوئی چشمے پر آ گئی شہزادے اسی

طرح درخت کی کھوہ میں دبکے پڑے تھے یہ عالم دیکھ کر بی بی کی چیخ نکل گئی۔ قریب پہنچ کر نہایت شفقت سے بولی۔

گلستان محمد کے نونہالو! نیچے تشریف لے آؤ۔ ڈرو نہیں پیارے شہزادو! میں آپ کی خادمہ ہوں میں اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلام ہوں، میں خاندان نبوت کی لونڈی ہوں میرے چاند! مجھے اپنی کنیز سمجھو۔ دونوں بھائی ڈرے ڈرے سہمے سہمے اتر آئے۔ اترنا تو تھا ہی خواہ کچھ بھی سلوک ہوتا۔

مگر وہ بی بی تو جو کچھ کہہ رہی تھی دل کی گہرائیوں سے کہہ رہی تھی شہزادوں کو گود میں لے کر بے اختیار روتی رہی کبھی ایک کا منہ چومتی کبھی دوسرے کو گلے لگاتی کبھی دونوں کو گلے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر روتی اور پھر ایک بھائی کو اپنی گود میں اُٹھایا اور دوسرے کو آزاد شدہ کنیز نے اٹھایا اور گھر کے اندر لے آئی۔

جلدی جلدی پانی گرم کیا ایک نے بچوں کے کپڑے دھو کر سکھانے شروع کر دئے دوسری نے نہلایا دھلایا کپڑے پہنائے اوپر بٹھایا اور کھانا آگے رکھدیا معصوموں کو کچھ تسلی ہوئی تھوڑا بہت کھانا تناول فرمایا۔ پھر وہ دودھ لائی۔

بچوں نے انکار کیا زمین پر بیٹھ کر خوشامد کرنے لگی پیارے شہزادو تھوڑا سا پی لو آپ بہت تھکے ہوئے ہیں گرم گرم دودھ پینے سے راحت ملے

گی۔

شہزادوں نے اس نیک بی بی کا پیار دیکھا تو ماں کی یاد آ گئی اس کا دل رکھنے کے لئے دو دوگھونٹ دودھ تو پی لیا اب ماں کی یاد دل پر ہتھوڑے برسانے لگی۔

آنسو بھی عجیب چیز ہیں، انسان دکھی ہو تو جب بھی آ جاتے ہیں، دکھ کے بعد راحت ملے تو دکھوں کو یاد کر کے مچل جاتے ہیں۔ یہی حال شہزادوں کا تھا ماں جیسا پیار نصیب ہوا تو ماں کی ممتا یاد آ گئی لیکن دل پر جبر کر کے آنسوؤں کو روکے رکھا کہ کہیں اس محسنہ کا دل نہ ٹوٹ جائے۔ پھر بی بی نے پچھلے کمرے میں بستر لگا دیا۔

اور ہاتھ باندھ کر عرض کیا مدینہ کے شہزادو تم بہت تھکے ہوئے ہو دو راتوں سے جاگ رہے ہیں تھوڑی دیر آرام کر لو شہزادے اٹھتے ہیں بی بی گود میں لینے کے لئے باہیں پھیلا دیتی ہے۔

بڑے نے کہا ہم خود چل کر جائیں گے بی بی؛ اب ہماری تھکن دور ہو گئی ہے لیکن بی بی آگے بڑھی اور ایک کو گودی میں اُٹھا لیا کنیز نے دوسرے کو آغوش میں لیا اور بستر پر بٹھا دیا۔

شہزادے تھکے ہوئے تھے فوراً ہی نیند کی آغوش میں چلے گئے شہزادے سو رہے ہیں اور بی بی سرہانے بیٹھی ہوئی زیارت کے مزے لے رہی ہے کبھی پیار میں جوش آ جاتا ہے تو آہستہ آہستہ انگلیوں سے کبھی ایک کی

زلفوں کو سنوارتی ہے، اور کبھی دوسرے کے چہرے پر آئی ہوئی لٹ کو اوپر اُٹھا دیتی ہے۔

کچھ یاد آتا ہے تو باہر جاتی ہے اور پھر فوراً ہی واپس آ کر سوئے ہوئے شہزادوں کو دیکھنا شروع کر دیتی ہے کتنا منور تھا اُس بی بی کا دل کس قدر روشن تھا اس کا سینہ۔ جس میں سچا خلوص اور سچّا پیار تھا وفا کی دمک تھی ،ہدایت کی چمک تھی۔

رحم کا جذبہ تھا، اسلام کی چاشنی تھی، اخلاص کا نور تھا، انسانیت کی عظمت تھی، مودّت کی سر بلندیاں تھیں، ایمان کی حرارت تھی، صداقت کی روشنی تھی، شرافت کی ضیاء تھی، اہل بیت رسول کی عقیدت تھی، خاندان نبوت کی محبت تھی، بہنوں کا پیار تھا اور ماں کی ممتا تھی۔

اس کے سینے میں خلوص و پیار کی تنویر تھی
اس کے دل پر اُلفت آل نبی تحریر تھی

پیکر مہر و وفا ، آل محمد کی غلام
چلتی پھرتی ممتا کے پیار کی تصویر تھی

﴿صائم چشتی﴾

شہزادے سوتے رہے اور وہ والہانہ چکر پر چکر لگاتی رہی ان کے صدقے واری جاتی رہی ان کی بلائیں لیتی رہی آج وہ اتنی خوش تھی جیسے

اسے دونوں جہان کی دولت مل گئی ہو۔

کبھی سوچتی ہے کہ کافی سولیا ہے اب شہزادوں کو جگا کر ان سے باتیں کروں ان کو کھانا کھلاؤں اور پھر اس خیال سے اس ارادہ کو توڑ دیتی ہے کہ ان کے لئے سونا ہی بہتر ہے۔ انہیں آرام کی سخت ضرورت ہے یہ پوری دو راتیں جاگتے رہے ہیں۔

ہائے یہ ننھے سے پھول کس مصیبت میں پڑ گئے رات بھر دوڑتے دوڑتے ان کی کیا حالت ہوتی ہوگی اور پھر سرد آہ کھینچتی اور بے ساختہ رونے لگتی رات ہو جاتی ہے آزاد کی گئی کنیز کو بلایا پیار سے سینے سے لگا کر کہا اچھی بہن میں تجھے مبارک باد کہنا بھول ہی گئی تھی شہزادوں کی آمد کی خوشی مجھے یاد ہی نہ رہا۔

کہ تمہیں آزادی کی مبارک بھی دینا ہے اور تم کنیز نہیں میری بہن ہو میری ماں جائی بہن تمہارے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت بڑی دولت عطا فرمائی ہے مجھے اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کا موقعہ ملا ہے۔

مجھے رسول پاک کی خوشنودی حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے اللہ تمہیں جزائے خیر دے میری اچھی بہن، کنیز نے مالکہ کی یہ باتیں سنیں تو دل بھر آیا گلے لگ کر رونے لگی۔ پھر کہا یہ آپ کی شفقت ہے بی بی جو مجھے یہ اعزاز بخشا۔

میں اب بھی آپ کی لونڈی بن کر رہوں گی اب تو آپ میری بہن بھی ہیں میں آزاد ہو کر بھی بہن کی غلامی میں رہنا کہیں اور جانے سے بہتر سمجھتی ہوں۔ بی بی دعا کرو اللہ تعالیٰ ایسا بندوبست فرمادے۔ کہ شہزادے خیریت کے ساتھ اپنے گھر والوں تک پہنچ جائیں۔

بی بی: اسی لئے تمہیں بلایا ہے میری بہن۔ تمہیں بھی ایک کام کرنا ہے۔

کنیز: حکم فرمایئے میں آپ کے ہر ارشاد کی تعمیل کروں گی۔

بی بی: کام یہ ہے کہ تم میرے شوہر حارث کی عادت کو جانتی ہو۔

کنیز: ہاں بی بی؛ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ وہ حکومت کے ملازم ہیں۔

بی بی: صرف حکومت کا ملازم ہی نہیں بلکہ وہ لالچی بھی ہے میں نے سنا ہے کہ حکومت نے شہزادوں کو پیش کرنے والے کے لئے کافی انعام مکرر کر رکھا ہے ۔ مجھے ڈر ہے کہ میرا شوہر حارث انعام کے لالچ میں مجھ سے یہ دولت نہ چھین لے۔

کنیز:۔ تو پھر کیا کریں بی بی! یہ تو بڑی مصیبت بن جائے گی۔

بی بی:۔ اب یہی کرنا ہے کہ انتہائی راز داری سے کام لیا جائے اس کو بالکل پتہ نہ لگ سکے کہ شہزادے یہاں آئے ہوئے ہیں سوائے تمہارے اور میرے کوئی اس راز سے واقف نہیں جب حارث آئے تو اسے جلد ہی کھانا

پیش کر دیا جائے کھانا کھانے کے بعد وہ جلد سونے کا عادی ہے۔

کنیز:۔ بہت بہتر بی بی میں پوری راز داری سے کام لوں گی آپ بالکل فکر نہ کریں اور آپ بھی یہ احتیاط کریں کہ جب مالک گھر آجائیں تو شہزادوں کے کمرے کی طرف جانا ترک کر دیں۔

بی بی:۔ ایسا ہی کروں گی حارث کو اب مالک نہ کہا کرو بلکہ اپنا بھائی ہی سمجھو کیونکہ تم میری کنیز تھیں میں نے تمہیں آزاد کر دیا ہے۔

کافی رات گذر جانے کے بعد جب حارث گھر آتا ہے اور کھانا کھا کر لیٹ جاتا ہے اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑ بڑاتا ہے۔ بی بی اس کی آواز پر کان لگا دیتی ہے۔ وہ اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا۔

ہماری ایسی قسمت کہاں ہے صبح سے بچوں کو تلاش کرتے کرتے جسم چکنا چور ہو گیا ہے۔ اچھا صبح کو پھر قسمت آزمائی کروں گا۔

شوہر کی لرزہ خیز گفتگو سن کو بی بی کا دل دہل جاتا ہے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتی ہے اے میرے خدا مجھ پر رحم فرما۔ کہیں میری سب محنت اکارت نہ ہی جائے کہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرتے کرتے ان کی طرف سے شرمندگی نہ اٹھانا پڑے میرے خدا تو میرے حالت زار کو جانتا ہے۔

یا اللہ! حضرت مسلم کے شہزادوں کی حفاظت فرما۔ یا اللہ! بچوں نے مجھ پر بھروسہ کیا ہوا ہے ان کے سامنے مجھے ذلیل نہ کرنا۔

میرے اللہ حارث کو ہدایت دے دے۔ یا اللہ یہ صبح ہی صبح کہیں چلا جائے تو میں بچوں کو بھیجنے کا بندوبست کرلوں گی۔

خداوندا ! حارث بڑا خودغرض ہے تو اس کے دل کو پھیر دے

یا اللہ ! تو ہی غریبوں کا فریادرس ہے۔

الٰہی لاج رکھ لینا میری ان التجاؤں کی
حفاظت آپ فرمانا یتیموں بے نواؤں کی

﴿صائم چشتی﴾

یتیم بچے ذبح ہوتے ہیں

حارث کو بھی نیند نہیں آتی اور بی بی بھی جاگ رہی ہے۔ حارث سوچ رہا ہے صبح منہ اندھیرے ہی گھر سے چلا جاؤں گا قسمت آزمائی کرنے میں کیا حرج ہے ممکن ہے کل قسمت ساتھ دے ہی جائے اور مسلم کے بچے کہیں چھپتے چھپاتے مل ہی جائیں اور پھر شاہی انعام میری جھولی میں ہوگا ۔عیش ہی عیش ہو جائیں گے۔

نیک بی بی سوچ رہی ہے ۔یا اللہ اہل بیت کے ساتھ میری محبت داغدار نہ ہو جائے ۔بچے سمجھیں گے میں نے ان کے ساتھ دھوکہ کیا ہے معصوم شہزادوں کے دل ٹوٹ جائیں گے یتیموں کی آہ نکل جائے گی۔

یا اللہ ! مظلوموں کی آہ سے عرش بھی کانپ اٹھتا ہے مجھے اس

امتحان میں نہ ڈالنا شہزادوں کی حفاظت فرمانا۔ اپنی اپنی سوچ ہے اور اپنا اپنا راستہ، یہ فطرت کی نیرنگیاں ہیں۔ ایک ہی گھر میں نور بھی ہے اور نار بھی،

پھول بھی ہے خار بھی، پیار بھی ہے اور ظلم بھی، شرافت بھی ہے اور شرارت بھی، ہدایت بھی ہے اور گمراہی بھی روشنی بھی ہے اور تاریکی بھی ،محبت بھی ہے اور عداوت بھی۔ بیوی بچانا چاہتی ہے اور شوہر مارنا چاہتا ہے، بیوی اہل بیت کی خادمہ ہے شوہر اہل بیت کا دشمن ۔ بیوی جن کے ملنے کی خوشی میں کنیز کو آزاد کر دیتی ہے۔

شوہر ان کو ضائع کر کے انعام حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ایک طرف تریاق ہے دوسری طرف زہر۔ ایک طرف حیات ہے اور دوسری طرف موت ایک طرف پیکر انسانیت ہے دوسری طرف شیطنیت۔

ایک ہی گھر کے ایک ہی کمرے میں عقیدت کو بھی نیند نہیں آ رہی اور بغض بھی جاگ رہا ہے۔ یہی تو خدا کی شان ہے یہی تو اسرار الٰہیہ ہیں یہی تو قدرت کے راز ہیں یہی تو قدرت کے بھید ہیں جن کی کنہ تک عقل خرد کی رسائی ناممکن ومحال ہے

ایک واقعہ

ایک قصاب نے اپنا پیشہ ترک کرنے کی وجہ بتائی کہ مجھے علی الصبح کسی گاہک کو گوشت دینا تھا۔ تڑکے کا وقت ہے۔ سات آٹھ ماہ کا بکری کا بچہ

جسے ذبح کرنا تھا وہ ٹانگیں پھیلاتے پوری مستی میں سو رہا ہے۔ میرے ہاتھ سے چھری گر گئی۔ اس کے سونے کے انداز نے میرا دل تڑپا دیا اس کے بعد میں کسی جانور کو ذبح کرنے کے تصور سے بھی کانپ جاتا ہوں۔ یہ دل بدل جانے کی بات ہے ورنہ حلال جانوروں کو ذبح کرنا منع نہیں۔

جنت کا خواب

دونوں شہزادے سو رہے ہیں تھکن کے بعد آرام کی نیند معصومیت کی نیند، غمزدوں کی نیند ﴿غم آنے پر بھی زیادہ نیند آتی ہے﴾ بڑی ہی میٹھی نیند، پیاری پیاری خوابوں کی نیند، ابا سے ملاقات کی نیند، بڑی ہی بھولی بھالی اور راحت کی نیند کہ تقدیر دونوں کو جھنجھوڑ کر جگا دیتی ہے۔

دونوں بیکس و یتیم دھاڑیں مار مار کر رونے لگتے ہیں بچوں کی آواز سن کر بی بی کی دبی دبی چیخ نکل گئی۔ بیاختیار اس کے منہ سے نکلا یا اللہ خیر ہو۔ حارث نیت بھی رونے کی آواز سن لی تھی لیکن خاموش رہا۔

ادھر بڑے شہزادے نے چھوٹے شہزادے کو زور سے سینے کے ساتھ چمٹا لیا اور فرمایا۔ ابراہیم اب چلنے کی تیاری کرو۔

ابراہیم:۔ کہاں چلنا ہے اس وقت بھائی کیا پھر دوڑنا پڑے گا یہاں بھی ہمارا کوئی دشمن آ گیا ہے۔ باہر تو ابھی رات ہے بھائی جان۔ اندھیرا ہی اندھیرا ہے ہائے اس اندھیرے میں پھر بھاگنا پڑے گا

محمد :۔ نہیں پیارے بھائی اب ہمیں دوڑنا نہیں پڑے گا اب ہماری بھاگ دوڑ ختم ہو چکی ہے۔اب ہماری مصیبتیں کٹنے والی ہیں۔اب داغ یتیمی دھلنے والا ہے۔اب جدائی کی گھڑیاں ختم ہونے والی ہیں۔

میں نے بڑا ہی پیارا خواب دیکھا ہے۔میں نے دیکھا ایک بہت ہی خوبصورت باغ ہے اس میں بڑا ہی پیارا تخت بچھا ہوا ہے۔اس پر رسول پاک بیٹھے ہوئے ہیں۔ مجھے ابا نے بتایا تھا کہ یہ رسول پاک ہیں۔ یہ تمہاری دادی ہیں حضرت فاطمۃ الزہرا اور بھی بہت سارے لوگ تھے سب کی صورتیں بڑی ہی پیاری تھیں۔

مجھے رسول پاک نے اپنی گود میں لے کر بہت پیار کیا پھر ہمارے ابا جان کو مخاطب کر کے فرمایا! مسلم تم نے یہ کیا کیا کہ خود آ گئے اور ان معصوم یتیموں کو دکھوں کی دنیا میں چھوڑ آئے۔

ابا جان نے رسول پاک کے قدموں کو بوسہ دے کر وعدہ کیا۔حضور یہ صبح ہوتے ہی آپ کے حضور میں پہنچ جائیں گے۔

پھر وہ پیارا تخت اور خوبصورت باغ غائب ہو گیا مجھے یقین ہے کہ ہم صبح ہوتے ہی شہید کر دیئے جائیں گے۔اور پھر ابا جان سے ملاقات کریں گے پیارے بھائی جب ابا جان ہی پاس نہیں تو اس جینے میں کیا رکھا ہے ہمیں اس دکھوں اور مصیبتوں کی دنیا سے کیا لینا ہے چھوٹے بھائی نے سنا تو چیخ نکل گئی بڑے نے چھوٹے کی یہ حالت دیکھی تو وہ بھی زاروقطار رونے لگا۔

حارث انکی درد میں ڈوبی ہوئی آوازوں کو بغور سنتا رہا۔ اسے اس کی بیوی کی طرف سے آنے والی سسکیوں اور آہوں کی آواز بھی مسلسل سنائی دیتی رہی۔ بی بی اٹھنا چاہتی تھی لیکن اس ڈر سے نہ اٹھتی تھی کہ کہیں حارث کو شک نہ ہو جائے عجیب کرب کی کیفیت میں کروٹ پر کروٹ بدل رہی ہے۔ انسان کی کی سوچ اپنی جگہ ہے اور تقدیر کا وار اپنی جگہ۔

حارث پوچھ لیتا ہے کہ یہ رونے کی آواز کہاں سے آرہی ہے، بی بی تقریباً روتے ہوئے جواب دیتی ہے،، معلوم نہیں،، یہاں تو کوئی پڑوس بھی نہیں ہے شائد دور کہیں کسی کے بچے رو رہے ہیں۔

حارث:۔ مجھے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہ آواز ہمارے ہی گھر سے آرہی ہے اور یہ تو بتاؤ کہ تمہیں نیند کیوں نہیں آرہی اور تم سسکیاں کیوں بھرتی ہو۔

حارث کی بیوی:۔ خدا جانے بس نیند نہیں آرہی۔ جسم ٹوٹتا ہے شائد بخار ہو گیا ہے۔ حارث خاموشی سے اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے اور پھر اس کمرے کی جانب جاتا ہے جہاں سے شہزادوں کے رونے کی آواز آرہی تھی، اس کی بیوی بھی بیقرار ہو کر اس کے پیچھے دوڑتی ہے حارث کو دیکھ کر بچے سہم کر چپ ہو گئے۔

بچو تم کون ہو؟ حارث نے پوچھا! بچوں کی بجائے اس کی بیوی نے جواب دیا کہ یہ تو حضرت مسلم کے شہزادے ہیں میں نے کہا سو رہے ہوں

گے تمہیں صبح ملاوں گی۔حارث ہم پر یہ خدا نے فضل کیا ہے۔کہ اہل بیت مصطفیٰ کے شہزادے ہمارے مہمان ہیں۔ایک دو روز ہم ان کی خدمت کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی حاصل کریں گے پھر ان کو کسی طرح مدینہ منورہ پہنچا دیں گے۔

پیارے حارث! ان کا آنا ہمارے لیے باعث رحمت خداوندی ہے ہمارے سب دکھ دور ہو جائیں گے پتہ نہیں یہ کیوں رو رہے تھے دیکھو تو سہی پھول سے چہرے رو رو کر مرجھائے ہوئے ہیں،آگے بڑھو ان کو پیار کرو اور تسلی دو کہ ہم تمہیں جلد ہی مدینہ پہنچا دیں گے۔یہ شائد اسی لئے رو رہے ہیں یتیمی کا داغ تازہ تازہ لگا ہے۔زخم ابھی ہرے ہیں تازہ زخم جلدی دکھ جاتے ہیں آگے تو بڑھو پیارے حارث تم چپ کیوں ہو آگے بڑھ کر ان سے پیار کرو تمہیں اللہ تعالیٰ اس کا بہت بڑا اجر دے گا۔

وہیں کھڑے کھڑے حارث نے کہا کہ سو جاؤ بچو رو رو کر ہماری نیند کیوں حرام کرتے ہو۔اس کی بیوی تسلی دینے کے لئے آگے بڑھتی ہے تو اس کا ہاتھ کھینچ کر اپنے کمرے میں آجاتا ہے۔کمرے میں آکر حارث نے بیوی کو مخاطب کیا کہ تم نے جان بوجھ کر مجھ سے پردہ رکھنے کی کوشش کی ہے جو اچھی بیوی کے لئے جائز نہیں پھر بھی میں تمہیں معاف کرتا ہوں تم نے اپنی سب باتوں میں کام کی صرف ایک بات کی ہے کہ ان بچوں کے آنے سے ہمارے گھر میں رحمت خداوندی آجائے گی۔

میں تمہاری اس بات سے اتفاق کرتا ہوں تم نے واقعی سچ کہا صبح کو میں ان بچوں کے سر کاٹ کر ابن زیاد کے دربار میں پیش کروں گا اور وہاں سے اس قدر مال و دولت حاصل کروں گا کہ ہمارے عیش ہو جائیں گے اور مزے سے ساری زندگی بسر کریں گے بس یہی رحمت خداوندی ہے۔ جوان کی آمد سے ہمارے گھر میں آئے گی اور یہ بھی ہماری خوش قسمتی کی انتہا سمجھو کہ میں کل سارا دن ان بچوں کو تلاش کرتا رہا بلکہ رات کا کافی حصہ انہی ہی کہ جستجو میں بھاگ دوڑ کرتا رہا خدا کسی کی محنت ضائع نہیں کرتا اس نے میری محنت کا یہ صلہ دیا کہ ان کو میرے گھر میں بھیج دیا گویا شکار خود شکاری کے پاس پہنچ گیا ہے۔

شوہر کی وحشتناک اور ہولناک گفتگو سن کر بی بی کا کلیجہ ہل جاتا ہے رات کا باقی حصہ ہر طرح سے اس کی منت خوشامد کر کے اسے راہ راست پر لانے کی کوشش کرتی رہی لیکن ادھر تو دولت کا بھوت سوار تھا اس دولت کا جو کوفیوں کی بہت بڑی کمزوری ہے ۔

خدا ہی جانتا ہے کہ دوسری طرف مسلم کے بیکس و معصوم بچوں نے کس طرح رات کا باقی حصہ بسر کیا۔

صبح ہوتے ہی حارث نے بچوں کو بازوں سے پکڑا اور باہر کی طرف جانے لگا اس کا شہزادوں کو پکڑنے کا انداز ایسا تھا جیسے قصاب دو بکروں کو کانوں سے پکڑ کر ذبح خانے کی طرف لے جاتا ہے۔

کانوں کو زور سے پکڑے رکھتا ہے کہ ذبیحے بھاگ نہ جائیں حارث کی عورت بچوں کو بچانے کے لئے جو کچھ بھی کر سکتی تھی کر گذری اس نے ہر طریقہ سے اس خونی درندے سے بچوں کو چھڑانا چاہا لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ آخر اس نے فیصلہ کیا کہ بچوں کو بچانے کے لئے جان کی بازی لگا دوں یہ سوچ کر آگے بڑھی اور حارچ کو رک کر کہنے لگی

ظالم! اگر تو ان بچوں کو قتل کرنا ہی چاہتا ہے تو پہلے مجھے قتل کر میں دنیا سے اپنے ساتھ اہل بیت مصطفیٰ کے ساتھ غداری کے کلنک کا ٹیکہ نہیں لے جانا چاہتی حارث پر لالچ کا بھوت سوار تھا۔ اس پر کوئی حربہ بھی کارگر ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔

لالچ انسان کو اندھا کر دیتا ہے۔ پاگل بنا دیتا ہے۔ اس کی سوچنے کی سمجھنے کی صلاحیتوں کو بے کار کر دیتا ہے، اس کا دماغ ماؤف کر دیتا ہے وہ اپنے پرائے میں تمیز کرنے سے بے بہرا ہو جاتا ہے، وہ اندھا ہو جاتا ہے، پاگل ہو جاتا ہے حارث بھی اندھا اور پاگل ہو گیا تھا اس نے شدت غیض سے تلوار کھینچی اور اس دنیا کی پاک باز حور اور نیک بی بی پر وار کر دیا۔

تلوار سر پر چلائی گئی تھی بی بی کا سر چر گیا ماتھے سے خون کا فوارہ چھوٹ پڑا چکرا کر گری دونوں ہاتھوں سے پھٹے ہوئے سر کو تھام کر بچوں سے کہا! شہزادو مجھے معاف کر دینا میں بے قصور ہوں، میں تم سے شرمندہ ہوں یتیمو تم میرے گھر سے مقتل کی طرف جا رہے ہو کاش میں آپ کو گھر میں ہی نہ

لاتی سر سے خون کے دھارے بہتے رہے حارث نے اسے پاؤں کی ٹھوکر ماری اور بے کس یتیموں کو زلفوں سے پکڑ کر کھینچتا ہوا آگے بڑھ گیا اس پاک باز کی درد میں ڈوبی ہوئی آواز آتی رہی محمد عربی کے شہزادو مجھے معاف کر دینا قیامت کے دن میری شکایت نہ کرنا میں بے قصور ہوں مگر نادم ہوں یا اللہ مجھے معاف کر دے یہ کہا اور بے ہوش ہو گئی۔

معصوم بچوں کے سامنے حارث کی بیوی پر وار ہوا تھا اس وار نے ان کے دل ہی چیر دیئے ان کے دلوں سے ہوک اٹھی اور اس ہوک کہ ساتھ یہ خیال بھی آیا کہ کاش یہ ظالم ہمیں قتل کر دیتا اور اس پاک باز بی بی کو کچھ نہ ہوتا ہمیں تو قتل ہونا ہی تھا وہ بیچاری بھی ہماری تقدیر کی لپیٹ میں آ گئی۔

ابھی ان خیالوں میں ہی تھے کہ نہر کا کنارا آ گیا حارث نے بڑے شہزادے کو کہا کہ لیٹ جاؤ۔ بڑا ابھی لیٹنے ہی والا تھا کہ پہلے چھوٹا لیٹ گیا اور کہا پہلے مجھے قتل کر دو میں بھائی کو قتل ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ بڑے نے کہا رک جاؤ پہلے مجھے قتل کرو۔

معصوم محبت کا یہ انداز دیکھ کر حوروں کی چیخیں نکل گئیں، آسمان کا کلیجہ پھٹ گیا، عرش خداوندی کو لرزا آ گیا، فرشتے تلملا کر رہ گئے، زمین کو زلزلہ آ گیا، کائنات عالم کانپ اٹھی لیکن بے رحم حارث کو رحم نہ آیا۔ ظالم نے کہا زیادہ باتیں نہ بناؤ اور دونوں ایک ساتھ لیٹ جاؤ۔

نبی کے تارے، علی کے دلارے، حسین کے پیارے، مسلم کے یتیم

عقیل کے پوتے، محبت کے شہکار اہل بیت مصطفیٰ کی بہار ایک دوسرے کو سینے سے لگا کر ایسے لیٹ گئے جیسے بستر پر آرام کرنے کے لئے لیٹے ہوں۔ ابا جان سے ملاقات کا شوق، شہادت کا ذوق ہر غم سے بے نیاز کر دیتا ہے سینے ملے ہوئے ہیں ایک دوسرے کے بازو گردنوں میں حمائل ہیں۔ سونے کے انداز میں آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ حارث کی تلوار اٹھتی ہے، چمکتی ہے اور دونوں یتیمان مسلم کے سرتن سے جدا کر دیتی ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اہل بیت کے معصوم، محمد کے مظلوم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چین کی میٹھی نیند سو جاتے ہیں۔ دنیا کے دکھوں سے نجات ہو جاتی ہے۔ ابا جان سے ملاقات ہو جاتی ہے۔

ظالم نے جبر ظلم و کی انتہا کر دی صابروں نے صبر کی انتہا کر دی فرشتوں کی معصومیت کانپتی رہی شیطان کی نسقاوت مسکراتی رہی جنت میں جاتے جاتے ننھے شہیدوں کی روحوں نے دنیا کے بڑے بڑے فلاسفروں اور دانش وروں کو ایک پیغام دیا کہ موت کو سر پر دیکھ کر بھی بھائی کو بھائی سے محبت کا رشتہ نہیں توڑنا چاہیے۔

ایثار کرنا سیکھو اے دنیا والو۔ ایثار ہی مقصود انسانیت ہے، جان تو دینا ہی پڑے گی۔ ایک دوسرے پر قربان ہونا سیکھو۔

ظلم کی سزا

شیطان حارث نے یتیموں کے دھڑوں کو نہر میں پھینک دیا یہ وہی نہر فرات ہے جس کا پانی شہیدوں کے لئے بند کر دیا گیا تھا۔

اہل بیت مصطفٰے اس نہر کا پانی کیسے پی سکتے تھے جس میں مسلم کے یتیموں کا خون ملا ہوا تھا۔ حارث نے سر اٹھائے اور طشت میں سجا کر ابن زیاد کے پاس لے گیا۔

طشت اس کے سامنے رکھ کر اوپر سے رومال اٹھا کر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ دل میں انعام ملنے کی خوشی سے لڈو پھوٹ رہے ہیں۔

ابن زیاد نے شہزادوں کے سر دیکھ کر پوچھا یہ کیا ہے؟

حضور! یہ مسلم کے بچوں کے سر ہیں، بڑی مشکل سے پکڑے گئے ہیں۔ حارث نے خوش ہو کر کہا۔ ابن زیاد نے غصے میں کانپتے ہوئے کہا، تمہیں کس نے کہا تھا کہ بچوں کے سر کاٹ کر لاؤ، احمق کے بیٹے، مجھ سے یزید نے زندہ بچے مانگے ہیں سر نہیں مانگے، حرام زادے تم نے انہیں قتل کیوں کیا ہے۔

حارث کانپنے لگتا ہے۔ کانپتے کانپتے کہا کہ غلطی ہو گئی جناب معاف کر دیجیے۔ ابن زیاد نے اور غصے میں آ کر کہا۔ یہ غلطی معاف نہیں ہو سکتی، جلاد لے جاؤ اسے چوراہے میں گاڑ کر اس پر خونخوار کتے چھوڑ دو اس کی یہی

سزا ہیابن زیاد کو بچوں کی شہادت کا غم نہیں تھا اسے یزید کی طلبی کا ڈر تھا۔

جو کچھ بھی تھا یہ قدرت کا انتقام تھا فطرت خاموش کا انتقام معصوم بچوں کی معصوم روحوں کا انتقام قاتل کو قتل ہونا ہی پڑتا ہے ظالم کو اپنے ظلم کا بدلہ وصول کرنا ہی پڑتا ہے یہ نظام قدرت ہے اسے کوئی تبدیل نہیں کرسکتا ظالم کو ظلم کرنے کے لئے وقت دیا جا سکتا ہے لیکن اس پر گرفت قائم رہتی ہے اس کے لئے قدرت کا شکنجہ تیار رہتا ہے سر لینے کے بدلے میں سر دینا ہی پڑتا ہے۔ کسی کے ارمانوں کا خون کر کے اپنے ارمانوں کا لاشہ اٹھانا ہی پڑتا ہے یہ قانون فطرت ہے یہ قضا وقدر کا اصول ہے

یہ قدرت کا اٹل دستور ہے اس کی گرفت سے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا قانون قدرت کو توڑا نہیں جا سکتا یہ ازل ہے اور ابد تک رہے گا۔

دنیا کے بعد ابھی آخرت باقی ہے جہاں ذرے ذرے کا حساب ہوگا۔

من یعمل مثقال ذرته خیر یرہ ومن یعمل
مثقال ذرته شراً یرہ۔

حارث کو کوفہ کے چوراہے میں سینے تک گاڑ دیا گیا اور اس پر دہی چھینک کر خونخوار کتوں کو چھوڑ دیا گیا۔ خونخوار کتوں نے انسان نما کتے کے جسم کی تکا بوٹی کر دی۔ ظالم کی سزا مل گئی۔ فطرت خاموش کو سکون حاصل ہو گیا ۔قضا وقدر نے اپنا انتقام لے لیا۔ یوم حساب باقی ہے۔

عبرت ہے اہل نظر کے لئے

مکہ مکرمہ سے روانگی

حضرت مسلم نے یکم ذوالحجہ سن ۶۰ ھ کو کوفہ سے خط لکھا تھا۔ تیز رو قاصد دن رات ایک کر کے آٹھ ذوالحجہ کو دربار امام میں پہنچ گیا۔ آپ نے بھائی کا خط پڑھا۔ کوفے کے حالات سے آگاہی حاصل کرنے کے بعد اہل بیت کو نئے سفر پر تیاری کا حکم دے دیا۔

آٹھ ذوالحجہ کی صبح درخشاں طلوع ہوتی ہے۔ کائنات ارضی کے گوشہ گوشہ سے آئے ہوئے فرزندان توحید منیٰ کو جانے سے پہلے شہزادہ مصطفیٰ کی زیارت کو جوق درجوق آ رہے ہیں

لیکن آپ کی کوفہ کو تیاری دیکھ کر حیران ہو کر زبان حال سے کہتے ہیں!

اے تماشہ گاہ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا ! می رہی

آٹھ ذوالحجہ کو مکہ معظمہ (ثاداللہ شدفھا) میں کیا ہوتا ہے۔ یہ وہی لوگ بتا سکتے ہیں جو حج کی سعادت سے مشرف ہو چکے ہوں۔ ملک ملک سے آئے ہوئے لوگ سفید احراموں کے ایک ہی جیسے لباس میں مساوات اسلامی کا کامل نمونہ بن کر حرم کے اندر اور باہر شانہ بشانہ کھڑے ہوتے ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے:۔

ایک ہیں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کا شغر

لبیک الھم لبیک کی صدائیں ہیں ۔ بارگاہ خداوندی جل وعلا میں دعاؤں کے لئے ہاتھ اٹھے ہوئے ہیں ۔ غلاف کعبہ کو تھام کو فریاد پر فریاد ہو رہی ہے ۔ لوگ اپنے اپنے گناہوں کی گٹھڑیاں ہاتھوں پر رکھے ہوئے رب کائنات کے حضور میں سر جھکائے کھڑے ہیں ۔ عجیب میلہ لگا ہوا ہے ۔

یہ وہ واحد مقام ہے جہاں عورتوں اور مردوں کے اختلاط کی اسلام نے اجازت دے رکھی ہے لیکن کیا مجال کسی کی آنکھ مین کجی آجائے ۔ لوگ تو پہلے ہی اپنے اپنے گناہوں پر سچے دل سے شرمندہ ہوتے ہیں پھر گناہ کا تصور کہاں ۔

حرم کے اندر اور باہر ایک ملکوتی حسن چھا جاتا ہے ۔ کوئی طواف کر رہا ہے، کوئی حجر اسود کو چوم رہا ہے، کوئی میزاب رحمت کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا ہے ۔ کوئی زمزم سے پیاس بجھا کر دعا مانگ رہا ہے ۔ تعظیم میں نوافل ادا کئے جا رہے ہیں ۔ مقام ابراہیم پر نمازیں پڑھی جا رہی ہیں ۔ صفا مروہ کی دوڑیں لگ رہی ہیں ۔ ہر طرف نور کی چادر تنی ہوئی ہے ۔ رحمت الٰہی جوش میں ہے ۔

ایسا رقت انگیز سماں ہے کہ آنسو خود بخود جاری ہو جاتے ہیں ۔ مجھے بھی یہ بہاریں دیکھنے کا شرف حاصل ہے ۔

اور پھر دوبارہ حاضر ہونے کے لئے تڑپ رہا ہوں۔ خداوند تعالیٰ ہر مسلمان کو حج بیت اللہ شریف کی سعادت نصیب فرمائے۔

آمین

حج کا میلہ لگا ہوا ہے۔ لوگ دور دور سے مکہ معظّمہ میں آرہے ہیں۔ لیکن پا پیادہ پچیس حج کرنے والے امام حسین علیہ السلام آج نفلی حج کو چھوڑ کر مکہ معظّمہ سے باہر جا رہے ہیں۔ عظیم ترین مقصد کیلئے حج سے بھی بڑا مقصد جبھی تو اس مقصد پر حج کو قربان کیا جا رہا ہے ظاہر کے حالات سے بھی آپ پوری طرح واقف تھے۔ اور باطن کے پردے بھی آپ کے سامنے اٹھے ہوئے تھے۔

آپ کے سامنے یزیدیّت کا سیلاب تھا جسے روکنا بے حد ضروری تھا اور اس سیلاب کو صرف جوانان اہل بیت کی لاشوں کے ٹکڑوں کا بند باندھ کر ہی روکا جا سکتا تھا۔ حرم میں خون گرانا حرام ہے امام چاہتے تھے کہ حرم محترم کا احترام قائم رہے اور میرے ہوتے ہوئے یہاں خون ریزی نہ ہونے پائے شہزادۂ کونین کا مقصد تھا حرم کا تحفظ حرم سے دور جا کر کیا جائے۔

آپ کو معلوم تھا کہ حرم میں ایک شخص کو مینڈھے کی طرح ذبح کیا جائے گا آپ حرم کی حرمت کو بچانا چاہتے تھے آپ حرم کی زمین چھوڑ دینا چاہتے تھے آپ دادا اسماعیلؑ نے حرم کی بنیادوں کو استوار کیا آپ ان بنیادوں کو مضبوط کرنا چاہتے تھے۔

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستان حرم
نہایت اس کی حسین ابتدا ہے اسمعیل

﴿اقبال﴾

کوفیوں نے کہا تھا ہمارا کوئی امام نہیں ہم بے امام ہیں ہماری دستگیری کیجئے۔ ہم یزید کو اپنا خلیفہ تسلیم نہیں کرتے ہمیں سہارا دیجئے جگر گوشہ رسول تھا علی کا جگر پارہا تھا، فاطمہ کا دلارا تھا کیسے سہارا نہ دیتا اور کیوں فریاد رسی نہ کرتا۔

زندہ حق از قوت شبیری است
باطل آخر داغ حسرت میری است

﴿اقبال﴾

آیا تھا! یہ خیال بھی دل میں آیا تھا کہ دو دن اور رُک کر نفلی حج ادا کرلوں! لیکن نانا کی آواز کانوں میں رس گھول رہی تھی، حسین علیہ السلام! اُٹھو نفلی فکر نہ کرو۔

تمہیں حج اکبری ادا کرنا ہے۔ لوگ دس ذوالحجہ کو منیٰ میں بکروں اور مینڈھوں کو قربان کر کے تمہارے دادا اسمٰعیل کی یاد کو تازہ کریں گے۔ لیکن تم دس محرم کو اپنے بیٹوں کی قربانیاں پیش کرو گے۔

اپنے بھائیوں کی قربانیاں دو گے۔ اپنے بھتیجوں کی قربانیاں دو گیاور پھر تم قربان ہو کر تکمیل ذبح عظیم کردو گے۔

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنی ذبح عظیم آمد پسر

حسین علیہ السلام !تمہارے دادا اسمٰعیل کی قربانی کا اثر ہے کہ اب تک لوگ کروڑوں جانوروں کو قربان کر چکے ہیں اور یہ سلسلہ تا قیام قیامت جاری رہے گا۔

تمہارے دادا اسمٰعیل کی جگہ جانور قربان ہوا تھا۔لوگ جانوروں کو ذبح کر کے اُنکی یاد مناتے ہیں۔

لیکن میرے پیارے حسین علیہ السلام ! تمہاری جگہ مینڈھا قربان نہیں ہوگا تم تو اُن مقدس انسانوں کی قربانیاں پیش کرو گے جن میں قدسی صفات ہوں گی جن کے چہروں پر ملکوتی حُسن ہوگا جن کے خون کے ہر قطرے سے صدائے اللہ اکبر بلند ہوتی ہوگی جن کے دلوں میں ایمان کی حرارت ہو اور جن کے سینوں میں شمع صداقت فروزاں ہوگی۔

پھر تمہاری ان قربانیوں کا اثر لامتناہی ہو جائے گا۔ سرمدی اور ابدی ہو جائے گا اور لوگ تمہاری ان قربانیوں کی یاد بکروں اور منیڈھوں کو قربان کرنے کے بجائے اپنی جانیں پیش کر کے منائے گے مائیں اپنے بیٹوں کی شہادت پر فخر کریں گی۔

باپ اپنا سرمایہء حیات لٹتے ہوئے دیکھ کر خوش ہوں گے۔ اہل وفا شہید ہو کر تمہارے پرچم تلے جمع ہونے کے لئے بیقرار ہو جائیں گے۔

قیامت تک ہر دور میں نعرہ حسینیت بلند ہوتا رہے گا اور اہل حق لوگ اپنی جانیں قربان کر کے تمہیں خراج عقیدت پیش کرتے رہیں گے ان کا خون تمہارے خون کی سلامی کے لیئے مچل جائے گا۔

اور تمہارا لہو اُن کے لہو میں حرارت ایمانی بھر دے گا اُن کے خون کے ہر میں بھی بوئے وفا رچ بس جائے گی۔ اُنہیں حق و صداقت کی سر بلندیو ں سے آ گاہی حاصل ہو جائیگی اور سب تیرے طیب و طاہر اور مقدس خون کا اثر ہو گا۔

اُٹھو میرے حسین! بکروں اور مینڈھوں کی قربانیوں کی بجائے اپنے جگر کے ٹکروں کی قربانیاں پیش کرو
اکبر و اصغر کی قربانی پیش کرو۔ قاسم و عباس کی قربانی پیش کرو۔ عون و محمد کی قربانی پیش کرو۔ اپنے وَفا پرور ساتھیوں کی قربانیاں پیش کرو۔

اور خدا تعالے کے قانون کے تحفظ کے لئے، میرے دین کو بچانے کے لئے میری شریعت کی حفاظت کے لئے، حق کی سر بلندی کے لئے، اسلام بقا کے لئے، عظمت انسانیت کے لئے خود بھی قربان ہو جاؤ

پرستاران توحید آج یہاں سفید احراموں کے کفن باندھ کر بارگاہ ایزدی میں حاضر ہو کر ندامت کے آنسو پیش کر رہے ہیں۔
لیکن میرے مظلوم شہید! تم دس محرم کو سُرخ احرام باندھ کر

خدا تعالےٰ کی کبریائی اور عظمت کا اعلان کرو گے اور بجائے آنسوؤں کی برسات کرنے کے اپنے خون مقدس کا ہر قطرہ پیش کردو گے۔

لوگ یہاں زمزم سے اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ کربلا میں تین دن کی پیاس برداشت کر کے نانا کے ہاتھوں کوثر و سلسبیل کے جام نوش کرو گے میرے حسین اُٹھو! لوگ میرا دین تبدیل کر دینا چاہتے ہیں اگر آج تم نے حق و باطل میں امتیاز پیش نہ کیا۔

تو لوگ قیامت تک حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکیں گے دنیا والے گما ن کرلیں گے کہ ہر امیر کی اطاعت واجب ہے خواہ وہ شرابی ہو، زانی ہو، بدکار ہو اور قوانین الٰہیہ کو پامال کرتا ہو۔

میرے بیٹے! دنیا کو بتا دے کہ اولی الامو منکم کا مطلب کیا ہے میر ے چاند نشاندہی کردو کہ وہ کون امیر ہے جس کی اطاعت خدا اور رسول کے بعد ضروری ہے خدا ورسول سے بغاوت کرنے والا حاکم کس طرح قابل اطاعت ہوسکتا ہے خدا کے باغی کی اطاعت کرو گے تو خدا اور رسول کی اطاعت کیسے ہو سکے گی۔ جبکہ آیت میں ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو۔ اور رسول کی اطاعت کرو اور پھر امیر کی اطاعت کرو۔

پیارے حُسین! دنیا والے اس ظن میں مبتلا ہو جائیں گے کہ جب محمد کے نواسے نے گمراہی اور بے دینی کی حکومت کو خلاف الٰہیہ تسلیم کرلیا تو ہم کیو ں نہ کریں۔

حسین علیہ السلام! یزید کی بعیت قبول کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ تم نے نانا کی حرمت کوفروخت کر دیا۔ رسالت کے مقصد کوقتل کر دیا۔

اٹھو میرے حسین! نانا کی حرمت اور مقصد رسالت کے تحفظ کے لئے اٹھواور یزیدی قوتوں سے ٹکرا جاؤ اس کی حکومت کو غیر اسلامی قرار دے کر اُس کی امیدوں پر پانی پھیر دو تمہاری شہادت یزیدیت کے منہ پر طمانچہ ہوگی فسق و فجور اور ضلالت و گمراہی کی موت ہوگی۔

اُٹھو! اور میرے دین کی حدوں کو اپنے سرخ سرخ خون کی لکیر کھینچ کر اسقدر نمایاں کر دو کہ کم نظر لوگ بھی آسانی کے ساتھ حق و باطل میں تمیز کر سکیں۔

حسین! یہ کام تم کر سکتے ہو یزید اپنے مکروہ اور ناپاک ہاتھوں میں تمہارے مقدس ہاتھ لینا چاہتا ہے اُسے بتادو کے حسین سر تو کٹوا سکتا ہے لیکن تیرے پلید ہاتھوں میں ہاتھ دے کر نانا کی حرمت فروخت نہیں کر سکتا۔

اٹھو میرے حسین! اپنے سفر کا آغاز کر دو۔ احکام سفر اُس شہنشاہ کی طرف سے صادر ہو چکے ہیں جس کا ہر حکم حکم خداوندی ہے پھر دوسروں کے مشوروں پر کس طرح عمل کیا جا سکتا تھا آج عقل عیار حسین کی شہادت میں نقائص تلاش کرتی ہے۔

اور سبط پیمبر کے اس پر مقصد اور عظیم سفر میں خامیاں نکالتی ہے اور نواسۂ رسول کو مشورے دیتی ہے کہ اسے ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا اور اسے

ایسے کرنا چاہیے تھا۔ معاذ اللہ!

ہم پوچھتے ہیں کہ اگر امام حسین مکّہ کو نہ چھوڑتے تو کیا یزید انہیں چین و آرام کی زندگی بسر کرنے کی اجازت دے دیتا جبکہ تاریخ شاہد ہے کہ قتل امام کہ بعد بھی یزید نے وحشت و بربرّیت کی انتہا کردی۔

مدینہ منورہ کی حرمت کو لوٹ کر مکہ معظّمہ کی بے حرمتی کی پھر حجاج نے بن زبیر کو حرم محترم میں شہید کردیا غور تو کیجئے اگر حسین بھی اسی طرح شہید کیئے جاتے تو اس بے بسی کی موت کا اثر کس رنگ میں ظاہر ہوتا۔

حقیقت یہ ہے کہ ظلم و استبداد کا مقابلہ امام عالی مقام کو حجرۂ فاطمہ سے باہر آ کر ہی کرنا تھا بہر حال ہمیں اس حصہ کو بحث و تمحیص سے بالکل پاک رکھنا ہے۔

احباب کی آمد

امام عالی مقام بالکل تیار کھڑے ہیں محبان کرام ہیں جوق در جوق چلے آرہے ہیں سبھی لوگ انتہائی بے بسی کے عالم میں شہزادۂ کونین کی طرف دیکھ رہے ہیں۔

آنکھوں سے اشک جاری ہیں اور دل حسرت و یاس میں ڈوبے ہو ئے ہیں دلوں کی دنیا بھی عجیب ہے کسی سے گہرا ربطہ و تعلق ہو تو اس کے متعلق یہ سب کچھ بتا دیتے ہیں۔

اہل محبّت کے دلِ شہادت دے رہے تھے کہ شہزادۂ بتول نواسہ رسول کی آخری زیارت ہے اور متعدد حضرات دل کی یہ بات زبان پر بھی لے آئے اور یوں فریاد کرتے ہیں۔

سب نے عرض کی شہزادۂ حیدر !نہ جا
اے حسین ابن علی سبط پیمبر !نہ جا

صدمے پہنچے ہیں وہاں حیدر کو !کیا کیا
جانا کوفے کا تو ہرگز نہیں بہتر ! نہ جا

روئے انور ہے تیرا آئینہ !اندھے ہیں وہ
لے کے اندھوں میں یہ آئینہ سکندر !نہ جا

سنگ باراں سے بچا جام بلوریں اپنا
ایسے لوگوں میں جو پتّھر سے ہیں بدتر !نہ جا

گل شاداب نبی اپنے چمن سے نہ نکل
نازنین پھول ہے تو !کانٹوں کے اندر !نہ جا

﴿بیدل﴾

حضرت عبداللہ ابن عمر آگے بڑھتے ہیں آپ کی پیشانی کو چومتے ہیں، پیشانی انور کو بوسہ دیتے ہیں اور عرض کرتے ہیں اے مملکت حق وصداقت کے تاجدار، اے نوجوانان جنت کے سردار، اے شہیدان محبت کے قافلہ کے سالار! میں آپ کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔

حالانکہ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ آپ یقیناً شہید کردیئے جائیں گیابوسعید خدری نے گذارش کی کہ آپ تشریف نہ لے جائیں ابوواقد نے منّت سماجت کی عمر بن عبدالرحمٰن نے روکا حضرت عبداللہ ابن عباس نے رو رو کر فریاد کی کہ شہزادہ رسول ابھی آپ نہ جائیں۔

کچھ دن مزید انتظار فرمائیں مجھے اطلاع ملی ہے کہ اب کوفہ کا گورنر نعمان بن بشیر نہیں بلکہ یزید نے ابن زیاد کو وہاں بھیج دیا ہے وہ بڑا شقی اور بدبخت انسان ہے آپ چند روز تاتل فرمائیں اگر کوفہ کے لوگ ابن زیاد کو وہاں سے نکالنے میں کامیاب ہوگئے۔

تو آپ ضرور تشریف لے جائیں۔اگر آپ کو ضرور ہی جانا ہے تو آپ یمن تشریف لے جائیں وہاں کے لوگ بھی آپ کے غلام ہیں۔

امام نے فرمایا ! میں جانتا ہوں آپ میرے سچے ہمدرد ہیں آپ کی ہر بات دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی معلوم ہوتی ہے میں آپ کی نصیحت اور شفقت کا گذار ہوں لیکن میں تو عزم صمیم کرچکا ہوں میں کس طرح رک سکتا ہوں حسین کا مصمم ارادہ کس طرح تبدیل ہوسکتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس نے یہ غیر متزلزل کلمات سنے تو رد کر عرض کیا۔ اے شہزادۂ رسول ! اگر آپ کا جانا اتنا ہی ضروری ہے تو بچوں کو ساتھ نہ لے جائیں اہل بیت کرام مکّہ معظّمہ میں چھوڑ جائیں مگر آپ نے منظور نہ فرمایا۔

کیسے منظور فرماتے ان سب کا جانا تو اتنا ہی ضروری تھا جس قدر آپ کا جانا آپ نے اپنے سچے بہی خواہوں اور سچے ہمدردوں سے فرمایا ہے میں آپ سب کا شکر گذار ہوں مگر میرا اب رک جانا امر محال ہے مشیت خداوندی یہی ہے کہ میں مکہ معظّمہ کو چھوڑ دوں مجھے جانے دو مجھے میرا فرض پکار رہا ہے۔

اے میرے غمگسارو مہر بانو مجھ کو جانے دو
مجھے نانا کے دیں کی ڈوبتی کشتی بچانے دو

کسی کے روکنے سے ابن حیدر رک نہیں سکتا
یہ سر کٹ سکتا ہے باطل کے آگے جھک نہیں سکتا

مجھے نانا کے حکم خاص کی تعمیل کرنے دو
منیٰ کے فرض کی جا کر مجھے تکمیل کرنے دو

یہ دنیا کچھ نہیں اک صورت موہوم ہے سب کچھ
مجھے تم کیا بتاتے ہو مجھے معلوم ہے سب کچھ

﴿صائم چشتی﴾

آپ کے ارشادات عالیہ سن کر لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے صدائے الفراق تھی محبان اہل بیت کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا صدائے سروش آئی اے مکہ والو اے دور دراز سے آنے والے حاجیو! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربی کے چاند کی آخری زیارت کرلو۔ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لال کا آخری دیدار کرلو آج کے بعد اس پیکر نور اور شبیہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دیکھ سکو گے حسین علیہ السلام نے حرم محترم کی طرف نگاہیں اٹھا کر فرمایا۔

اے جلوہ گاہ رب جلیل! اے تصویر ذوق ذبیح وخلیل! حسین علیہ السلام تیری عظمتوں کو سلام پیش کرتا ہے اللہ تعالیٰ تیری حرمت کی حفاظت فرمائے تیرا وجود خطا کاروں اور گنہگاروں کے لئے چشمۂ رحمت ہے تو سراپا برکت ہی برکت ہے تیری زیارت سے گناہوں کا خاتمہ ہوجاتا ہے تیری حرمت کو بچانے کے لئے نانا جان تجھے چھوڑ کر مدینہ چلے گئے تھے آج تیری حرمت کو بچانے کے لئے حسین علیہ السلام کربلا کو جارہا ہے

اے کعبہ کی دیوار تم سلامت رہو اور خوش نصیب تم سے چمٹ چمٹ کر اپنے گناہ کی معافی مانگتے رہیں۔ حجر اسود تم بھی سلامت رہو۔ تمہیں بھی

میرے نانا نے چوما ہے تم بھی خوش نصیب ہو تمہیں لوگ قیامت تک چامتے رہیں گے میری طرف دیکھو میں بھی بوسہ گاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو لیکن تمہیں چومنے والوں میں سے ہی کچھ لوگ میری گردن پر تلوار چلا دیں گے یہ اپنا اپنا مقام ہے

امام عالی مقام کی رقت انگیز گفتگو سے کعبۃ اللہ کی دیواروں کو لرزہ آ جاتا ہے۔

فضاؤں میں یکا یک ایک درد افزا صدا گونجی
ہوئی گم مرکز اسلام سے اسلام کو پونجی

چلے ہیں کربلا کے کعبہ کے والی
خدا کا گھر، نبی زادوں سے گویا ہو گیا خالی

درو دیوار کعبہ نے لباس ماتمی پہنا
عروس گل نے پھولوں کا اتارا جسم سے گہنا

جگر پر فرط غم سے "سنگ" اسود نے رکھا پتھر
صفا مروہ کو چکر آ گیا کھانے لگیں چکر

بنی شکل حطیم دل شکستہ صورت ما تم
بشکل چشم نم تھا اشک افشاں چشمۂ زم زم

مثال اشک غم دریا بہے میزاب رحمت سے
ہر اک سجدے نے سر ٹکرایا محراب عبادت سے

خدا کی راہ میں گھر سے خدا کا مہمان نکلا
شہیدان محبت کا امیر کارواں نکلا

﴿حسن رضاؔ﴾

امام عالی مقام کی روانگی کی اطلاع اطراف و جوانب میں تیزی سے پھیل گئی۔ حضرت محمد بن حنیفہ کو جب اطلاع ملی تو آپ اُس وقت طشت میں وضو فرما رہے تھے۔ فرطِ غم سے بتیاب ہو کر رونے لگے۔ وضو کرنا بھی نہ یاد رہا اور اسقدر روئے کہ وہ طشت آپ کے آنسوؤں سے بھر گیا آپ روتے رہے اور آنکھیں وضو کرتی رہیں۔

عبد اللہ بن جعفر کا خط

اسی دوران میں مدینہ منورہ سے ایک قافلہ آیا۔ قافلہ کے ساتھ دو بچے تھے مکہ معظمہ پر پہنچ کر وہ قافلے سے الگ ہو گئے اور سیدھے امام عالی

مقام کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ بچے سیدہ زینب صلوٰۃ اللہ علیہا کے جگر کے ٹکڑے حضرت عون اور حضرت محمد تھے۔

ماموں جان کے حضور میں حاضر ہو کر ادب سے سلام عرض کیا۔ امام عالی مقام نے انتہائیہ شفقت و محبت فرماتے ہوئے بھانجوں کو سینے سے لگالیا اور آنے کا سبب پاچھا۔

بچوں نے عرض کیا آپ کے نام پاب کا خط لے کو آئے ہیں اور ادب سے خط پیش کر دیا۔

آپ نے خط کھولتے ہوئے پوچھا۔ کہو صغریٰ کی طبیعت کیسی ہے؟ ہمیں یاد تو بہت کر ہو گی۔

عون نے بتایا کہ جناب اب بیماری سے تو بالکل صحت یاب ہو چکی ہیں لیکن آپ سب کو اس شدت سے یاد کرتی ہیں کہ بیان نہیں کیا جا سکتا دن رات آپ ہی کی گفتگو کرتی رہتی ہیں کبھی بھائی جان علی اکبر کی باتیں کبھی ننھے علی اصغر کی باتیں، کبھی اپنی امی کی باتیں، اور کبھی ہماری امی کی باتیں۔ آپ کا ذکر تو بار بار کرتی ہیں

ہم جب مکہ معظمہ کو آنے لگے ہمارے گلے لگ کر روتی تھیں آپ کو بہت بہت سلام کہتی ہیں۔ کہہ رہی تھیں ہمارا سلام بھول نہ جانا بھائی! علی اکبر کے نام پیغام دیا تھا کہ آپ کا وعدہ کدھر گیا۔ اب مجھے لینے آؤ گے تو صغریٰ کی قبر سے ملاقات ہو گی۔ آپ کے نام رو رو کر پیغام دے رہی تھیں، کہ

بابا جان میرے حصے کا پیار بھی سکینہ سے ہی کر لینا میں آپ کی کیا لگتی ہوں ۔پھر کہتی تھیں میں سکینہ سے جلتی نہیں وہ تو میری جان ہے۔اسے بہت بہت سلام کہنا ننھے علی اصغر کو میری طرف سے گود میں لیکر سینے سے چمٹا چمٹا کر پیار کرنا۔

امام عالی مقام نے سرد آہ کھنچی اور خط پڑھنا شروع کر دیا لکھا تھا۔

منجانب عبداللہ بن جعفر، بنام نواسۂ رسول امام حسین علیہ السلام بعد از حمد و صلواۃ آپ کو اور تمام اہلبیت رسول کو سلام قبول ہو۔

اما بعد! معروض ہوں کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ نے کوفہ جانے کی مکمل تیاری کر لی ہے میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ اپنے اس عزم وارادہ کو ملتوی فرمالیں کیونکہ یہ مصیبت اور بلاؤں کا راستہ ہے اگر آپ کو معاذ اللہ قتل کر دیا گیا تو زمین کا نور بجھ جائے گا،

اس وقت آپ ہی تو منبعٔ ہدائیت اور اہل ایمان کی امیدوں کا مرکز ہیں میں نے عامل مدینہ سعید بن عمرو بن العاص سے آپ کے لئے امان حاصل کر لی ہے میں جلد حاضر ہو کر اس سے تحریری امان نامہ حاصل کرلوں گا اس لئے آپ میرا انتظار کریں۔

میں بہت جلد حاضر خدمت ہو رہا ہوں۔

(والسلام مع الخیر)

بارگاہ رسالت میں التجاء

امام عالی مقام علیہ السلام نے خط بند کیا مدینہ منورہ کی طرف رخ کر کے دل ہی دل میں نانا جان اور اماں جان کو سلام کہا صغرا کی یاد میں اٹھنے والے طوفانوں کو دبایا اور وہیں پر سے حجون کے قبرستان جنت المعلیٰ کی طرف منہ کر کے بابا عبدالمطلب کو سلام عرض کیا دادا ابو طالب کو سلام کہا اور پھر محترمہ نانی جان سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کے حضور میں ہدیہ سلام پیش کرتے ہیں۔

السلام اے راحت جان رسول
السلام اے مادر زہرا بتول

السلام اے راز دار مصطفیٰ
الوداع اے غمگسار مصطفیٰ

السلام اے ملکۂ ملک جناں
الوداع اے حرم شاہ مرسلاں

السلام اے زوجۂ خیر الانام
الوداع اے مادر ام تمام

السلام اے پیکر شرم و حیا
الوداع اے منبعِ جود و عطا

السلام اے جانثارِ مصطفیٰ
الوداع اے مہبط نور خدا

اے رفیق و مونس ختم رسل
اے فروغ خانۂ مختار کل

اے حبیبہ حبیب کبریا
اے رفیقۂ رفیق دوسرا

امری امی کی امی نور عین
جا رہا ہے دور قدموں سے حسین

(صائم چشتی)

مخدومہ کائنات، ملکہ فردوس بریں، محبوبۂ محبوب خدا، طیبہ طاہرہ مقدسہ معظّمہ محترمہ مکرمہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیھا کے حضور میں الوداعی سلام عرض کرنے کے بعد امام عالی مقام آغاز سفر فرما دیتے ہیں

آغاز سفر

شہیدان وفا کا امام حق وصداقت کے قافلے کا امیر جانی پہچانی منزل کی طرف جا رہا ہے، راستے میں ایک شخص ملا اس نے عرض کیا

میں آپ کو خدا کا عاسطہ دیتا ہوں آپ لوٹ جائیے کوفیوں پر بھروسہ نہ کیجئے۔

امام عالی مقام نے شفقت سے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا۔

جو کچھ تم کہتے ہو ہم بھی جانتے ہیں لیکن خدا کے حکم کے خلاف نہیں کیا جا سکتا۔

عرب کا مشہور شاعر فرزدق حج کے لئے آ رہا تھا اہل بیت کے قافلے کو دیکھ کر رک گیا امام کے قدموں کو چوم کے عرض کیا۔

شہزادۂ عالم! کاش آپ کوفیوں پر بھروسہ نہ کرتے۔

حضور والا وہ بڑے بے وفا ہیں۔ ان کے دل آپ کے ساتھ ہیں لیکن تلواریں حکومت کے ساتھ۔

آپ نے فرمایا فرزدق تم ٹھیک کہتے ہو لیکن میرے مقاصد بہت بلند ہیں۔ حضرت عبداللہ بن جعفر خط لکھ کر خود بھی اس خیال سے آ گئے کہ شاہزادہ [illegible] سمجھیں راستے میں ہی آپ کی مکہ سے روانگی کی خبر آ گئی راستہ بدل کر آپ [illegible] پہنچ گئے۔

بڑی منت ساجت کی کہ آپ واپس مکہ معظمہ تشریف لے چلیں میں

وہاں چل کر حاکم مکہ سے تحریری امان نامہ حاصل کر کے آپ کو دے دوں گا۔

آپ نے فرمایا بھائی جان میں آپ کے مخلصانہ مشوروں کا نہائت مشکور ہوں۔لیکن میں واپس نہیں جا سکتا۔

مجھے نانا جان نے خواب میں ایک حکم دیا ہے۔میں اسے ہر صورت میں پورا کروں گا خواہ اس کا نتیجہ میرے حق میں نکلے یا میرے خلاف جائے مایوس ہو کر حضرت عبداللہ اپنے بچوں عون و محمد کو آپ کے ساتھ رہنے کا حکم دے کر واپس آ گئے۔

کربلا کے مسافر جا رہے ہیں امام عالی مقام کا نانا جان سے مکمل رابطہ ہے گنبد خضرا کے مکین نواسے کی ہر مقام پر رہنمائی فرما رہے ہیں قافلہ آہستہ آہستہ اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا ہے

راستوں کی ناکہ بندی

حاکم مکہ سعید بن عمر بن العاص نے اگرچہ مکہ معظّمہ میں رہائش کے دوران امام عالی مقام سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا لیکن ااپ کے روانہ ہوتے ہی اس نے ہر طرف سے ناکہ بندی کر دی یزید کا بھی یہی حکم تھا کہ ابن علی کو کوفہ جانے سے ہر قیمت پر روکہ جائے۔

ایک روائت کے مطابق حاکم مکہ سعید نے اپنے بھائی کی کمان میں چند دستے سپاہیوں کے بھی روانہ کئے

جنہوں نے امام علی مقام کو سفر جاری رکھنے سے منع کیا اور دھمکی بھی دی جب امام عالی مقام نے انکار فرمایا تو انہوں نے تلواریں نکال لیں لیکن کربلائے معلیٰ میں پہنچنے سے آپ کو کون روک سکتا تھا۔

شہسواران حسین کی تلواریں چمکیں تو وہ لوگ جلد ہی شکست اٹھا کر بھاگ گئے۔

دوسری طرف ابن زیاد نے بھی تمام شہراہوں پر ناکہ بندی کروا رکھی تھی اس نے کوفہ سے قادسیہ اور قادسیہ سے خفان اور خفان سے قطقطانہ اور وہاں سے کوہ لعلع تک گھوڑ سوار دستے متعین کرر کھے تھے۔

امام عالی مقام کے سامنے تو راستے کا ایک دوسرا نقشہ تھا۔ جو نانا حضور نے خوابوں میں دکھا رکھا تھا آپ راستوں کو بدل بدل کر چلتے رہے

زھیر بن قین سے ملاقات

زہیر بن قین بجلی حج کر کے واپس آرہے تھے چونکہ ان کے قافلہ میں بچے نہیں تھے صرف چند عورتیں تھیں۔ اس لئے ان کا قافلہ امام عالی مقام سے چار روز بعد مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر بھی آپ تک پہنچ گیا۔

وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے سیاسی طور پر کچھ کدورت رکھتے تھے اس لئے جب امام کے قافلہ کو ملے تو سارا دن تو ان کے ساتھ سفر جاری رکھتے اور رات کو ذرا دور اپنے خیمے لگا لیتے۔

ایک رات امام عالی مقام نے انہیں پیغام بھیجا کہ ہمیں آ کر ملو۔ آئے تو سہی لیکن جیسے کسی نے زبردستی دھکیل کر بھیجا ہو۔ بڑی بیزاری اور کراہے کے ساتھ حاضر دربار ہوئے شہزادۂ مصطفٰے نے خصوصی نگاہوں سے دیکھا اور نہ جانے کیا بات کہی کہ زہیر سب کچھ بھول کر دل دے بیٹھے شمشیر نگاہ حسینؑ دل پر چل گئی قدم چوم کر اجازت حاصل کر کے اپنے ساتھیوں میں آ کر فرمایا!

میں تو نواسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا رہا ہوں اب وہیں رہوں گا۔ اگر کوئی میرے ساتھ رہنا چاہتا ہے تو آ جائے ورنہ تمہیں مرضی کرنے کا پورا پورا حق ہے اور میں امام حسینؑ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں کہ ایک شہر منجز پر ہم نے جہاد کیا۔ شہر فتح ہو گیا اور ہمیں بے شمار مال غنیمت حاصل ہوا۔

ہم لوگ بڑی خوشی سے مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے کہ ہم کو مخاطب کر کے حضرت سلمان فارسی نے فرمایا۔ کہ اگر تم جگر گوشہء بتول امام حسین علیہ السلام کو اس حال میں پاؤ کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں تو ان کے ساتھ مل کر اس مال غنیمت سے زیادہ خوش ہونا اب وہ وقت آ گیا ہے کہ میں تم سب کو خدا کے سپرد کرتا ہوں اور پھر اپنی بیوی کو فرمایا کہ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ زہیر بن قیس کی بیوی نے طلاق نہ لی تھی بلکہ اولاد

فاطمہ کی کنیز بن کر ساتھ رہی ﷺ

تا کہ تمہیں میری وجہ سے کوئی تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ یہ نگاہ شبیری کا تصرف تھا، یہ حسینی توجہ کا کمال تھا کہ اپنے باپ سے کدورت رکھنے والے کا دل اس طرح جیت لیا کہ وہ اپنے بیوی بچوں کی محبت کو بھی قربان کر کے آپ کے ساتھ ہولیا۔

زہیر بن قین نے امام عالی مقام علیہ السلام کی بارگاہ میں دین اسلام کیلئے اپنی جان نچھاور کر دی اگلے اوراق میں آپ زہیر کی شہادت کا واقعہ پڑھیں گے۔

قاصد حُسین کوفہ میں

امام عالی مقام نے حضرت قیس بن مسہر کو امام مسلم کے نام ایک خط دے کر روانہ کر دیا کہ تم تیز چلتے ہوئے ہماری آمد کی اطلاع کوفہ میں کر دو۔

قاصد خوشی وخرام امام عالی مقام کے قدم چوم کر سواری دوڑاتا ہوا اور سفر کو قطع کرتا ہوا جب قادسیہ پہنچتا ہے تو ابن زیاد کے سپاہیوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ ان واقعات کو پڑھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے یزید اور ابن زیاد نے جاسوسوں کا جال پھیلا رکھا ہو۔

بہر حال! قاصد حسین کو گرفتار کر کے ابن زیاد لعنتی کے دربار میں پیش کر دیا گیا۔ ابن زیاد ملعون نے امام عالی مقام کا خط اس سے لیکر ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین پر پھنک دیا اور پھر قاصد امام حضرت قیس بن مسہر کو مخاطب کر کے کہا کہ حسین کوفہ کی حکومت کے خواب دیکھ رہا ہے حالانکہ اسے معلوم نہیں کہ کوفہ میں اس کا اور اس کے ساتھوں کا قبرستان بنے گا۔

قیس بن مسہر!۔ ابن زیاد! تمہیں نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے احتیاط کرنا چاہئیے۔

ابن زیاد :۔ خاموش رہو! اگر جان کی خیر چاہتے ہو تو کوٹھے کی چھت پر چڑھ کر حکومت کے باغی حسین کو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس قدر سب وشتم کرو کہ مجھے یقین ہو جائے کہ اب تم کبھی اس کا ساتھ نہیں دو گے۔

قیس بن مسہر نے جب اس کی بکواس سنی تو غصہ سے کانپنے لگے لیکن ضبط کیا۔ اور چھت پر چڑھ گئے چھت پر جا کر پہلے خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی پھر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ستائش و فضیلت بیان کی اور پھر فرمایا

اے کوفہ کے لوگو! امام حسین (علیہ السلام) اس وقت تمام جہان سے افضل ہیں ۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے اور ان کی تقدس مآب صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہرا کے جگر کے ٹکڑے ہیں۔ اور ان کو خدا کے مقدس رسول نے جنت کے نوجوانوں کے سردار فرمایا ہے، اپنی خوشبو فرمایا ہے۔ آسمانوں کا گوشوارہ فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ میں حسین سے ہوں اور حسین مجھ سے ہے۔ حسین تمہارے امام مولا علی کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہیں۔ ان کی اطاعت کرو ان کا حکم مانو، ان کا ساتھ دو۔ ان کی بیعت کرو اور ان کو اپنا امام بناؤ۔ میں ان کا قاصد ہوں۔

اور میں ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت بھجتا ہوں۔ یہ اور یزید خدا اور رسول کے باغی ہیں۔

ابن زیاد نے چھت پر چڑھایا تھا کہ یہ حسین کو گالیاں دے گا لیکن وہ خاندان نبوت کا شیدائی اور شمع اہل بیت کا پروانہ الٹا اسی پر برس پڑا یہی تو مقصد حسین تھا کہ جابر حاکم کے سامنے علی الاعلان کلمۂ حق کہہ دو سر جاتا ہے تو جائے مگر تقیہ بازی نہ کرو۔

حبدار حسین کے یہ جملے سن کر ابن زیاد کے تن بدن میں آگ لگ گئی

سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے چھت سے گرا دو کوفی دیکھتے رہے مگران کے سینوں میں حرارت پیدا نہ ہو سکی۔

جناب قیس بن مسہر نے سپاہیوں کو اپنی طرف آتے دکھا تو مکہ معظمہ کے راستے پر نظر جما کر عرض کیا۔اے شہزادۂ کونین! اے جگر گوشہ رسول! اے جگر پارۂ بتول! اے امام برحق امام حسین! آپ کی محبت اور آپ کی تربیت کا تقاضا یہی تھا جسے میں نے پورا کر دیا میں نے آپ کے نسب العین کو سامنے رکھتے ہوئے کلمۂ حق کہہ دیا ہے جس کے صلہ میں قتل کیا جارہا ہوں۔میرے آقا غلام کی یہ قربانی قبول ہو۔مجھے یہ سزا آپ سے محبت کرنے کے جرم میں مل رہی ہے آپ بھی تو التفات فرما کر اپنے دیوانے کا انداز محبت ملاحظہ فرمائیں۔

بجرم عشق تو ام می کشند غوغائست
تو نیز سر بام آکہ خوش تما شائست

ابن زیاد جلاد کے سپاہی آتے ہیں اور پروانۂ شمع حسینیت کو دھکا دیکر نیچے گرا دیتے ہیں۔نیچے شہادت باہیں پھیلائے کھڑی تھی۔آپ گرے اور حیات ابدی کے مالک بن گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

کوفہ کی خبریں آجاتی ہیں

امام عالی مقام کا قافلہ مقام ثعلبہ پر پہنچ جاتا ہے۔محمد بن اشعث کوتوال کوفہ نے حضرت مسلم رضی اللہ عنہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا۔اس کا بھجا ہوا آدمی کوفہ کے حالات بتانے کے لئے امام عالی مقام کے دربار میں حاضر ہوا اور کوفہ میں ہونے والے تمام حالات پیش کر دیئے۔

امام عالی مقام علیہ السلام نے حضرت ہانی رضی اللہ عنہ اور حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ کی شہادت کی جانکاہ خبر سنی تو بے ساختہ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

آپ نے تمام ساتھوں کو بلایا اور تمام حالات سے آگاہ کیا۔ساتھیوں نے سنا تو تڑپ کر رہ گئے۔امام مسلم کے صاحبزادوں کی موت کی خبر نے سینوں پر چھریاں چلا دیں۔ہر فرد غم واندوہ کی تصویر بن گیا۔

امام نے ہمراہیوں کو فرمایا کہ آپ لوگوں نے کوفہ کے حالات سن لئے وہاں ہمارا استقبال تلواروں سے ہوگا۔مرحبا کے نعروں کی بجائے تیروں کی بارش کی جائے گی۔

اگر آپ لوگ واپس جانا چاہیں تو ہماری طرف سے پوری پوری اجازت ہے کچھ لوگ ابھی کچھ سوچ ہی رہے تھے کہ حضرت مسلم کے حقیقی بھائی محمد بن عقیل ،اور حضرت عبدالرحمٰن بن عقیل نے بیک زبان عرض کیا کہ

ہم ہرگز واپس نہیں جائیں گے بلکہ اور تیزی سے آگے بڑھتے رہیں گے۔

یا امام! ہم اپنے شہید بھائی اور بھتیجوں کا انتقام ضرور لیں گے خواہ ہمیں خود قربان ہونا پڑے۔

امام عالی مقام نے دوسرے ساتھوں کی طرف دیکھا، سب نے اس حق میں اظہار رضامندی کیا۔

یہ مشورہ امام عالی مقام نے اپنے خاندان کے افراد سے کیا تھا آپ نے آئندہ پیش آنے والے حادثات کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ آپ سب لوگ پھر ایک بار سوچ لیں انجام کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں لیکن خاندان اہل بیت کے تمام افراد نے یہی فیصلہ دیا کہ حضرت مسلم کا انتقام ہر قیمت پر لیا جائے گا۔ قدرت کو حضرت حسین علیہ السلام سے جو خاص کام لینا تھا اس کے لئے ضروری تھا کہ آپ کا دامن کہیں بھی داغدار نہ ہو آپ کو موقع دیا گیا کہ ساتھوں کی مکمل رضامندی حاصل کر لیں۔

مسلم کی بیٹی

اس دردناک خبر کو عورتوں سے کب تک چھپایا جا سکتا تھا، آپ خیموں کے اندر تشریف لے گئے تو سامنے حضرت مسلم کی صاحبزادی پر نظر پڑی۔ بچی کو دیکھتے ہی جذبۂ رحم سے آپ کا دل بھر آیا۔

یہ بچی دونوں صاحبزادوں سے بڑی تھی۔ آپ آگے بڑھے اور بچی

کے سر پر دست شفقت رکھ دیا اور ساتھ ہی آپ زار وقطار رونے لگے۔

بچی حیران ہوگئی سراپائے التجاء بن کر عرض کیا بابا جان! کیا بات ہے ؟

اس سے پہلے تو آپ نے مجھے دیکھ کر کبھی ایسا نہیں کیا۔ خیر تو ہے بابا جان! آپ کیوں رو رہے ہیں میرے ابا جان تو ٹھیک ہیں بابا؟

میرے بھائی محمد اور ابراہیم تو خیریت سے ہیں۔

معصوم بچی کا سوال تھا تھا یا درد کی تلوار۔ امام عالی مقام کا تو دل چر گیا۔ کیا جواب دیتے اس یتیم و بے نوا کو۔ جس کی ماں پہلے ہی وفات پا چکی ہیں اب باپ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا دو چھوٹے چھوٹے ماں جائے تھے وہ بھی بچھڑ گئے۔ کس دل سے امام عالی مقام یہ خبر سناتے آپ روتے رہے بچی نے بھی آپ کی طرف دیکھ کر رونا شروع کر دیا۔ باقی سیدزادیاں بھی جمع ہو گئیں حیرانی کی تصویر بن کر سب نے پوچھا حضور! خیریت تو ہے آپ روتے کیوں ہیں؟

امام عالی مقام نے آنسوؤں سے لبریز آنکھوں کو اوپر اٹھایا اور درد میں ڈوبی ہوئی آواز سے حضرت مسلم اور ان کے شہزادوں کی دردناک شہادت کی خبر سنائی۔

یہ خبر تھی یا بجلی دلوں پر گری اور سب کو تڑپا کر رکھ دیا پھر کون کم روتا آنسوؤں کے دھارے بہہ رہے تھے۔ خیموں میں کہرام مچ گیا۔ کسی کو تسلی دینے کا بھی ہوش نہیں تھا۔

سب روئے جا رہے تھے امام عالی مقام نے جی کڑا کر کے فرمایا!

صبر کرو اے ناموس محمد صبر کرو۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

ابھی تو ابتدا ہوئی ہے خدا جانے ابھی تمہیں کیا کیا مصیبتیں دیکھنا ہیں۔

کوفے والے بدل چکے ہیں اس لئے تم سب میرے امتحان میں شریک ہونے کے لئے دلوں کو مضبوط کرنے کی کوشش کرو ہم بھی اپنے بھائی مسلم سے جلد ملاقات کرنے والے ہیں۔

صبر کرو اے اہلبیت صبر کرو یہ نصیحت کر کے آپ روتے ہوئے دل کے ساتھ خیموں سے باہر تشریف لے آئے اور ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

جوج کی واپسی کے بعد آپ سے ملتے رہے تھے ان سے آپ نے فرمایا کہ اب کوفہ میں ہمارا استقبال تلواروں سے ہوگا میرے چچا زاد بھائی مسلم کو شہید کر دیا گیا ہے اس لئے میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ مجھ سے علیحدٰہ ہو جاؤ میرے ساتھ رہنا ہے تو مصیبتیں اٹھانی پڑیں گی۔

دکھ جھیلنا پڑیں گے بھوک اور پیاس برداشت کرنی پڑے گی اور جانیں بھی دینا پڑیں گی۔

بدووں کے قافلے تو اس لئے امام کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے کہ کوفہ میں شاندار استقبال کرنا ہوگا وسیع پیمانے پر دعوتیں ہوں گی اب امام کی تقریر سے کوفے کے حالات کا پتہ چلا تو جان کے لالے پڑ گئے خاموشی سے

اٹھے خیمے اکھاڑے اپنی اپنی سواریوں پر بیٹھے اور یوں بھاگے کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

بس امام عالی مقام کے وہی ساتھی رہ گئے جو مکہ معظّمہ سے آپ کے ساتھ آئے تھے یا پھر زہیر بن قین بجلی تھے اور یہ لوگ ایسے تھے جنہیں اپنی جانوں سے امام کا حکم زیادہ قیمتی تھا۔



حُر سے مُلاقات

آج کی شب نہایت بے قراری سے گذری۔ حضرت مُسلم اور ان کے شہزادوں کی موت نے بڑا گہرا اثر کیا تھا۔ اب تصورات کی دنیا میں انقلابِ عظیم آچکا تھا۔

امام عالی مقام تو پہلے ہی جانتے تھے۔ اب ہر شخص نئے انداز سے سوچ رہا تھا۔ صبح ہوتے ہی شہزادۂ رسول کا قافلہ نور آگے بڑھتا ہے۔ دوپہر کے وقت موضع شراف سے کچھ دور آگے نکل جاتے ہیں۔

سامنے کی طرف دیکھ کر ایک شخص نے کہا! اللہ اکبر! وہ سامنے شاید کھجوروں کے درخت نظر آتے ہیں۔ وہاں سائے میں تھوڑی دیر آرام کریں گے۔

قبیلہ بنی اسد کے دو شخصوں نے بتایا کہ اس مقام پر کھجوروں کا کوئی درخت نہیں ممکن ہے کچھ سوار ہوں۔ امام عالی مقام نے دیکھ کر فرمایا ہمیں بھی سوار ہی معلوم ہوتے ہیں۔

کیا تمہیں کوئی ایسی جگہ معلوم ہے جو پشت پر ہو جس سے فائدہ اُٹھا کر ہم ان سے مقابلہ کر سکیں۔ انہوں نے عرض کیا کوہِ ذوحسم ہے۔ اگر آپ جلدی کریں اور اُن سواروں سے پہلے اُس پر قبضہ کرلیں تو بہت بہتر ہوگا وہاں پر پانی کا چشمہ بھی موجود ہے۔

شہزادۂ کونین نے سواروں کو تیز کر دیا اور کوہ ذوحشم کے دامن میں قافلہ اُتار دیا اب ٹھنڈے پانی کا چشمہ بھی آپ کے قبضہ میں تھا اور جنگی اعتبار سے بھی آپ کا مورچہ مضبوط تھا۔ چند گھڑیوں کے بعد آپ کے سامنے ایک ہزار سپاہیوں کی فوج ڈیرا ڈال رہی تھی۔ اس فوج کا سپہ سالار حُر تھا۔ وہ اکیلا آگے بڑھا اور امام عالی مقام سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔

آپ نے فرمایا آ جاؤ۔ حُر حاضر ہوا اور قدم بوسی کر کے مودب کھڑا ہو گیا۔ امام عالی مقام نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے۔ اس نے عرض کیا حر بن یزید ریاحی۔

پوچھا کیوں آئے ہو؟ عرض کیا، آیا نہیں بھیجا گیا ہوں۔ پوچھا کس نے بھیجا ہے؟ عرض کیا ابن زیاد نے بھیجا ہے کہ آپ کو گرفتار کر کے کوفہ لے جاؤں۔

نماز ظہر کا وقت ہو چکا تھا۔ پانی کے چشمہ پر امام عالی مقام کا قبضہ تھا کوئی اور ہوتا تو اپنے دشمنوں کو چشمے کے قریب نہ پھٹکنے دیتا۔ مگر یہ تو ساقی کوثر کا شہزادہ تھا۔ آپ نے فرمایا۔ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔ چشمہ سے خود پانی پیو اور اپنے جانوروں کو پانی پلاؤ اور وضو کر کے نماز کی تیاری کرو۔

دونوں جانب کے لوگوں نے وضو کر لئے۔ شہزادۂ کونین کے شہزادے شبیہہ مصطفےٰ حضرت علی اکبر نے اذان کہی۔ نماز کی تیاری ہونے لگی۔

امام عالی مقام نے حر کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اپنے ساتھیوں کے امام تم بنو گے یا ہمارے پیچھے نماز پڑھو گے۔ حر نے عرض کی یا امام! آپ کے ہوتے ہوئے میں نماز کیسے پڑھا سکتا ہوں۔ آپ پیشوائے عالم اور امام جہان ہیں۔ امام برحق کے ہوتے ہوئے میں نماز کیسے پڑھا سکتا ہوں۔ میں آپ کی اقتدا میں نماز پڑھوں گا۔ امام عالی مقام کی اقتدا میں حر اور اس کے سارے لشکر نے نماز ادا کی۔ بعد از نماز امام عالی مقام نے فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔

آپ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا۔ اے لوگو خدا تعالیٰ سے ڈرو اور تمہارے لئے کیا ہی اچھا ہے اگر تم ہمارا حق پہچانو۔ اور یقین رکھو کہ خدا تعالیٰ کی رضا مندی اور خوشنودی اسی میں ہے۔ کہ تم اہل بیت رسول کو ان ظالموں کے مقابلہ میں **اولی الا مر** کے زیادہ مستحق سمجھو۔

اور اگر یہ سعادت تمہارے نصیب میں نہیں اور تم یزید کے مقابلہ میں ہمیں ناپسند کرتے ہو تو ہمیں واپس جانے دو اس لئے کہ ہم خود نہیں آئے بلکہ تمہارے بلانے پر آئے ہیں۔ تم نے ہمیں خطوں پر خط لکھے کہ ہم بے امام ہیں ہماری دستگیری کیجئے۔

حر نے عرض کی کہ مجھے ان خطوط کے بارے میں کوئی علم نہیں اور نہ ہی میں نے کوئی خط لکھا ہے۔ امام عالی مقام نے ساتھیوں کو فرمایا کہ کوفیوں کے خط لاؤ اور پھر دو خرجیاں خطوط سے بھری ہوئی اُلٹ دی گئیں۔

خطوں کا ڈھیر لگ گیا۔اور حر کی آنکھیں ایک لمحہ کیلئے ندامت سے جھک گئیں۔یہ ندامت کوفہ والوں کی طرف سے تھی۔ورنہ حر نے تو امام کو کوئی خط لکھا ہی نہ تھا اور نہ ہی کسی خط پر اس کے دستخط موجود تھے۔

البتہ اس کے لشکر میں چند لوگ ایسے تھے جنہوں نے خطوط پر دستخط کئے تھے۔وہ اپنی اپنی جگہ پر شرم سے گردنیں نیچے کئے ہوئے تھے۔حر نے چند لمحے حیران رہنے کے بعد کہا کہ ان خطوط کی ذمہ داری مجھ پر ہرگز عائد نہیں ہوتی۔مجھے جو حکومت کی طرف سے کہا گیا ہے وہ کرنے پر مجبور ہوں مجھے ہر قیمت پر آپ کو حراست میں لے کر ابن زیاد کے سامنے پیش کرنا ہے

آپ نے فرمایا! حر تیری موت نزدیک ہے اور یہ ارادہ دور۔ہم ہرگز تمہارے ساتھ نہیں جائیں گے۔پھر اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ تیاری کرو ہم واپس چلتے ہیں۔

حر نے کہا کہ میں آپ کو واپس بھی نہیں جانے دوں گا۔امام عالی مقام نے فرمایا! تجھے تیری ماں روئے تو کیا چاہتا ہے؟

حر نے عرض کی یا امام سنیئے! اگر یہ جملہ مجھے عرب میں کوئی دوسرا کہتا خواہ وہ کوئی بھی ہوتا تو میں جواباً ضرور کہتا۔مگر خدا کی قسم آپ تو اُس عظیم اور بزرگ ماں کے بیٹے ہیں جس کا نام پاک تو میں ایسے مقام پر لے ہی نہیں سکتا۔

امام نے فرمایا! آخر تم چاہتے کیا ہو؟

عرض کی کہ میں آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جانا چاہتا ہوں۔

امام نے فرمایا! خدا کی قسم میں تیرے ساتھ ہرگز نہیں جاؤں گا۔

حر نے کہا۔ خدا کی قسم! میں آپ کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔

اللہ تعالیٰ نے حر کی یہ قسم دوسری طرح پوری کر دی اور امام عالی مقام کا دامن آخری سانس تک نہ چھوڑ سکا۔ قسم تو کھالی مگر فوراً ہی ذہن کروٹ لے گیا۔ دماغ روشن ہو گیا۔ دل میں محبت اہل بیت کی شمعیں روشن ہو گئیں۔ عشق مصطفیٰ نے سینے میں انگڑائی لی تو دنیا ہی بدل گئی۔ چند لمحے کچھ سوچا اور پھر سراپا التجا بن کر گذارش کی۔

اے شہزادۂ رسول! میرے ذہن میں ایک تجویز ہے اگر آپ اتفاق فرمالیں تو آپ کا کرم ہوگا۔ امام نے پوچھا بتاؤ؟ حر نے کہا جب تک دن ہے آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ کیونکہ ابن زیاد کے جاسوس جگہ جگہ پھیلے ہوئے ہیں۔ جب رات ہو تو میرے لشکر سے ذرا ہٹ کر اپنے خیمے لگا لیں۔ اور پھر جب سپاہی سو جائیں تو آپ اپنے قافلے کو جس طرف آپ کا جی چاہے لے جائیں۔

میرے لئے بہانہ بن جائے گا کہ پاک دامنوں کی وجہ سے خیمے الگ لگائے تھے۔ امام عالی مقام نے یہ تجویز منظور کر لی۔ اور حر کے لشکر کو یہ خطبہ دیا کہ اے لوگو جب تم کسی حاکم کو دیکھو جو ظلم کرتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدود کو توڑتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے وعدوں سے انحراف کرتا ہے اور

کتاب وسنت کی مخالفت کرتا ہے، مخلوق خدا پر فسق وفجور کی حکومت کرتا ہے تو ایسے حاکم سے قول اور فعل کے ساتھ مخالفت کرو، اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو خدا تمہیں اچھا ٹھکانہ نہیں بخشے گا۔

دیکھو! یہ لوگ شیطان کی پیروی اور رحمان سے سرکشی کرتے ہیں، ان کا فتنہ وفساد **اظهر من الشمس** ہے اللہ تعالیٰ کی متعینہ حدود توڑی جا رہی ہیں۔ مال وقیمت پر ناجائز تصرف کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کیا جا رہا ہے۔

میں ان کی سرکشی اور فسق وفجور کو حق وصداقت اور عدل وانصاف میں تبدیل کر دینے کا زیادہ حق دار ہوں۔ تمہارے بھیجے ہوئے خطوط اور قاصد میرے پاس مسلسل پہنچتے رہے۔ تم نے قسمیں اُٹھا اُٹھا کر مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ بے وفائی نہیں کرو گے اور میری بیعت پر قائم رہو گے۔ اگر تم اپنے عہد کی پابندی کرو گے تو یہ تمہارے لئے ہدایت کا راستہ ہے۔

کیونکہ میں حسین ابن حیدر کرار ہوں، فاطمہ بنت رسول کا بیٹا ہوں رسول خدا کا نواسہ ہوں۔ مجھے اپنا نمونہ بناؤ اور مجھ سے گردن نہ موڑو۔ اور اگر تم اپنا عہد توڑ کر اپنی گردن سے بیعت کا قلاوہ نکال پھینکو تو یہ بھی تم سے بعید نہیں۔ کیونکہ تم میرے باپ حیدر کرار میرے برادر حقیقی حسن ابن علی اور چچا زاد بھائی مسلم ابن عقیل سے ایسا ہی کر چکے ہو۔ یہ درست ہے کہ تم لوگوں پر بھروسہ کر لینا خود کو فریب دینے کے مترادف ہے۔

لیکن! یہ جان لو کہ پہلے بھی تم نے اپنا ہی نقصان کیا ہے اور اب بھی تم اپنا ہی ضیاع کرو گے۔ تم لوگوں نے آخرت کا اپنا حصہ ضائع کر لیا ہے اور اپنی قسمت خراب کر لی ہے۔ جو کسی سے کیا ہوا عہد و پیمان توڑتا ہے وہ اپنے ہی خلاف بد عہدی کرتا ہے۔ عجب نہیں کہ خداوند قدوس مجھے بہت جلد تم لوگوں سے بے نیاز کر دے۔

یہ خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد امام عالی مقام حضرت حسین علیہ اسلام کا قافلہ روانہ ہو جاتا ہے۔

طرماح بن عدی

ایک طرف حر کا لشکر جار ہا ہے اور ایک طرف ذرا ہٹ کر امام عالی مقام کا نورانی قافلہ چل رہا ہے چلتے چلتے مقام؛ عذیب الہجانات پر پہنچ جاتے ہیں۔

وہاں پر کوفہ سے آنے والے چار شخص امام عالی مقام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔آپ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ عرض کی کوفہ سے۔فرمایا! کوفہ کا حال بتاؤ؟

ان میں سے ایک شخص مجمع بن عبید اللہ عامری نے عرض کی۔اے جگر گوشۂ رسولؐ! کوفہ کے حالات انتہائی بدتر ہو چکے ہیں حکومت نے شہر کے رؤساء کو بھاری رشوتیں دے کر خرید لیا ہے۔اور وہ لوگ اشرفیوں کی بھری ہوئی تھیلیاں لے کر فروخت ہو چکے ہیں۔وہ لوگ آپ کے پوری شدت سے مخالف ہیں آپ کی تشریف آوری کو حکومتِ الٰہیہ سے بغاوت اور خروج کا نام دیتے ہیں۔

یزید کو امیر المومنین اور خلیفۂ برحق سمجھتے ہیں ان کے ضمیروں کی کنجی ابن زیاد کے ہاتھوں میں ہے۔

آپ نے پوچھا! ہمارے قاصد "قیس بن مسہر" کا حال سناؤ عرض کیا! انہیں آپ سے محبت کرنے کے جرم میں چھت سے گرا کر شہید کر دیا گیا

ہے۔

آپ نے سنا تو رو کر فرمایا! **انا للہ وانا الیہ راجعون** کوئی اپنی منت پوری کر گیا اور کوئی ابھی کرنے والا ہے۔

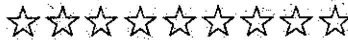
یا اللہ! ہمیں اور قیس بن مسہر کو جنت الفردوس میں جمع فرما۔

قربان جائیں قیس تیرے مقدر کی بلندیوں کے کہ جنت کا سردار جنت میں تیری قربت کی دعا مانگ رہا ہے۔ کتنی عظیم ہے تیری شہادت اور کتنا اونچا ہے تیرا مقام۔

پھر ان میں سے ایک شخص طرماح بن عدی نے عرض کی! اے شہزادۂ رسولؐ! آپ کو لشکر کی حراست میں رہنا مناسب نہیں۔ یا تو آپ ان لوگوں پر حملہ کر دیں یا ان کو شکست دیکر کوئی دوسری راہ اختیار کر لیں یا پھر ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں کیونکہ اس لشکر کے علاوہ بھی بہت بڑی فوج آپ کے مقابلہ کے لئے کوفہ میں تیار کھڑی ہے۔ خدا کی قسم! میں نے اتنی بڑی فوج کبھی نہیں دیکھی۔ اس لئے اچھی بات تو یہی ہے کہ یا آپ ابھی ان پر حملہ کر دیں اور ہمیں آپ کے ساتھ شرکت کی سعادت حاصل ہو جائے گی یا پھر ہمارے ساتھ چلیں۔ ہم کوہِ آجا کے دامن میں رہتے ہیں اور وہاں پر ہم دشمن کے ہر حملہ سے محفوظ ہیں۔ آپ وہاں جا کر ایک خطبہ ارشاد فرمائیں گے تو قبیلہ طے کے بیس ہزار آدمی آپ پر فدا ہونے کے لئے دس روز کے اندر ہی اندر اکٹھے ہو جائیں گے۔ اور جب تک کوئی آنکھ پلک جھپکتی رہے گی وہ آپ

پر فدا ہوتے رہیں گے۔

امام عالی مقام نے ان لوگوں کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا! کہ اللہ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ ہم نے کوفیوں سے ایک عہد کر رکھا ہے جس کی خلاف ورزی کرنا مشکل ہے وہ چاروں ہی حسرت و یاس کی تصویریں بنے ہوئے قدم بوسی کر کے واپس چلے گئے۔



ارضِ کربلا

تھوڑی دیر کے بعد حُر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔اُس کے ہاتھوں میں ایک خط تھا۔ جوامام کی خدمت میں پیش کر کے خاموشی سے بیٹھ گیا۔

یہ ابنِ زیاد کا خط تھا حُر کے نام ، جس میں اس قسم کا مضمون تھا۔

بذ ریعہ خط ھذا مطلع کیا جاتا ہے۔کہ حُسین اور اُس کے ساتھیوں کو کسی پناہ گاہ کی طرف نہ جانے دینا۔اوران سب کو کھلے میدان میں رکھو۔

ان کے ساتھ کسی بھی قسم کی رعایت نہ کی جائے۔مبرا یہ قاصد تُمہارے ساتھ رہے گا اور تُمہاری نقل وحرکت کی نگرانی کرتا رہے گا۔تا آنکہ میری دوسری سپاہ تُم تک پہنچ جائے۔

امام نے خط پڑھ کر واپس کرتے ہوئے فرمایا ! کہ اب تُم کیا چاہتے ہو ؟

حُر نے عرض کیا کہ آپ رات کے وقت ہر قیمت پر ہم سے علیحدہ ہو جائیں۔اور راتوں رات زیادہ سے زیادہ سفر کر کے کوئی اچھی سی پناہ گاہ حاصل کر لیں۔

امام نے وعدہ فرمالیا۔حُر واپس آ گیا۔

رات ہو ہی چکی تھی۔حُر کے سفر میں تھکے ماندے سپاہی جلد ہی نیند

کی آغوش میں چلے گئے۔

امام عالی مقام نے اطمینان کر لینے کے بعد اپنے قافلے کو چلنے کا حکم دیا۔ قافلہ چلتا رہا اور رات کے آخری حصہ میں دشتِ نینوا میں داخل ہو گیا۔ سبھی لوگ تھکن سے چُور چُور تھے۔ ایک مقام پر قافلہ اُتار دیا گیا۔

نیند کس کو آنا تھی بس کمریں سیدھی کرنے کے لیے لیٹ گئے۔ امامِ عالی مقام پر بھی چند لمحوں کے لیے غنودگی کا عالم طاری ہو گیا۔ امام زین العابدین آپ کی داہنی جانب کجاوے سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے کہ امامِ عالی مقام انا للہ وَ انآ الیہِ رَاجِعُون، والحمدُ للہ ربِّ العالمین پڑھتے ہوئے اُٹھ کر بیٹھ گئے۔

امام زین العابدین نے تڑپ کر پوچھا! ابّا جان میں آپ پر قُربان کیا کوئی خوابِ پریشان دیکھا ہے۔

فرمایا! ہاں میرے چاند۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک سوار جا رہا ہے۔ اور وہ کہہ رہا تھا کہ لوگ چلتے ہیں اور اُن کی قضائیں اُن کی طرف بڑھ رہی ہوتی ہیں۔

یہ صدا سُن کر مجھے یقین ہو گیا کہ اب ہماری شہادت کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔

امام زین العابدین نے آگے بڑھ کر باپ کے مقدّس ہاتھوں کو چُوم کر عرض کی! پیارے ابّا جان، خُدا آپ کو کوئی بُرائی نہ دکھائے۔ کیا ہم

حق پرنہیں ہیں ؟

امامِ عالی مقام نے فرمایا ! میرے لال ۔ہم یقیناً یقیناً حق پر ہیں۔ہم حق پرنہیں ہوں گےتو اور کون ہوگا ؟

شہزادہٗ حُسین نے عرض کی ! میرے آقا اگر ہم حق پر ہیں تو پھر ہمیں جانیں دینے کی کیا پرواہ ہے۔میرے حضور ہم سب آپ پر فدا ہو جائیں گے۔آپ حق پر ہیں۔آپ حق کے ساتھ ہیں حق آپ کے ساتھ ہے۔آپ حق کے امام ہیں،آپ حق ہیں۔حق حق ہےاور باطل باطل۔

جآءالحق وذھق الباطل ان الباطل کان ذھوقاً

آخر آپ لق ودق صحرا میں ایک مقام پر اُترنا چاہتے ہیں۔آپ نے پوچھا یہ کون سی جگہ ہے ؟

زہیر بن قین نے بتایا ! عقر ،آپ کی طبعیت بوجھل ہوگئی ہے۔

آپ نے فرمایا ! میں عقر سے خُدا کی پناہ مانگتا ہوں۔عقر کا مطلب ہے بانجھ ہونا ، بےثمر ہونا ،بے نتیجہ ہونا ،اور چوپایا کے پاؤں کاٹ دینا۔پھر کچھ دُور جا کر امام عالی مقام نے پوچھا ! یہ کونسا مقام ہے

کسی نے بتایا ، ارضِ ماریہ ۔

امام حُسین نے فرمایا ! شائد اس جگہ کا کوئی اور نام ہے۔

عرض کیا ہاں ! اِس مقام کو کربلا بھی کہتے ہیں۔

امام نے فرمایا ! اللہُ اکبر

جانی پہچانی منزل

سب سامنے تھی خواب کی تعبیر آگئی
ہے کربلا تو منز ل شبیر آگئی

﴿صائم چشتی﴾

امام عالی مقام سیدنا امام حُسین علیہ السلام نے اہل بیت کرام اور اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے فرمایا! میرے غمگسار ساتھیو! حُسین اپنی منزل پر پہنچ چکا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جسے اللہ رب العزت نے میری شہادت گاہ کے لئے ازل ہی سے تجویز فرما رکھا ہے اس میدان کو دیکھو یہ میدان حشر کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

ان ہواؤں کو سونگھو ان میں کرب و بلا رنج و مصیبت اور آلام و غم کی مہکیں رچی ہوئی ہیں۔

یہی وہ مقام ہے جس کی نشانیاں میرے نانا حضور نے مجھ پر ظاہر فرمائی تھیں۔

یہی وہ جگہ ہے جس کے متعلق متعدد بار جبریل علیہ السلام نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں خدا تعالیٰ کا حکم پہنچایا کہ یہ حُسین کی امتحان گاہ ہے۔

میں نے اس کو اچھی طرح جان لیا ہے۔ پہچان لیا ہے۔

میری نگاہوں نے اس کے ہر گوشہ کو اس سے پہلے اچھی طرح دیکھا ہوا ہے۔ میرے ابا جان حیدر کرار علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بھی مجھے اس جگہ کے متعلق بتا رکھا ہے۔

وہ جنگِ صفین سے واپسی کے وقت یہاں سے گزرے تو انہوں نے اس مقام پر خواب میں میری شہادت کا منظر ملاحظہ فرمایا تھا۔

یہ ارشاد فرما کر سبطِ پیمبر اُٹھتے ہیں۔ نانا جان کے خواب میں بتائے ہوئے نقشے کو سامنے رکھتے ہوئے اہلِ بیتِ اطہار کے خیمے نصب فرماتے ہیں۔ ذرا ہٹ کر دوسرے ساتھیوں کے خیموں کو لگوایا۔ نہرِ فرات بھی قریب ہی بہہ رہی تھی۔ شہزادۂ گلگوں قبا نے مکمل طور پر امتحان کی تیاری فرما لی۔ آشیانوں کو سجا لیا گیا۔ اب بجلیوں کا انتظار تھا۔

لق و دق صحرا میں اہلِ بیتِ مصطفیٰ کا گلشن مہک رہا تھا اور خزاں کی آندھیاں اُسے اپنی لپیٹ میں لینے کے لیے پر تول رہی تھیں۔ دو محرم الحرام کی صبح طلوع ہو چکی ہے۔

ابھی سپیدۂ سحر نمودار ہی ہوا تھا کہ سامنے ریت کے پہاڑ نظر آئے جیسے زمین و آسمان کے درمیان ریت کی ایک دیوار بنا دی گئی ہو۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ ریت کی دیوار پھٹ گئی اور سامنے کوفہ کی طرف سے آتا ہوا ایک لشکرِ جرار نظر آیا۔ امامِ عالم مقام اور آپ کے ساتھیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ہر ایک کی نگاہ سوال بھی تھا اور جواب بھی۔

عمرو ابن سعد

یہ کوفہ سے بھیجا ہوا ابن زیاد کا لشکر تھا جسے اہل بیت کے چند گنتی کے جوانوں سے جنگ کرنا تھی مؤرخ حیران ہو جاتا ہے کہ چند لوگوں کو گرفتار یا قتل کرنے کے لئے اتنی بڑی سپاہ کی کیا ضرورت تھی لیکن وہ بھول جاتا ہے کہ ابن زیاد کے مشیر کوفی تھے اور کوفے والے جانتے تھے کے زور ید اللٰھی اور قوت خیبر شکن سے ٹکرانا آسان نہیں اور دوسری وجہ ہی ہے کہ اس شیطانی فوج کا سپہ سالار عمر بن سعد تھا۔

یہ فوج کفار کے مقابلہ میں جا رہی تھی لیکن مکمل اسلام سے ٹکرا گئی اس کا مقابلہ مکمل کفر سے ہونا تھا لیکن کامل ایمان سے ہو گیا اس کے سپاہیوں کا شہادت کا درجہ ملنا تھا لیکن جہنم کا ایندھن بن گئے۔

یہ قدرت کے سربستہ اسرار و رموز ہیں مقدر اور قسمت کے کھلیل ہیں جو حق و باطل ایمان و کفر نور و ظلمات ہدایت و گمراہی جنت و جہنم، دن اور رات کی سرحدیں بالکل ساتھ ساتھ ہیں مرج مرج البحرین یلتقیان کون جانتا ہے دُنے والا لمحہ انصان کو کس طرف لے جاتا ہے رحمانی قوت اور شیطانی طاقت ٹکرا رہی ہے ایک طرف نحس اقرب الیا انسان کی شریانوں میں خون کے ساتھ ساتھ گردش کرتا ہے دونوں قوتیں اپنا اپنا کام کر رہی ہین انسان کس کی گرفت میں ہُتا ہے یہ قسمت کی بات ہے۔

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید

این دو قوت از حیات آمد پدید

عمرو بن سعد کو ویلم کے کفار سے جہاد کرنا تھا اور فتح حاصل کرنے کی صورت میں اسے خطہ رے کی حکومت ملنا تھی اسے رے کا حاکم بننا تھا اور اس کا مہر شدہ پروانہ اس کی جیب میں تھا وہ بغرض جہاد ویلم کو جا رہا تھا کہ

ابن زیاد نے اسے بلا لیا اور کہا۔

ابن زیاد! ابن سعد! ابھی تم ویلم کا جہاد ملتوی کر دو۔

ابن سعد! کیوں؟ کیا بات ہے۔

ابن زیاد! حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھی دشت نینوا میں داخل ہونے والے ہیں تم نے حر کو ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ ان کی گرفتاری کے لئے بھیج دیا ہے۔ اور اب تم بھی جاؤ اور پہلے ان سے مقابلہ کر کے ان کو قتل کرو اس کام سے فارغ ہو کر ویلم کی طرف چلے جانا۔

ابن سعد! جناب مجھے میرے کام پر جانے دیں ایک ہزار سپاہی کافی ہوتے ہیں حسین علیہ السلام کے ساتھ چند ساتھی ہیں جن پر حُر آسانی سے کامیابی حاصل کر لے گا۔ میں نے حُر کو سب کچھ اچھی طرح سمجھا کر روانہ کیا ہے۔

ابن زیاد! بحث کی ضرورت نہیں تم پہلے حسین علیہ السلام کو قتل کرو گے اور پھر دوسرے کام ہوں گے۔

ابن سعد! میرے لئے یہ مشکل امر ہے لہٰذا مجھے اس کام سے معاف رکھا جائے۔

ابن زیاد! لاؤ پھر وہ عہد نامہ مجھے دے دو جس پر تمہیں رے کی حکومت دینے کا معاہدہ لکھا ہوا ہے۔

ابن سعد! گھبرا کر مجھے ایک رات سوچنے کی مہلت دی جائے۔

ابن زیاد! اجازت ہے لیکن کل تمہیں ان دو باتوں میں سے ایک کرنا ہوگی یا تو حُسین علیہ السلام کا سر کاٹ کر لانا ہوگا یا رے کی حکومت کا نوشتہ واپس کرنا ہوگا۔

ابن سعد صبح جواب دینے کا وعدہ کر کے واپس آ گیا ساتھیوں سے مشورہ کیا سب نے بیک زباب قتل حُسین علیہ السلام سے منع کیا اس کے بھانجے حمزہ بن مغیرہ نے کہا رے کی حکومت تو نہایت معمولی چیز ہے اگر تمام جہان کی سلطنت بھی ملتی ہو تو اسے چھوڑ دینا اس سے بدر جہا بہتر ہے کہ خدا تعالیٰ کو دشمن اہل بیت رسول اور قاتل حُسین علیہ السلام بن کر ملے۔

ابن سعد نے سب کے مشوروں کو سنا دماغ میں دو مختلف خیال لے کر ہونے کی تیاری کرنے لگا لیکن نیند کہاں آتی انتہائی ذہنی کشمکش کا عالم ہے ایک طرف رے کی حکومت ہے دوسری طرف نواسۂ رسول سے ٹکرانا ہے ایک طرف دنیا ملنے کی توقع ہے دوسری طرف دین کی گردن پر چھری چلانا پڑتی ہے ایک طرف دنیا کی بادشاہی ہے تو دوسری طرف آخرت کی سرخروئی

ہے ایک طرف دنیا کا تخت ہے دوسری طرف جنت سے محرومی کا ڈر ہے ضمیر اور نفس امارہ میں جنگ میں جارہی ہیں رحمانی اور شیطانی قوتیں پوری شدت سے ٹکرا رہی ہے دونوں طرف سے پیہم آواز آ رہی ہے۔

أأتدك ملك الریّ رغبةً
ام ارفع مذ محما بقتل حُسینٍ
وفی قتلتلها النار التی للیسدونها
حجاب و ملک الری قوة عینِ

''رے'' کی حکومت چھوڑ دوں؟ لیکن اس کی طرف دل مائل ہے قتل حسین علیہ السلام کی مذمت گوارا کرلوں؟ لیکن قتل حُسین علیہ السّلام کی سزا جہنم کی وہ آگ ہے جسے روکا نہیں جا سکتا اور ''رے'' کی سلطنت آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

یہ آخری آواز تھی ذہن میں اٹھنے والا طرفہ طوفان تھم گیا فیصلہ ہو چکا تھا ضمیر مر گیا۔ امارہ جیت گیا شیطانی پنجہ کی گرفت مضبوط ہوتی گئی دل نور ایمان سے خالی ہو گیا ابن سعد زقاوت کا پتلا بن گیا دنیا کی ہوس نے اس کے کان بہرے کر دئے آنکھیں اندھی ہوگئیں اور دل پر مہر لگا دی اب اس کے اندر سے مسلسل ایک ہی آواز آ رہی تھی امام مظلوم کو قتل کرو اور ''رے'' کی حکومت کو حاصل کرو۔

صبح ہوئی ابن زیاد کو اپنے فیصلے سے آگاہ کیا اور کربلا کو روانہ ہو گیا

اب اس کی فوجیں امام عالی مقام کے سامنے صف بستہ ہیں حضرت حُر بھی اپنا لشکر آ چکے تھی وہ بھی یزید فوج میں شامل ہو گئے۔

بالمشا فہ گفتگو

ایک رات امام عالی مقام نے ابن سعد کو بلایا دونوں فوجوں کے در میان ملاقات کی جگہ مقرر ہوئی۔

امام نے فرمایا! کیا تم نہیں جانتے کہ ہم حق پر ہیں؟

ابن سعد! جانتا ہوں اور مانتا ہوں کہ آپ آپ حق پر ہیں۔

امام حسینؑ! کیا تم نہیں جانتے کہ یزیدی حکومت باطل ہے؟

ابن سعد! جانتا ہوں کے یزید نے شریعت کی کئی حدوں کو توڑا ہے

امام حسینؑ! تو پھر باطل کو چھوڑ کر حق کے ساتھ ملتے کیوں نہیں؟

ابن سعد! میرے مکانات گر دئے جائیں گے۔

امام حسینؑ! ہم نئے بنوا دیں گے۔

ابن سعد! میری جائداد چھین لی جائے گی۔

امام حسینؑ! ہم اس سے بہتر عطا جر دیں گے۔

ابن سعد! آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟

امام حُسین علیہ السّلام ہم تم سے کچھ بھی نہیں چاہتے صرف دو باتیں کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ ہم یہاں خود بخود نہیں آئے بلکہ ہمیں کوفیوں

نے سینکڑوں خط لکھ کر منگوایا ہے اور یہاں آنے کے بعد ہم نے نہ تو کوئی لشکر جمع کیا ہے اور نہ ہی کسی شہر پر حملہ کیا ہے۔ ایسی صورت میں ہمارے سامنے فوجیں لانے کا کوئی جواز نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ یا تو ہمیں واپس مکہ معظّمہ جانے دیا جائے یا کسی اور سرحد کی طرف جانے دیا جائے یا پھر دمشق جانے دیا جائے۔ تاکہ ہم یزید کے ساتھ خود گفتگو کرلیں۔

ابن سعد! میں آپ کے مشورے پر غور کروں گا اور پھر دونوں ہی اپنی اپنی قیام گاہ کی طرف چلے گئے۔ یہ ملاقاتیں تین راتیں رہیں اور آخر بڑے غور وفکر کے بعد ابن سعد نے ابن زیاد کو اس مضمون کا خط لکھا۔

میں نے معاملات کو اچھی طرح کنٹرول کرلیا ہے۔ اب حسین نے تین شرطیں رکھی ہیں،

اول! یہ کہ مجھے مکہ واپس جانے دیا جائے۔

دوم! یہ کہ میں کسی اور اسلامی سرحد کی طرف چلا جاتا ہوں۔

سوم! یہ کہ میں یزید کی بیعت کیلئے تیار ہوں۔

یہ جملہ ابن سعد نے اپنی طرف سے اپنی طرف سے لکھا تھا اور یہ قطعی طور پر غلط اور زبردست تاریخی جھوٹ ہے کہ امام عالی مقام نے اسے کہا تھا کہ ہم یزید کی بیعت کرلیں گے۔

ابن سعد کا اپنا خیال تھا کہ ابن زیاد آسانی سے یہ مان جائے گا اور اس طرح وہ امام کو دمشق جانے سے نہیں روکے گا۔

اور پھر اپنی طرف سے مشورہ دیا کہ تیسری شرط یعنی بیعت یزید مان کر امام حسین نے تمہارا مقصد پورا کر دیا ہے۔اسی لئے قتل کرنے سے بدرجہا بہتر ہے کہ حسین بیعت یزید کر لے۔اس طرح یزیدی حکومت کو تمام عالم اسلام مکمل طور پر خلافت الہیہ مان لے گا ابن سعد کا یہ خط لیکر جب قاصد ابن زیاد کے پاس پہنچا تو وہاں شمر ذوالجوشن لعین بھی موجود تھا۔ابن زیاد نے شمر کو خط کا مضمون بتا کر کہا اگر یہ بات درست ہو کہ حسین یزید کی بیعت پر آمادہ ہے تو اسے مان لینے میں کوئی حرج نہیں۔

شمر آخر شمر تھا اور یہی وہ ملعون تھا جس کے متعلق رسول صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرے حسین کا قاتل (سگ ابرص) ڈبا کتا ہوگا۔

ابن زیاد کی بات سن کر کہنے لگا اس طرح حسین نے یزید کی تابعداری تو کر لی لیکن تمہیں کیا فائدہ پہنچا اب حسین تمہارے قابو میں ہے اسے اپنی اطاعت کیلئے مجبور کرو،اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ کہ ابن سعد کئی راتوں سے حسین کے ساتھ خفیہ ساز باز کر رہا ہے ابن زیاد نے شمر کی تجویز فورا مان لی اور ابن سعد کو خط لکھا۔

میں نے تجھے حسین کو کسی قسم کی رعائت دینے کیلئے نہیں بھیجا۔اگر تم ضرور ہی ڈھیل دینا چاہتے ہو تو اسے بتا دو کہ یزید کی بیعت بعد کی بات ہے پہلے تمہیں ابن زیاد کی اطاعت کرنا ہوگی اگر وہ میرا مطیع ہو جائے تو میں اسے

اپنی مرضی کے مطابق یزید کے دربار میں پیش کروں گا۔ اگر وہ اس بات کو تسلیم نہ کرے تو اس کو اس کے ساتھیوں سمیت قتل کر کے ان کے سر مجھے بھیج دو۔

اور اگر تو یہ کام نہیں کر سکتا تو اپنے عہدے کو چھوڑ کر فوراً علیحدہ ہو جاؤ سب کام شمر خود کر لے گا۔

ابن زیاد نے یہ خط لکھ کر شمر کے حوالے کیا اور اسے تاکید کر دی کہ اگر ابن سعد اس خط کی خلاف ورزی کرے تو اس کا سر کاٹ کر فوراً روانہ کر دو اور خود فوج کا چارج سنبھال لو۔

شمر نے کہا میرا ایک کام بھی ہے۔

ابن زیاد نے پوچھا وہ کیا؟

شمر نے کہا حسین کے ساتھ میرے چند رشتہ دار بھی ہیں ان کیلئے امان چاہتا ہوں۔ ابن زیاد نے کہا انہیں امان ہے۔ شمر نے امان نامہ لکھوالیا اور ابن زیادؒ کا خط لیکر کربلا میں آ گیا، عمر بن سعد سے مل کر اسے خط دیا اور پوچھا کہ اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟

ابن سعد نے کہا کہ ابن زیاد کے حکم کی تعمیل کروں گا اور کر بھی کیا سکتا ہوں جبکہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ امام حسین علیہ السلام تو یزید کی بیعت ماننے سے بھی قطعی طور پر انکار کرتے ہیں تو وہ ابن زیاد کی اطاعت کیسے کریں گے۔ بعد ازاں شمر نے امام حسین علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے اپنے

رشتہ داروں کو بلایا، رشتہ دار کون تھے؟

جناب شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی زوجہ محترمہ ام البنین بنت خرام اوران کے بطن سے آپ کے چاروں بیٹے

۱۔ حضرت عباس ابن علی رضی اللہ عنہ

۲۔ حضرت عبداللہ ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۔ حضرت عثمان ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۔ حضرت جعفر ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

علاوہ ازیں حضرت ام البنین زوجہ حضرت علی المرتضیٰ کا بھتیجا عبداللہ بن المحجلی نے فرمایا! ہمیں سمیہ کے بیٹے سے اللہ تعالیٰ کی امان بہتر ہے۔

حضرت عباس علمدار نے فرمایا! شمر ہو تم پر اور تمہاری امان پر۔ ماموں زاد ہوکر ہمیں امان دیتا ہے لیکن نواسہ رسول اور جگر گوشہ بتول کیلئے امان نہیں ؟ ہزار بار لعنت تمہاری اس امان پر، ہمارے لئے نواسۂ رسول کے قدموں میں جان دینا تمہاری اس امان سے کروڑہا درجے بہتر ہے۔

شمر نے جب امام حسین علیہ السلام کے ساتھیوں کے جذبۂ ایثار اور تعلق قلبی کر دیکھا تو انتہائی شرمندگی سے واپس آ گیا اور فوراً ہی پانچ سو سواروں کا لشکر بھیج کر نہر فرات پر قبضہ کرلیا۔

محرم کی نوویں تاریخ

یہ محرم الحرام کی نوویں تاریخ کی بات ہے۔شمر نے ابن سعد سے کہا جلدی جلدی نمازعصرادا کرلواور پھر بھر پور حملہ کردو۔

اُدھر امام عالی مقام عصر کی نماز کی تیاری کررہے ہیں ادھر یزیدی فوج نمازِ عصر سے فارغ ہوکر رُوح نماز کو جلد از جلد قتل کر دینا چاہتی ہے صلواۃ الوسطیٰ کی حفاظت کی جارہی ہے۔مگر جس کے باپ کی اسی نماز کی ادائیگی کے لئے سورج کو واپس پلٹنا پڑا،اس کی لاش پر گھوڑے دوڑانے کے مشورے کئے جارہے ہیں۔

اہل عرفان حیران ہیں کہ یزیدیوں کی اس نماز کا کیا نام رکھا جائے بہرحال نمازِ عصر سے فارغ ہوکر امام عصر کو قتل کرنے کے لئے یزیدی فوج حرکت میں آجاتی ہے۔حضرت عباس علمدار بیس سواروں کے سامنے آئے اور عمر وسعد سے پوچھتے ہیں کہ تمہاری فوج کیوں آگے بڑھ رہی ہے۔ابن سعد نے بتایا کہ ابن زیاد کا لکھا ہوا اس مضمون کا خط شمر لایا ہے۔اب بتاؤ کیا ارادہ ہے حضرت عباس علمدار نے فرمایا امام عالی مقام سے پوچھ کر بتاتا ہوں۔اور پھر واپس امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔

حضرت عباس تو امام عالی مقام کے خیمہ میں چلے گئے اور دونوں طرف کے لوگوں نے آپس میں بحث شروع کردی۔

امام عالی مقام کے ساتھیوں میں سے حبیب ابن مظاہر نے یزیدی لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نظر میں بدترین لوگ وہ ہوں گے جو اس کے حضور اس حالت میں پہنچے گے۔ کہ اُن کے ہاتھ تہجد گزار عابدوں اور اس کے نبی کی اولاد کے خون سے رنگین ہوں گے۔

یزیدی فوج سے عزرہ بن قیس نے کہا۔ بہت خوب، آفرین صد آفرین۔ اپنی عظمت و بڑائی بیان کرنے کا اچھا طریقہ نکالا ہے۔ جی بھر کے اپنی پاکیزگی اور شان بیان کرو۔

عزرہ کا یہ تمسخر سنا تو حضرت زبیر بن ایقن بجلی نے فرمایا۔ عزرہ! تم ایک واضح حقیقت کا مذاق اُڑاتے ہو۔ سنو! خدا تعالیٰ نے ہمیں ہدایت کا راستہ دکھا کر ہمارے نفوس کو پاک کر دیا ہے۔ خدا سے ڈر، آخرت کا خوف کھا، اور ان لوگوں کو جن کے نفس پاک کئے جا چکے ہیں نشانہ ظلم وستم بنانے والوں کا ساتھی نہ بن۔

عزرہ نے جواب دیا، کیا تم وہی زبیر نہیں ہو جو حضرت عثمان کے حامیوں اور حضرت علی کے مخالفوں کے ساتھ تھے؟ زبیر نے کہا ہاں یہ درست ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے امام حسین کی بیعت کر لینے کے وعدے کا کوئی خط نہیں لکھا۔ لیکن جب میں نے ان کے ساتھ سفر کیا تو میری آنکھوں سے پردے اُٹھ گئے۔ میں نے ان کے تقویٰ و ورع کا عالم اور چلنا پھرنا دیکھا تو مجھے رسول خدا یاد آ گئے۔ رسول اللہ سے ان کی محبت یاد آ گئی۔

میں نے دیکھا کہ یہ کتنے عظیم ہیں جو محض تحفظِ حق وصداقت کے لئے ایک زبردست طاقت اور جابر حکومت سے ٹکرانے کے لئے جا رہے ہیں حالانکہ یہ بے سروسامان ہیں۔ خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ان کی محبت ڈال دی۔ میرے ضمیر نے مجھے بار بار پکار کر کہا حسین کا ساتھ دو چاہے تمہیں جان کی قربانی دینا پڑے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حق کی حفاظت کروں جسے یزید کے حواری ضائع کر رہے ہیں۔ ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں۔ کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ امام عالی کا پیغام لے کر آ گئے۔

آپ نے عمرو بن سعد کو فرمایا کہ امام عالی مقام فرماتے ہیں۔ ہمیں آج کی رات اپنے رب کی عبادت کر لینے دیں۔ ہم زندگی کی آخری شب میں آخری بار تلاوتِ قرآن کرنا چاہتے ہیں۔

عمرو بن سعد کے ساتھیوں نے کہا ٹھیک ہے۔ اب شام ہو رہی ہے اور اگر تم سے دیلم کے کفار بھی ایک رات کی مہلت مانگتے تو تم کو دینا پڑتی چنانچہ یزیدی لشکر پھر اپنے مقام پر واپس آ گیا۔



مُحرم کی دسویں رات

☆ صبح کو یوم عاشورہ ہے،

☆ کائناتِ ارضی وسماوی کے ظہور میں آنے کا دن،

☆ چاند تاروں اور سورج کی پیدائش کا دن،

☆ جنت اور دوزخ کے بننے کا دن

☆ ابتلاؤں اور آزمائشوں کا دن،

☆ امتحانوں میں کامیابی کا دن،

☆ حق کی فتح اور باطل کی موت کا دن،

☆ ملائکہ مقربین کی تخلیق کا دن،

☆ لوح وقلم کے نقوش ترتیب دینے کا دن،

☆ ارادہ وعلم الٰہی کے بطون سے ظہور میں آنے کا دن،

☆ قیامِ عرش اور قیامت برپا ہونے کا دن،

☆ حضرت آدم اور حضرت داؤد علیہ اسلام کی توبہ قبول ہونے کا دن،

☆ حضرت ابراہیم علیہ اسلام کے نار کو گلزار کرنے کا دن،

☆ ابراہیم کی فتح اور نمرود کی شکست کا دن،

☆ فرعون کے غرقِ نیل ہونے کا دن،

☆ حضرت ادریس کو بلندی درجات ملنے کا دن،

☆ حضرت نوح کا سفینہ کنارے پر لگنے کا دن،

☆ اسی دن ہی یوسف علیہ اسلام کو زندان سے رہائی حاصل ہوئی اور اسی دن ہی امام زین العابدین کو بیڑیاں پہنائی جائیں گی۔

☆ اس دن ہی حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کی جگہ مینڈھا قربان ہوا تھا اور اسی روز ہی تکمیلِ ذبحِ عظیم کرنے والا حسین اپنے بال بچوں سمیت ذبح کیا جائے گا،

☆ اس دن ہی حضرت یعقوب علیہ اسلام کو یوسف علیہ اسلام کی ملاقات کی بشارت دی جائے گی،

اور اسی روز ہی حضرت سجاد اپنے باپ سے بچھڑ جائیں گے

☆ اس روز ہی یعقوب کو ربینائی حاصل ہوئی اوران کا رونا تھما تھا اور اس روز ہی حضرت سجاد کی آنکھیں خون کے آنسو برسانا شروع کریں گی۔

☆ اس دن ہی حضرت یوسف علیہ اسلام کی ہمشیرہ کو بھائی کے ملنے کی بشارت ملی تھی۔

اور اسی روز ہی حضرت امام حسین علیہ اسلام کی ہمشیرہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا اپنے بھائی سے بچھڑ جائیں گی۔

دنیائے اسلام میں تاریخی اعتبار سے یہ انتہائی عظیم دن ہے۔

جبھی تو امام عالی مقام اس دن کا انتظار فرما رہے تھے۔ یہی وہ دن تھا جس میں شہزادۂ کون ومکاں نے اپنے نانا کے دین کو ظلم واستبداد کے پنجے سے چھڑانا تھا۔ نانا کی اُمت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو ساحلِ آشنا کرنا تھا۔ اور خود ذبح ہو کر دنیا پر واضح کرنا تھا کہ

قتل حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

یہی وہ مقدس اور عظیم دن تھا جس کو خونِ حسین کی تابانیوں نے اور بھی مقدس بنا دینا تھا۔ اور بھی درخشاں کر کے اور بھی باعظمت کر دینا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ دن پہلے بھی ہزاروں سعادتیں اور لاکھوں رحمتیں اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھا لیکن جو سربلندی اور شہرت تامہ اسے خون حسین کی برکت سے ملی اس کا رنگ پہلے تمام واقعات پر چھایا ہوا ہے۔

بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے شہزادۂ گلگوں قبا نے اس دن کو اپنے لئے منتخب فرما کر پھر اپنے لئے ہی مخصوص فرما لیا ہے۔ اس کی تاریخی عظمتوں کو اگر یاد کیا جاتا ہے تو محض ذکرِ حسین ہی کی وجہ سے، اے یوم عاشور! تیری عظمتوں کو سلام، تجھے خونِ حسین کی سرخی نے درخشندہ اور تابندہ کر دیا ہے۔ تو جب بھی آئے گا اہلِ ایمان تجھے سلامی پیش کریں گے۔

اس عاشورۂ محرم کی صبح ہونے میں آٹھ گھنٹے باقی ہیں۔ اس عاشورۂ محرم کی صبح ہونے میں آٹھ گھنٹے باقی ہیں بلکہ یوں سمجھنا چاہئیے کہ قیامت بپا

ہونے میں چند گھڑیاں باقی ہیں قیامت بھی تو اسی روز ہی قائم ہو گی لیکن اس کی آمد معلوم نہیں کربلائی زمین پر تھوڑے عرصے کے بعد اس قیامت کی تصویر کھینچی جائے گی۔

ساتھیوں کو خطاب

امام عالی مقام نے عشاء کی نماز کے بعد اپنے ساتھیوں کو بلایا کر یہ خطبہ دیا۔

پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وستائش بیان کی اور پھر فرمایا کہ مین جو حالت میں خدا تعالیٰ کا شکر گذار ہوں خواہ رنج وآلام ہوں یا راحت وخوشی میں خداوند قدوس کا ممنون کرم ہوں قرآن کو سمجھنے کا فہم بھی عطاء فرمایا دین کے معاملات کو ٹھیک طور پر سمجھنے کی صلاحیت بھی عطا فرمائی اور عبرت حاصل کر نے کی قوتوں سے بھی سرفراز فرمایا۔

امابعد میرے غم گسار اور ہمدرد ساتھیو! مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ آج تمام روئے زمین پر مجھ سے اور میرے ساتھیوں سے افضل کوئی جماعت نہیں اور نہ ہی میرے اہل بیت سے زیادہ خیر خواہ اور ہمدرد دنیا پھر میں کسی کے ساتھ موجود ہیں اے محبان حسین بن علی! اللہ تعالیٰ تم سب کو میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

آپ لوگ جانتے ہیں کہ یزید کو میرے ساتھ دشمنی ہے اسے صرف

میرا قتل مقصود ہے وہ اپنی شیطانی حکومت کی بنیادیں میری لاش پر استوار کرنا چاہتا ہے اس لیئے میں مشورہ دیتا ہوں کے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاؤ ابھی تھوڑی دیر بعد چاند نکل آئے گا۔

پھر شائد کوئی مشکل درپیش آجائے میں تمہارا شکر گذار ہوں کہ موسم گرما کی شدت میں تم لوگ دوروز سے میرے ساتھ میری طرح پیاس کی سختی برداشت کرر ہے ہو لیکن اب میں تم لوگوں کو بخوشی اجازت دیتا ہوں کے میرے ساتھ رہ کر مصیبتیں اٹھانے کی بجائے اپنی اپنی سواریوں پر بیٹھو اور جہاں طبیعت مانتی ہو مناسب سمجھو تو میری اہل بیت کا ایک ایک فرد اپنے ساتھ لگے جاؤ۔

میں تم پر خوش ہوں قیامت کے دن کوئی شکوہ نہیں کروں گا تم میرا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

بلکہ رب عالم کے حضور میں عرض کروں گا کہ بارالٰہا ان سب کا میرے امتحان میں سے پورا پورا حصّہ ہے۔

جاؤ میرے جاں نثار ساتھیو! حُسین علیہ السلام تمہیں پورے خلوص کے ساتھ الوادع کہتا ہے تم جدھر بھی جاؤ گے تمہیں کوئی نہیں روکے گا۔

یہ سب فوجیں میرے لئے ہیں ان کے تیروں تلواروں، نیزوں اور بھالوں کا ہدف حُسین علیہ السّلام کا سینہ ہے پھر تم خواہ مخواہ کیوں میرے ساتھ رہ کر مصائب برداشت کرو۔

ہیں میرے ہی لئے یہ سامنے فوجوں کی دیواریں
چمکتی ہیں فقط میرے لئے لشکر کی تلواریں

مہربانو! مجھے تو امتحان خاص دینا ہے
یزیدی فوج کو تو بس! سر شبیرؑ لینا ہے

میں خوش ہو کر اجازت دے رہا ہوں تم چلے جاؤ
جہاں جاؤ رہو خوش ،زندگی کی راحتیں پاؤ

مجھے سینے پہ نیزوں برچھیوں کے وار سہنے دو
میری گردن سے خون مصطفیٰ کی نہر بہنے دو

مجھے رہنے دو جور و جبر کی خونی گھٹاؤں میں
میں خود آیا ہوں میرے ساتھیو خونی بلاؤں میں

چلے جاؤ ،بلائیں کربلا میں لاکھ آئیں گی
دعائیں ابن حیدر کی تمہارے ساتھ جائیں گی

﴿صائم چشتی﴾

امام کے ساتھیوں کی التجا

امام عالی مقام کی یہ رقت انگیز گفتگو سنی تو ساتھی تڑپ کر رہ گئے روتے ہوئے فریاد کرتے ہیں۔

اے شہزادۂ کون ومکان۔ اے شہریار مملکت حق وصداقت، اے شمع شبستان رسول! اب آپ کو چھوڑ کر کہاں جائیں گے آپ کے سوا ہمارا دنیا میں کون ہے جس کے لئے زندہ رہنا ہے۔

اے جگر گوشۂ بتول! کروڑوں زندگیاں بھی ہوں تو تیرے قدموں پر بھی قربان آپ ہمیں اپنے قدموں سے دور جانے کا مشورہ نہ دیجئے۔

اے محبوب کبریا کے محبوب نواسے! ہمیں اپنے قدموں پہ نثار ہونے دیں ہمیں اپنی جانوں کی قیمتیں وصول کرنے دیں۔ ہماری سب سے بڑی خوش قسمتی اور بلندئ مقدر یہی ہے کہ آپ ہمیں خود پر قربان ہوتا دیکھیں ہماری جان نثاری کو ملاحظہ فرمائیں۔

اے امام الوقت! آپ کی جان ہماری جانوں سے زیادہ قیمتی ہے ایک ہم ہی کیا ہیں پوری کائنات سے زیادہ قیمتی ہے۔

یاامام المسلمین! ہمارے خون کا ہر قطرہ آپ کے نام پر نثار ہو گا۔ اور جب ہماری روحیں ہمارے جسموں کو چھوڑ رہی ہوں گی تو وہ صدا دیتی

ہوں گی۔یاحسین آپ کی عظمتوں کوسلام

آپ ہمارے آقاومولاہیں ہماری جانوں کے ہم سے زیادہ مالک ہیں۔

ہونا قربان جو آقا پہ وہ بندہ کیا ہے

﴿اعلیٰ حضرت﴾

کہا روکر غلاموں نے محمد کے نواسے کو
کئی دن کے پیاسوں نے کئی دن کے پیاسوں کو

ہمارے آقا و مولا ہمیں بھی پاس رہنے دو
ہمیں بھی ظلم کی شمشیر کا ہر وار سہنے دو

اے زھرا کے قمر بن کر رہیں گے ہم تیرا ہالہ
ترے قدموں میں مرنے کی تمنا ہے شہ والا

ہمیں ناموس احمد کے لئے قربان ہونے دیں
ہمیں قدموں میں آقا راحتوں کی نیند سونے دیں

جہاں کی ظلمتوں میں شاہ والا روشنی تم ہو

ہماری جان بھی تم ہو ہماری زندگی تم ہو

❁صائم چشتی❁

حضرت عباس نے کہا! یا امام خدا ہمیں وہ دن نہ دیکھا کہ ہم آپ کے بعد زندہ رہیں۔

حضرت مسلم کے بھائیوں نے کہا! تاریخ ہمیں کس نام سے یاد کرے گی کے ہم اپنے سردار اپنے امام اور چچازاد بھائیوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟ اور نہ کوئی تیر پھینکا نہ نیزہ چلایا اور نہ تلوار چلائی خدا کی قسم ہمیں ایسی زندگی کی ضرورت نہیں ہمیں تو اپنی جان مال اولاد سب کچھ آپ کی ذات پر قربان کر دینا ہے۔

عوسجہ نے کہا: میں اس وقت تک اپنے امام کے لئے لڑتا رہوں گا جب تک میرے جسم میں خون کا آخری قطرہ باقی ہے۔

سعد بن عبداللہ حنفی نے عرض کی! اے امام برحق، ہم اس وقت تک آپ کے لئے لڑتے رہیں گے جب تک ہمیں یقین نہ ہو جائے کہ ہم نے اللہ کے رسول کا حق محفوظ کر لیا ہے خدا کی قسم اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ میں قتل کیا جاؤں گا پھر زندہ کر کے جلا دیا جاؤں گا یا میری خاک ہوا میں تحلیل ہو جائے گی اور یہ سلوک میرے ساتھ ستر بار کیا جائے گا جب بھی میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔

زہیر بن قیس نے کہا اے نواسہ رسولؐ! خُدا کی قسم کھا کر عرض کرتا ہوں کہ اگر میں ہزار مرتبہ ورے سے چیرا جاؤں تو جب بھی آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا

امام عالی مقام علیہ السلام نے جب ایثار کے پیکروں کی گفتگو سنی تو انہیں دعا دیتے ہوئے فرمایا اگر آپ سب لوگوں کی یہی خواہش ہے تو اٹھیے اور میرے ساتھ امتحان کی تیاری کیجیے وہ صبح آنے والی ہے جس میں میرے اور تمہارے لاشے خاک وخون میں تڑپتے ہوں ہونگے اب زیادہ وقت نہیں خیموں کو اکھاڑ کر قریب قریب کر کے لگادو اور ان کے گرداگرد ایک خندق کھود کر اس میں لکڑیاں بھر دو ہمیں یقین ہے کہ یزیدی ناموس محمد کا بھی خیال نہیں کریں گے اور خیموں پر حملہ کردیں گے۔

اب جلد از جلد تمام تیاریاں مکمل کرلو صبح ہوتے ہی جنگ کا آغاز ہو جائے گا۔

پھر آپ تمام ساتھیوں کو کام پر لگا کر اہل بیت کے خیموں میں تشریف لے آئے ۔



امام عالی مقام

اور

حضرت زینب

آپ سب سے پہلے جناب سیدہ زینب کے خیمے میں تشریف لے گئے اور بہن کو سلام کر کے بیٹھ گئے سیدہ کی بیٹی اٹھی پہلے بھائی کی گردن کو بوسہ دیا اور پھر زلفوں کو چوما امام نے ہمشیر کے ہاتھوں اور کلائی کو بوسہ دیا اور ایک دوسرے کے پاس بیٹھ گئے بہن بھائی کی طرف حسرت زدہ نگاہوں سے دیکھ رہی ہے اور بھائی ہمشیر کی طرف ایسے دیکھ رہا ہے جیسے یہ آخری ملاقات ہے دونوں کے لب خاموش ہیں لیکن دلوں کی دھڑکنوں میں پیغام رسانی جاری ہے دونوں ہی سوچ رہے تھے کہ سلسلہ گفتگو کس طرح شروع کیا جائے۔

آغاز گفتگو

امام عالی مقام نے سکوت مرگ جیسی خاموشی کو توڑ کر سوال کیا۔

اے میرے تقدس مآب اور عظیم ہمشیرہ! آپ نے آج سے پہلے اس طریقہ سے میری گردن اور زلفوں کو بوسہ نہیں دیا۔

میری عزیز بہن! مجھے بتاؤ کہ اس کی کیا وجہ ہے۔

سیدہ کی بیٹی نے وجہ بیان کرنے کا ارادہ کیا تو چیخ نکل گئی رو کر فرمایا!

اے شہزادۂ عالم! امی کی آنکھ کے تارے اور دُکھی بہن کے دل کے سہارے پیارے بھائی جان! آج مجھے امی جان کا ایک فرمان یاد آ گیا ہے۔ میں دیکھ رہی ہوں کے وہ وقت سر پر آ چکا ہے۔ جس کے لئے امی حضور نے وصیت فرمائی تھی میری عمر بہت چھوٹی تھی بنت رسول کے آخری لمحات تھے۔

آپ نے مجھے آخری بار گود میں لے کر پیار کیا اور فرمایا۔ میری بیٹی میری ایک وصیت یاد رکھنا مجھے تمہارے نانا جان نے بتایا تھا کہ میرا حُسین شہید کر دیا جائے گا۔

میں تمہیں وصیت کرتی ہوں کہ جب میرے حسین علیہ السلام پر ایسا وقت آئے تو اپنے بھائی کا ساتھ دینا۔ پھر امی جان نے مجھ سے وعدہ لے کر فرمایا کہ تم امام الانبیاء کی نواسی ہو حیدر کرار کی بیٹی ہو کہیں اپنے وعدے کو بھول نہ جانا۔

اے شہزادۂ رسولؐ! مجھے امی جان سے کیا ہوا وعدہ ہمیشہ یاد رہا مدینہ منورہ سے چلتے وقت مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اب امی جان سے کیا ہوا وعدہ پورا ہونے کا وقت آ چکا ہے اور آج کی رات مجھے اس بات کا پورا پورا یقین ہو گیا ہے کہ کل آپ کے گلوئے مبارک پر ظلم و ستم کی شمشیر چل جائے گی

میر اماں جایا بھائی شہید ہو جائے گا اہل بیت کا قافلہ لٹ جائے گا امّ لیلیٰ ور باب کا سہاگ اجڑ جائے گا بتول کے حجرہ کا چراغ بجھ جائے گا بہن کے دل کا قرار لٹ جائے گا اسی یقین کے ساتھ میں نے آپ کی گردن پر بوسے دیئے ہیں کہ کل اس گردن پر تلوار چلنے والی ہے زلفوں کو اس لئے چوما ہے کہ کل یہ عنبریں زلفیں خاک وخون میں لتھڑی ہوئی ہونگی۔

بھائی جان آپ بتائیں کہ آپ نے میرے ہاتھوں اور کلائی کو کیوں بوسہ دیا ہے جگر گوشۂ بتول کی آنکھوں میں آنسوؤں کا طوفان آ گیا فرمایا میری ہمدرد وغمگسار و بہن! تیری طرح مجھ سے بھی وعدہ لیا گیا ہے مجھے سے بابا حیدر کرار وعدہ لیا تھا۔

انہوں نے فرمایا تھا کہ میرے حسین علیہ السلام! جب تم کربلا کی سرزمین میں امتحان دے کر فرائض ذبح عظیم کی تکمیل کر رہے ہو گے تو میری بیٹی زینب بھی تیرے ساتھ ہوگی وہ تمہارے امتحان میں برابر کی شریک ہوں گی وہ تیرے لئے اپنا گھر بار چھوڑ دے گی اپنے بچوں کو تجھ پر قربان کر دے گی۔

اور پھر میرے حسین علیہ السلام! وہ تیری شہادت کا صدمہ بھی برداشت کرے گی اور جب تو شہید کر دیا جائے گا تو امت کے نمک حرام اس کی کلائیوں میں زنجیریں پہنا دیں گے میرے ہمشیر میں تیرے ہاتھوں میں یزیدیوں کی ہتھکڑیاں دیکھ رہا ہوں۔

کاش! اس وقت حُسین علیہ السلام نے جام شہادت نہ پیا ہوتا اور اہل بیت کے ساتھ یہ سلوک کرنے والوں کی گردنیں اُڑا دیتا لیکن پیاری بہن اب صبر کے سوا چارہ کار نہیں قدرت کو یہی منظور ہے حُسین علیہ السلام کو اسی طرح امتحان دینا ہے اور حُسین علیہ السلام کی بہن کو بھی اسی طرح صبر واستقامت کی تصویر بن کر فاطمہ کے دودھ کی لاج رکھنا ہے۔

میری عظیم اور قابل صد احترام بہن! میں نے تیری کلائیوں کو اس لئے چوما ہے کہ ان میں میرے بعد ہتھ کڑیاں پہنائی جائیں گی۔

حضرت امام زین العابدین فرماتے ہیں کہ مجھے اُس وقت سخت بخار تھا۔ میری پھوپھی جان میری تیمارداری میں بھی مصروف تھیں اور میرے ابا حضور سے گفتگو بھی فرما رہی تھیں۔ وہ جب مجھے دیکھنے کے لئے آئیں تو والد گرامی امام عالی مقام نے [illegible] ذیل شعر پڑھے۔

با [illegible] راف لک من خلیل
کم لک با [illegible] شراق والاصیل

من صاحب اوطالب قتیل
[illegible] الدھر [illegible] قتح بالبدیل

[illegible] الی الجلیل
[illegible] سالک السبیل

ترجمہ!

اے دنیا تجھ پر افسوس ہے تو کیسی بے وفا دوست ہے صبح وشام تیرے ہاتھوں کتنے لوگ قتل ہو جاتے ہیں وقت نہ کسی کی رعایت کوتا ہے اور نہ ہی کسی کا بدل قبول کرتا ہے اور سارا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم میں ہے ہر زندہ موت کی طرف جارہا ہے۔

امام زین العابدین کہتے ہیں کہ جب پدر بزرگوار نے دوتین بار یہ شعر دہرائے تو میری حالت اور بھی خراب ہوگئی کلیجہ منہ کو آنے لگا آنکھیں آنسوؤں سے تر ہوگئیں اور مجھے یقین ہوگیا کہ سر پر مصیبت کی ایسی گھڑیاں آچکی ہیں جوٹل نہیں سکتیں۔

میری پھوپھی نے جب یہ شعر سنے تو بے قابو آگئیں اور دوڑ کر بھائی کے پاس پہنچیں اور فریادو فغاں کرتی ہوئی بے ہوش ہوگئیں۔

ازواجِ طاہرات سے ملاقات

بعد ازاں امام عالی مقام ازواجِ طاہرات کے خیمہ میں گئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ جنابِ رُباب اور اُمِ لیلیٰ شہنشاہ کی سلامی کے لیے کھڑی ہوئیں تو آپ نے بیٹھ جانے کا ارشاد فرمایا۔ ناموسِ رسالت بیٹھ گئیں تو آپ نے فرمایا !

اے غیرتِ بنو ہاشم کی محافظو ، حسین تم سے نادم ہے مگر مجبور ہے۔ اے میری ازواج حسین قضاء وقدر کا مالک ہو کر بھی قضاء وقدر کا پابند ہے۔ اس لیے کہ یہی رضائے الٰہی ہے۔ یہی مشیّتِ خُداوندی ہے۔ یہی مرضیٔ مصطفیٰ ومرتضیٰ ہے۔ اور یہی میری امی جان جنابِ زہرا سلام اللہ علیہا کی خواہش ہے۔

حسین تمھارا مشکور ہے

اے میری حرمین حسین تمہارا مشکور ہے۔ کہ فقر و فاقہ کی زندگی گزارنے میں تم نے میرا پورا پورا ساتھ دیا۔ میں تمہارا اس لیے بھی ممنون ہوں کہ تم نے ہمیشہ میری رضا کو اپنی رضا پر مقدم رکھا۔ اور میری ردائے تطہیر کو شکوہ وشکایت کی آلودگی سے کبھی داغدار نہیں کیا۔

حسین تمہارے اس جذبے کی تہہ دل سے قدر کرتا ہے۔ کہ تم نے اپنی زندگیوں کو حسین ہی کے رنگ میں ڈھال لیا۔ مجھے اس امر کا شدید

احساس ہے کہ میں نے تمہیں دنیاوی آسائشوں اور نعمتوں سے کبھی کچھ نہیں دیا۔مگر تم اس ایک بات پر یقیناً فخر کرسکتی ہو کہ تم بنتِ رسول جنابِ بتول علیہ السلام کی بہوئیں ہو۔

مجھے اس بات کا بھی ہمیشہ خیال رہا کہ میں تمہیں دنیا میں سوائے غربت و افلاس اور فقر و فاقہ کے کچھ بھی نہ دے سکا۔مگر اس بات پر مطمئن ہوں کہ تم قیامت کے دن جنّتیوں کے سردار کی بیویاں کہلاؤ گی۔

اے غمگسارانِ حسین ! تم نے ہر غم میں میرا ساتھ دیا۔ ہر دکھ درد میں پورا پورا نباہ کیا۔ہر مصیبت اور تکلیف کو خوشی خوشی برداشت کیا۔لق و دق صحرا کے سفر کی صعوبتوں کو برداشت کیا۔اور اب تین روز سے پیاس کی سختیاں برداشت کر رہی ہو۔اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے۔

کل تمہارا امتحان ہوگا

اے ناموسِ بنو ہاشم ! غریب الوطن حسین آج تمہیں ایک اور المناک خبر سُنانے آیا ہے۔

اے میری زندگی کی رفیقو ! کل یومِ عاشورہ ہے۔اور یہی میرے امتحان کا دن ہے۔کل میرا امتحان ہوگا۔اور تمہارا سہاگ اُجڑ جائے گا۔

حسین کا سایا سر پر نہیں ملے گا۔

تمہارے سروں کی ردائیں چھن جائیں گی۔

اس خبر کے ساتھ ہی میرا مشورہ ہے۔ کہ تم علی اکبر کو ساتھ لو۔ علی اصغر کو گود میں اُٹھاؤ۔ چند ہاشمی جوان بھی تمہارے ساتھ ہونگے۔ اور کسی محفوظ مقام پر چلی جاؤ۔

یاد رکھو ! اگر تم میرے ساتھ رہو گی تو تمہارا سہاگ تو اُجڑنا ہی ہے ۔تمہاری گودیں بھی خالی ہو جائیں گی۔ اور پھر تمہاری نازک کلائیوں میں لوہے کی زنجیریں بھی ڈال دی جائیں گی۔

ازواج کا غم میں ڈوبا جواب

امام عالی مقام کی جانگداز گفتگو سُنی تو حضرت رُباب اور جنابِ اُمِّ لیلیٰ کی چیخیں نکل گئیں۔ امام کے سمجھانے پر چیخوں کو دبایا تو ہچکیوں اور سسکیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دِل تھے کہ جیسے ڈوب ہی گئے ہوں۔ نبضیں تھیں کہ جیسے بند ہو کر ہی دم لیں گی۔

سینوں میں اُٹھنے والا طوفان سیلِ عشق بن کر بہنے لگا۔ لیکن آنکھوں میں اتنا راستہ ہی کہاں تھا جو طوفان کے اِس شدید ریلے کو گذار سکیں۔ آنکھیں مسلسل اشک برسا رہی تھیں۔

بات کرنے لگتی ہیں تو بات نہیں ہوتی۔ ہچکی پر ہچکی بندھی ہوئی ہے۔ جسموں میں روحیں اس طرح پھڑک رہی ہیں جیسے ابھی نکل جائیں گی۔

بڑی مُشکل سے خاموش فریادوں کر سنبھالا اور دونوں بیبیوں نے آہِ سرد کھینچ کر کہا !

ازواج کا امام کو جواب

اے امامِ عالی مقام ! آپ نے آج کیسی گُفتگو فرمائی ہے۔

اے ابنِ رسول اللہ ! اے ہمارے آقا و مولا ، اے ہمارے سرتاج دنیا کی کروڑوں نعمتیں اور آسائشیں آپ کے فقر و فاقہ پر قربان ۔ہمارے لیے یہی کیا کم ہے کہ ہم جنّت کے نوجوانوں کے سردار کی کنیزیں ہیں۔ سلطنتِ اسلامیہ کے روحانی تاجدار و شہریار کی لونڈیاں ہیں۔ جنابِ بتول اور سیّدہ زینب کی خادمائیں ہین۔

آپ شہزادۂ کونین ہیں۔ نوجوانانِ جنّت کے سردار ہیں ،

ہمارے سرتاج آپ امام الانبیاء کے چمن کی بہار ہیں۔

آپ نے ہم جیسی حقیر کنیزوں کو شہزادیوں سے بھی بلند و بالا مرتبے عطا کر دیے ہیں۔

آپ نے ذروں کو آفتاب بنا دیا ہے۔ آپ کے فقر و فاقہ نے ہمیں اسلوبِ زندگی سے آشناء کر دیا ہے۔

آپ کے افلاس نے جینے کا سلیقہ سکھا دیا ہے۔ اور آپ کی نسبت نے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہلِ بیت میں داخل کر دیا ہے۔

آج ہم جیسا خوش نصیب کون ہے۔ کہ ہم نواسہ رسول اور جگر گوشہ بتول کی ساتھی ہیں۔

پھر جنابِ علی اصغر کی والدہ مکرمہ نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا، لیکن اے میرے سرتاج ! مُجھے ایک بات کا افسوس ضرور رہے گا۔ کہ آپ نے مجھے اس قابل نہ سمجھا کہ میں آپ کے امتحان میں شریک ہو سکوں۔

میں آپ کو نہیں چھوڑ سکتی

میرے آقا آپ نے کیسے خیال فرما لیا کیا اس کنیز کو اپنے قدموں سے دور کریں۔ کیا اس لیے کہ میں اپنے بیٹوں کو قربان ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکوں گی۔ اپنا سہاگ اُجڑتا ہوا برداشت نہیں کر سکوں گی ؟

میرے حضور یہ درست ہے کہ آپ کے بعد میں شائد زندہ نہ رہ سکوں۔ لیکن میرے آقا ، میں آپ کو چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہوں ؟

میرا آپ کے سوا دنیا میں اور کون ہے جس کے پاس جاؤں گی۔

حضور آپ ہی تو میری زندگی ہیں ۔ میری روح ہیں میری جان ہیں۔ مجھے زندہ رہنا ہے تو آپ کے قدموں میں۔ آپ کے بعد جو زندگی ہو گی اُس کا نام زندگی کیسے رکھا جائے گا۔ اُس زندگی سے مر جانا ہزار درجے بہتر ہے جو آپ کے بغیر ہو۔

یہ جُملہ کہا ، رفیقۂ حسین علیہ السلام پر اس قدر غم طاری ہوا کہ آپ

بے ہوش ہو گئیں۔

امامِ عالی مقام نے خیال کیا ، کہ شائد اب جانبر نہ ہو سکیں۔ پانی تو تھا ہی نہیں ۔ بے ہوش کو کس طرح ہوش میں لایا جاتا ، امامِ عالی مقام نے دامن سے پنکھا کیا۔ دامنِ مسیحائی ہوا نے رُوح کو جسم سے پرواز کرتے کرتے روک لیا۔

شہزادہ رسول سے گفتگو

جنابِ اُمّ لیلیٰ نے آنکھیں کھول کر اپنے سرتاج کو دیکھا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ شہزادۂ رسول نے تسلّی و تشفّی کی گُفتگو فرمائی۔ اور کافی دیر صبر و شُکر کی تلقین کرنے کے بعد آپ نے بستر کے ساتھ ٹیک لگائی اور لیٹ گئے۔

امام الانبیاء کی تشریف آوری

آپ لیٹے ہی تھے کہ نیم خوابی کا عالم طاری ہو گیا۔ ان حالات میں نیند کس کو آ سکتی ہے۔ بس مُلاقات کا بہانہ بننا تھا۔ خواب میں ملاقات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ تاجارِ کون و مکاں ، امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نواسے کے سینے پر اپنا دستِ اقدس رکھا ہوا ہے، اور آپ دُعا فرماتے ہیں اے خُداوندِ قدّوس میرے حسین کو صبر عطا فرما۔ اور اجرِ عظیم عطا کر،

اللھم اعطِ الحسین صبراً و اجراً

نانا جان کے دستِ اقدس کی برودت سے امام حسین کے سینے میں اُٹھنے والے دردو غم کے شعلے ماند پڑ گئے۔اضطراب و اضطرار کی عوارضاتِ بشری کے تحت جوتھوڑی بہت صورت تھی وہ بھی ختم ہوگئی۔

نانا نے نواسے کے سینے پر ہاتھ کیا رکھا! سینے میں صبر ورضا کا خزانہ بھر دیا۔دِل میں سکون واطمینان کے سمندر بند کر دیئے۔ شوقِ شھادت کے جذبات کی دنیا آباد کر دی۔

نواسے نے مدینہ سے چلتے ہوئے کربلا میں تشریف لانے کی التجاء کی تھی۔ نانا نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ان حالات میں دنیا کون سی طاقت حسین کے عزم میں لغزش پیدا کر سکتی تھی۔

کربلا میں حضور نے امتحان دیا

کربلا کے دشتِ لالہ زار میں امتحان دینے والے بھی مصطفیٰ ہیں اور امتحان دلوانے والے بھی مصطفیٰ۔پھر اس امتحان میں کس طرح کمی رہ سکتی تھی۔

جس معلّم نے تعلیم دی ہو ، اگر وہی ممتحن بن کر آئے تو پھر پرچے کتنے آسان ہو جاتے ہیں۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا !

میرے حسین ہم ہر مقام پر تمہارے ساتھ رہیں گے۔کسی بھی قسم

کے اضطراب کی ضرورت نہیں۔ نہائت صبرو سکون سے اپنے فرائض کی تکمیل کرو۔

کل تُم منصبِ شہادت سے سرفراز کردیئے جاؤ گے۔اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جُدائی ختم کردی جائے گی۔ پانی نہ ملنے کی شکائت نہ کرنا میرے بیٹے ،تم اور تمہارے ساتھی کل اپنا روزہ میرے ساتھ افطار کریں گے۔

کتنی روح پرور اور حسین مُلاقات تھی۔جوش ومسّرت سے امامِ عالی مقام کی آنکھ کھل گئی۔اس کے بعد آپ تلاوتِ قرآن میں مشغول ہو گئے۔اوراب !

نماز ادا ہو رہی ہے

تہجّد کا وقت ہو چکا تھا۔امام عالی مقام نے نوافل ادا فرمائے ،ذکر اذکار کے بعد حضرت علی اکبر کو اذان کے لیے حکم فرمایا ۔شبیہہ مصطفیٰ نے اذان کہی ، امام الوقت امام حسینؑ نے فرائضِ امامت ادا کیے۔اللہ والی جماعت نے اقتداء میں نماز پڑھی۔

سامنے یزیدی فوج کی تلواریں چمک رہیں تھیں ۔اور نمازِ محبّت ادا ہو رہی تھی ۔فرشتے جھوم اُٹھے اور اس عظیم نماز کا اجر جمع کرنے کے لیے جھولیاں پھیلا دیں۔آوازِ سروش آتی ہے۔

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سائے میں
نماز حق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں

جنگ کی تیاریاں

امامِ عالی مقام کے ساتھی حاضر خدمت ہیں۔آپ نے خیموں کا مشاہدہ فرمایا، حسب الحکم سب کچھ درست کر دیا گیا۔ خیمے ساتھ ساتھ کر کے طنابوں میں طنابیں ملا دی گئیں تھیں ۔اور خیموں کے ساتھ ساتھ خندق کھود کر خشک لکڑیوں سے بھر دی گئی تھی۔اب سپہ سالارِ اعظم کا نواسہ اور فوتح خیبر کا بیٹا اپنی عسکری صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتا ہے۔

لشکر حسین کی ترتیب

آپ کے ساتھ اگرچہ گنتی کے چند ساتھی تھے لیکن آپ نے ان چند افراد پر مشتمل اس چھوٹے سے لشکر کو اس طرح ترتیب دیا جس کی مثال پوری تاریخِ عالم نہیں پیش کر سکتی۔آپ کے ساتھ بہتر جانباز تھے جن میں بتیس سوار تھے اور چالیس پیادے۔آپ نے ایک جانب حبیب بن مظاہر اور دوسری جانب زہیر بن قین بجلی کو سالارِ لشکر مقرر کیا اور حق وصداقت کا حسینی پرچم حضرت عباس ابن علی کو مرحمت فرمایا۔جب یہ ملکوتی لشکر ترتیب دیا جا چکا تو آپ نے تحیتہ امامت کے لیے تیمم فرمایا۔اور خود بھی میدان میں تشریف لے آئے۔

میدان قیامت

اِمام عالی مقام نے میدانِ کربلا کو دور تک دیکھا۔ تاحدِ نگاہ یزیدی فوجوں کا سیلاب نظر آیا پھر اپنے گنتی کے چند ساتھیوں کی طرف دیکھا اور بارگاہِ خُداوندی میں ہاتھ اُٹھا دیئے اور عرض کیا۔

اے خُداوندِ قدوس! حُسینؑ اپنی بے بضاعتی کے ساتھ حاضرِ دربار ہے اسے استقامت فرما۔

یا اللہ ! یہ تیرے چند غلام تیرے نام کی عظمت کے پرچم بلند کرنے کے لئے اُٹھے ہیں۔ انہیں صبر کی توفیق دینا۔

اے میرے خالق و مالک! حُسینؑ اس زبردست امتحان میں تیرے فضل و رحمت کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتا۔ یا اللہ! مجھ پر فضل و رحمت فرما۔

الٰہی میں تیرے محبوب کی زلفِ عنبریں کا واسطہ دیتا ہوں مجھے دنیا کے ان ظلمت کدوں میں روشنی کا مینار بنا دے۔

خُداوندا تیرے دربار میں شبیر حاضر ہے
میری گردن برائے خنجر و شمشیر حاضر ہے

تیرے دربار میں اک التجاء شبیر کرتا ہے
الٰہی !استقامت کی دعا شبیر کرتا ہے

خُداوندا! مجھے اس امتحاں میں کامیابی دے
حضورِ سرورِعالم میں شرفِ باریابی دے

﴿علامہ صائم چشتی﴾

امام عالی مقام نے فرمایا

اس دعا کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے قرآنِ مقدس کی یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله والله مع الصابرين

ترجمہ!

کہ بارہا کم جماعت غالب آئی ہے زیادہ گروہ پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اللہ صابروں کے ساتھ ہے

اور پھر فرمایا کہ غالب آنے کا انحصار زندگی اور موت پر نہیں۔ غلبہ یہی ہے کہ گردن کٹتی ہے تو کٹ جائے لیکن حق وصداقت کے پرچم کو سرنگوں نہ ہونے دیا جائے چند لمحوں کی مہمان عارضی زندگی کو راہِ خُدا پر قربان کر کے ابدی حیات کے مالک بننے کا نام ہی غالب آنا ہے۔

غالب وہی ہے! جو ظلم وستم کے ہر وار اپنے سینے پر روکے۔
غالب وہی ہے! جو میدان سے پُشت پھیر کر نہ دوڑے۔
غالب وہی ہے! جو حق وصداقت کے تحفظ کے لئے قلّت وکثرت

کی پرواہ کیے بغیر اپنی جان کی بازی لگا دے۔

غالب وہی ہے! جو صبر و استقامت کا پیکر بن کر باطل کے سامنے ڈٹ جائے۔

غالب وہی ہے! جو ہر مصیبت کو پوری رضا مندی سے قبول کر لے۔

غالب وہی ہے! جو ظلم و جبر کے طوفانوں کے سامنے صبر و شکر کی چٹان بن جائے۔

غالب وہی ہے! جس کا سینہ زخموں سے چھلنی ہو مگر حرف شکایت زبان پر نہ آئے۔ اور انشاءاللہ غالب رہیں گے۔ فتح ہمیشہ حق کی ہوتی ہے۔ ہم جانیں دے کر بھی انشاءاللہ فاتح قرار پائیں گے ہر حالت میں فتح ہماری ہوگی اس لئے کہ ہم حق پر ہیں اور حق ہمارے ساتھ ہے۔

اور پھر آپ نے فرمایا کہ خیموں کے پیچھے خندق کی لکڑیوں کو آگ دے دو۔ تا کہ عقب کے حملہ کی روک ہو جائے گی اور خیموں کی بھی حفاظت ہو جائے گی۔ اِمام عالی مقام کے حکم سے لکڑیوں کو آگ لگا دی گئی۔

یزیدی فوج اور حُسینی لشکر

جنگ بدر ہوئی تو لشکرِ کفّار کی تعداد ایک ہزار اور سپاہِ مصطفیٰ کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ تین گنا فوج سے ٹکرانا بھی بہت بڑی بات ہے۔ لیکن کربلا کے میدان میں شہزادۂ مصطفیٰ کے مقابلہ میں آنے والے شریرانِ اُمت کی تعداد تین سو گُنا زیادہ تھی۔ بہتر کے مقابلہ میں بائیس ہزار ایک کے مقابلہ میں تین سو۔ تاریخِ عالم میں ایک بھی ایسی مثال موجود نہیں کہ فوجوں کی تعداد کی نسبت سے باقاعدہ جنگ لڑی گئی ہو۔ اقبال تعداد کی اس کثرت کا یوں موازنہ کرتے ہیں۔

دشمنان چوں ریگ صحرا لا تُعد
دوستانِ اُو بہ یزداں ہم عدد

یزداں کے عدد بھی بہتر ہیں

بحسابِ ابجد یزداں کے عدد بھی بہتر ہیں اور اِمام عالی مقام کے ساتھیوں کی تعداد بھی بہتر تھی۔ معتبر روایت کے مطابق امام عالی مقام کے جسدِ اطہر پر تیروں اور تلواروں کے بہتر زخم تھے اور ان کی تعداد دل کے زخموں

کے برابر تھی۔ ہر ساتھی کی شہادت کا ایک ایک زخم قلب حُسینؑ کو بھی مجروح کرتا تھا۔ بہتر زخم جوانوں کے ذبح ہونے کے تھے اور تہتر واں زخم ایک معصوم بچہ کی شہادت کا تھا۔ وہ معصوم بچہ جو پانی کے چند قطرے چاہتا تھا مگر اُسے زہر میں بجھا ہوا تیر ملا۔

یزدان کے عدد بہتر ہیں ۔قوتِ یزدان کا ظہور حُسین کی طرف تھا یہی وجہ تھی کہ حق و باطل کا یہ معرکہ باقاعدہ طور پر قائم ہوا۔ ورنہ اتنی کثیر تعداد تو چند لمحوں میں اتنے آدمیوں کو کاٹ کر پھینک سکتی ہے ان حالات میں باقاعدہ جنگ اور مقابلہ تحیر خیز اور حیرت انگیز ہے۔

مؤرخ حیران ہے

مئورخ انگشت بدنداں رہ جاتا ہے اور اس کو یک طرفہ کاروائی میں بھی ابن حیدر کرار نے قوتِ خیبر شکن کا پورا پورا مظاہرہ فرمایا ہے اور کوئی ہوتا تو اِن مایوس کُن حالات میں دم گُھٹ کر مر جاتا مقابلہ کسی اور شخص سے ہوتا تو یزید کی اتنی بڑی فوج اپنا ایک شخص قتل کرائے بغیر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتی۔

مگر اُن کا مقابلہ حُسین سے تھا۔ اس اِمام حُسین سے جس کے سینے میں محمدِ عربی کا نور جلوہ بار تھا جس کی رگوں میں حیدر کرار کا خون گردش کر رہا تھا اور جس کے خون میں فاطمہ کے دودھ کی غیرت اور طہارت رچی ہوئی تھی

کون اِمام حُسین؟

خون سے جس کے بنائے شرع حکم ہو گئی
جس کی قربانی سے تنظیمِ دوعالم ہو گئی

بزم باطل جس کا نعرہ سُن کے برہم ہو گئی
جس کی خونی آستیں ملت کا پرچم ہو گئی

جس کی قربانی سے باطل کا کلیجہ کٹ گیا
سامنے تھا جو ہزاروں کے اکیلا ڈٹ گیا

﴿صائم چشتی﴾

یزیدکے ھمنواوں کی جھوٹی تحقیق

یزید کے ہمنوا ابھی یہیں پر عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔ وہ اپنی نام نہاد تاریخی ریسرچ کے ساتھ ساتھ یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ واقعہء کربلا افسانہ نگاروں کا تخیل ہے

جس میں خواہ مخواہ حُسین کے ساتھیوں کو ہیرو بنا کر پیش کیا گیا حالانکہ سپاہِ شام نے اُنہیں چند ہی لمحوں میں ختم کر دیا تھا۔ مگر یہ محقق صاحبان بھول جاتے ہیں کہ سپاہِ یزید سے ٹکرانے والا فاتح خیبر حیدرِ کرار کا بیٹا حسین

تھا۔

مقام امام حسینؑ

کون اِمام حُسینؑ؟ جس نے تلواروں کی جھنکار کے پسِ پردہ مسکراتی ہوئی اَبدی زندگی کا پردہ اُٹھادیا۔ جس نے عروسۂ شہادت کے حُسن وجمالِ جہاں آرا کو بے نقاب کردیا۔ جس نے موت کے گھونگھٹ میں چھپی ہوئی حیاتِ سرمدی سے پردہ اُٹھادیا جس نے دُنیاوالوں کو ہمیشہ زندہ رہنے کا سلیقہ سکھادیا اور آشکارا کردیا۔

لاکھ اُبھرے پر کبھی باطل اُبھر سکتا نہیں
موت سے بھی زندہ وجاوید مر سکتا نہیں

﴿مغیثؔ فریدی﴾

کون اِمام حُسین؟ جس کا دعویٰ تھا کہ حکومت کی پائداری کا راز روحوں پر حکومت کرنے میں ہے جسموں پر نہیں اور پھر اُس نے اپنے اس عظیم دعویٰ کی دلیل بن کر دنیاوالوں کربلا کے میدان میں دِکھادیا یزید نے حکومت کرنے کے لئے جسموں کا سہارالیا تھا۔

امام کی حکومت قائم رہے گی

یزید مر گیا تو اس کی حکومت بھی مرگئی۔ حُسین ملک روحانیت کے تاجدار تھے۔ آپ کی سلطنت کا دار ومدار مملکت ارواح پر تھا۔ اور پھر آپ کا

جسمِ نازنین کٹ جانے پر بھی اُن کی حکومت مومنوں کے قلوب وارواح پر تابدالاباد قائم ودائم ہے یزید کا خیال تھا کہ میرے ظلم وجبر کی تلوار انسان کامل کا گلا کاٹ دے گی توانسانیت مرجائے گی۔ مگرخونِ حُسینؑ کا پیغام تھا:۔

ظلم سے انسانیت مجروح ہو سکتی نہیں
جسم ہو سکتا ہے فانی روح ہو سکتی نہیں

﴿مغیث فریدی﴾

کون امام حُسینؑ ؟ جو مینارۂ نور اور پیکرِ استقلال ہے۔ مجسمۂ استقامت اور شانِ ربِّ ذوالجلال ہے

کون حُسین ؟ جس کا عشق بھی بے مثال ہے جس کی قربانی بھی بے مثال ہے اور عزم بھی بے مثال۔ جس کی قوت قوت لایزال ہے اور جس کا کارنامہ لافانی ولازوال ہے۔

ہاں اب بھی جو منارۂ عظمت ہے وہ حُسینؑ
اب بھی جو محوِ درسِ شہادت وہ حُسینؑ

جس کی نگاہ مرگ عداوت ہے وہ حُسینؑ
آدم کی جو دلیلِ شرافت ہے وہ حُسینؑ

واحد جو اک نمونہ ہے ذبحِ عظیم کا
اللہ رے اِنتخاب خُدائے حکیم کا

﴿جوشؔ﴾

کون حُسینؑ؟ جو تین دن کا پیاسا ہے مگر ساقیءِ کوثر و تسنیم ہے۔ جو ریگ زارِ کربلا میں ذبح ہو رہا ہے۔ مگر وارثِ خُلدِ نعیم ہے۔ جس کی قربانی تفسیرِ ذبحِ عظیم ہے۔

جو خاک و خون میں لتھڑا ہوا بھی لائقِ تعظیم ہے۔ جس کا احترام احترامِ رسولِ کریم ہے۔ جس کی شان شانِ رؤف الرّحیم ہے۔ جو جنت و کوثر کا قسیم ہے اور کربلا کے طور کا کلیم ہے۔ کون حُسینؑ؟

جس نے سمجھایا کہ شان آمریت کچھ نہیں
قوت حق کے علاوہ اور قوت کچھ نہیں

دل غنی ہے گر تو یہ دولت حکومت کچھ نہیں
ذہن کا اک خوشنما دھوکہ ہے عشرت کچھ نہیں

﴿مغیث﴾

خون ہے جس نے تحریر اس عنوان کو
جان دیکر بھی بچالو غیرت ایمان کو

﴿صائم چشتی﴾

کون حُسینؑ؟ جس کے خون کا ہر قطرہ اعلان کر رہا تھا۔

جان دیتا ہے مسلماں وعدۂ دیدار پر
رقص کرتا ہے مجاہد تیغ کی جھنکار پر

﴿مغیث الدین فریدی﴾

کون حُسینؑ؟ جو معلم انسانیت اور روح انسانیت ہے جو شانِ اِنسانیت اور فخرِ انسانیت ہے۔

کون حُسین؟ جو مرکز ہدایت اور پیمبر عشق ہے

کون حسین؟ جو مزاج شناس قدرت اور راز دارِ مشیت ہے۔

کون حُسین؟ جس کا خمیر خمیرِ نبوت اور جس کا ضمیر ضمیر رسالت ہے۔

جو صاحب مزاج نبوت ہے وہ حسینؑ
جو وارث ضمیر رِسالت ہے وہ حُسینؑ

جو واقف اِشارۂ قُدرت ہے وہ حُسینؑ
جس کا وجود فخرِ مشیّت ہے وہ حُسین

غازہ ہے جس کا خون رُخِ کائنات کا
ہر قطرہ کوہِ نور ہے تاجِ حیاتِ کائنات کا

﴿جوش﴾

کون حُسین ؟ جو شرافت کی جان اور امامت کا نور ہے جس کا نقشِ قدم عاشقوں کا طور ہے۔

کون حُسین ؟ جس کے سر اقدس پر امامت کا تاج ہے۔ زیرِ خنجر جس کی معراج ہے۔ زمانہ جس کا محتاج ہے اور وہ خود لا یحتاج ہے اشکوں کے موتی جس کا خراج ہے۔ روحوں پہ جس کا راج ہے۔ غریبوں کی جس کو لاج ہے۔ جو معرفت کا سرتاج ہے اور امت کا سرتاج ہے۔

کون حُسینؑ ؟ جس کا ضمیر بھی غیور تھا اور قلب بھی غیور تھا جس کی روح بھی غیور تھی اور جسم بھی غیور تھا۔ جس کی نگاہوں میں غیرت کی بجلیاں تھیں۔ جس کے سینے میں غیرت کا بحر بیکنار تھا۔ کون حسین؟

عزت پہ جس نے سر کو فدا کر کے دم لیا
حق کو ابد کا تاج عطا کر کے دم لیا

صدق و منافقت کو جدا کر کے دم لیا
جس نے یزیدیت کو فناء کر کے دم لیا

﴿جوش﴾

ضُو لے کے جس کے خون کے ذرے دمک گئے
ظلمت کا حلقہ توڑ کے ایمان چمک گئے

﴿صائم چشتی﴾

کون حُسینؑ؟ جس نے رُوحِ اسلام کو کفر والحاد کے شکنجے میں جکڑا ہوا دیکھا تو اُسے آزاد کروانے کے لئے حجرۂ بتول سے کربلا میں آ گیا۔

کون حُسینؑ؟ جو روزانہ تین ہزار نوافل ادا کرتا تھا۔ مگر جب اس نے دیکھا کہ حجرہ کے بجائے تپتے ہوئے میدان میں سجدہ ریزی کا وقت آ گیا ہے تو وہ مدینہ کی بہاروں کو چھوڑ کر دشت نینوا میں آ گیا۔

کون حُسینؑ؟ جس نے معبودِ برحق کے حضور میں شب و روز سجدے کیے اور اب اُن لاکھوں سجدوں کا حاصل وہ سجدہ کرنے کے لئے بے قرار ہو گیا جو تلوار کے نیچے گردن رکھ کر ہی ادا ہو سکتا تھا۔

سجدہ عشق و محبت

ہاں ہاں وہی سجدۂ عشق و محبت جس میں کیفِ دبدا بھ ہے اور لذّتِ وصال بھی وہی سجدۂ شوق جس سے لذت اندوز ہونے کے لئے گرمیوں کی آگ برساتی ہوئی دوپہر میں بجائے آبِ خنک کے آبِ تیغ سے گردن پر مسح کرنا پڑتا ہے

اور بجائے ٹھنڈے پانی کے اپنے ہی خون میں لتھڑی ہوئی گرم گرم ریت سے تیمّم کرنا پڑتا ہے۔

سر کٹا کے سجدہ میں کی شرح والسجد واقترب
کتنی ارفع ہے جناب ابن حیدر کی نماز

کون حسینؑ ؟ جس کے بھائی عباس علمدار کے کٹے ہوئے بازو پتوار بن کرامت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو کنارے پر لے آئے۔

کون حُسینؑ ؟ جو کل بھی زندہ تھا، آج بھی زندہ ہے اور قیامت تک زندہ رہے گا۔

کون حُسینؑ ؟ جس کے سامنے دشمنوں کے ہزاروں سپاہی صفیں باندھے کھڑے ہیں۔لیکن وہ بغیر کسی اضطراب واضطرار کے اپنے چند ساتھیوں کی صفیں آراستہ کر چکا ہے اور خیموں کے پیچھے کھودی ہوئی خندق میں لکڑیوں کو آگ دے چکا ہے۔

جہنمی جہنم میں

آگ کے شعلے بلند ہوئے تو یزیدی فوج سے ایک لعنتی مالک بن عروہ آگے بڑھا اور بلند آواز سے پکارا حسین! تمہیں آخرت میں تو جہنم میں جانا ہی تھا اس دنیا میں ہی اپنے لئے جہنم تیار کرلیا ہے ﴿معاذ اللہ﴾

امام عالی مقام نے فرمایا! کذبت یا عدو اللہ او دشمن خدا تو جھوٹ بولتا ہے۔ ظالم تو یہ گمان کرتا ہے! کہ حسین دوزخ میں جائے گا اور تو بہشت میں ابھی آپ نے یہی جملہ کہا تھا کہ آپ کے ساتھیوں میں سے حضرت مسلم بن عوسجہ نے تلوار کھینچ لی اور اس شقی اور بد بخت کی طرف جانے لگے۔ آپ نے فرمایا مسلم! رک جاؤ۔ میں نواسۂ رسول ہوں، میں حیدر کرار کا بیٹا ہوں، میں اپنی طرف سے جنگ کی پہل نہیں کروں گا۔

اور پھر امام عالی مقام علیہ السلام نے قبلہ کی طرف رخ فرما کر بارگاہ خداوندی میں عرض کیا۔

اللھم اخذہ الی النار [1]

یا اللہ مالک بن عروہ کو آگ کی طرف کھینچ لے۔ امام عالی مقام کے یہ الفاظ تھے یا قہر وغضب کی بجلیاں جو ایک دم مالک بن عروہ پر ٹوٹ پڑیں

دعوۃ المظلوم اجابہ دعائے مظلوم تھی فوراً باب اجابت سے ٹکرائی۔

مالک بن عروہ کا گھوڑا اڑ کر بھاگ اٹھا وہ اپنے دھیان میں اوپر بیٹھا تھا لگام پر ہاتھ مضبوط تھے۔ گرنے لگا تو زین کو مضبوطی سے پکڑ کر اوپر لیٹ گیا گھوڑا ادھر ادھر میدان میں بھاگتا رہا اس نے چاہا کہ چھلانگ لگا دوں لیکن پاؤں رکاب میں الجھ گیا۔ ہمت سے کام لیکر پاؤں نکالنے کی کوشش کی تو اس وقت اسی آگ تک پہنچ چکا تھا۔ جو خیموں کے پیچھے امام نے جلا رکھی تھی۔ اب کیا تھا بے سدھ تو ہو ہی چکا تھا آگ میں گرا اور واصل جہنم ہو گیا گھوڑا بھاگتا ہوا پھر واپس ہو گیا۔

اس لعین کا یہ حشر دیکھا تو امام عالی مقام نے سجدۂ شکر ادا کیا اور پھر بلند آواز میں فرمایا یا اللہ ہم تیرے رسول کی اہل بیت او '''اد ہیں ہماری ظالموں کے مقابلہ میں دادرسی فرما یزیدی فوج کے ہراول دستہ نے بھی آپ کی گفتگو سنی ابن اشعث یزیدی نے کہا حسین ﴿علیہ السلام﴾ تمہیں رسول خدا سے کیا نسبت ہے بو ‌ ر وقت اولاد رسول ہونے کی لاف زنی کرتے ہو۔

امام عالی مقام نے فرمایا یا اللہ! کیا میں تیرے رسول کا نواسہ نہیں ہوں؟ یہ شریر تیرے محبوب سے میرا نسب منقطع کرتا ہے اسے ذلیل وخوار فرما چشم زدن میں التجائے حسین علیہ السلام بارگاہ خداوندی میں پہنچ گئی ابن اشعث کو پیشاب کی حاجت ہوئی گھوڑے سے چھلانگ لگا کر رفع حاجت کو گیا تو سیاہ بچھو نے ایسے مقام پر نیش زنی کی کہ اگر زندہ بھی رہتا تو اس کا سلسلہ نسل منقطع ہو جاتا مگر وہ اس زہر کی تاب نہ لا کر فوراً ہی واصل جہنم ہو گیا۔

خطبۂ امام ،اتمام حجت

امام عالی مقام علیہ السلام نے یزیدی لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ میرے مقابلے میں آنے والو۔ جان لو!

ان ابن علی المطاہر من آل ہاشم
کفانی بھذا مفخر حین وافخر

اے اہل عراق ہم تمہیں قسم دیتے ہیں اگر ہم سچ کہیں تو سچ کہہ دینا اور اگر جھوٹ ہو تو جھوٹ کہہ دینا۔ سنو! اچھی طرح کان کھول کر سن لو پھر نہ کہنا کہ ہمیں احساس نہ دلایا گیا۔

میں اس رسول کا نواسہ ہوں جس کا تم کلمہ پڑھتے ہو مجھ کو اس مقدس رسول نے اپنا بیٹا کہا ہے۔

جس کی امت ہونے کے تم دعوے دار ہو میں اس ماں کا بیٹا ہوں جس کو رسول خدا نے اپنا ٹکڑا کہا ہے۔

اور سیدۃ النسا العالمین فرمایا ہے۔

میرے باپ کا نام حیدر کرار ہے۔

وہی حیدر کرار جس کو تم اپنا روحانی پیشوا مانتے ہو۔

جس کے ہاتھوں پر تم نے بیعت کر رکھی ہے۔

ہاں ہاں !وہی حیدر کرار! جس کو رسول اللہ نے اپنی جان کہا ہے۔

جس کے خون کو اپنا خون اور جس کے گوشت کو اپنا گوشت کہا ہے۔

میری رگوں میں اسی حیدر کرار کا خون ہے۔

اور میں حسین ہوں، جس کو رسول خدا نے اپنی خوشبو فرمایا ہے۔

اپنے گلشن کی بہار کہا ہے۔

نوجوانان جنت کا سردار کہا ہے۔

اور پھر یہ بھی فرمایا ہے کہ حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔

اور ہاں! میں وہ ہی حسین ہوں جس کو تم نے سینکڑوں خطوط لکھ کر بلوایا ہے۔ پھر آپ نے نام لے کر مخاطب فرمایا کہاں ہے ابن صرد، کہاں ہے مختار ثقفی، کہاں ہے رعاء بن شداد، کہاں ہے عارب رقار، کہاں ہے شیث ربعی، کدھر ہے عمرو بن سعد، کہاں ہے عمرو بن الحجاج، کہاں ہے عبدالرحمن بن مخف، کہاں ہے مسیّب فرازی، کہاں ہے طارق اعمش اور کہاں ہے فلاں ابن فلاں اور فلاں ابن فلاں۔

آؤ اور مجھے سامنے آ کر جواب دو کہ میں نے سچ کہا ہے یا جھوٹ؟ اگر سچ کہا ہے تو پھر بتاؤ کہ تم بدل کیوں گئے! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میرے سر پہ امام الانبیاء کی دستار ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ میری گردن میں حیدر کرار کی تلوار حمائل ہے! کچھ تو جواب دو تمہاری زبانیں کیوں گنگ ہو گئیں۔

ظالمو! تم نے تو اپنے خطوط میں مجھے اپنا امام تسلیم کر لیا تھا تم اب اندھے کیوں ہو گئے ہو۔ کوفیوں کے سر شرم و ندامت سے جھک گئے، یہ ندامت نہیں ڈھٹائی اور بے حیائی تھی۔ ایک آواز آئی حسین تم جھوٹے ہو،

فرمایا!

لعنت اللہ علی الکاذبین۔

کسی نے کہا حسین اپنی بات ختم کرو کیوں مغز چاٹ رہے ہو۔

آپ نے فرمایا الحمدللہ! حسین نے اتمام حجت کا حق ادا کر دیا۔

آپ جانتے تھے

امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ ایک گروہ پیدا ہو گا جو کوفیوں کو بری الذمہ قرار دینے کی کوشش کرے گا یہ اتمام حجت اس لئے تھا کہ آئندہ نسلیں تاریخ کو مسخ نہ کر سکیں۔

حق و باطل کی جنگ

شروع ہو جاتی ہے

آپ نے خطبہ ختم کیا تو عمرو بن سعد آگے بڑھا اور کہنے لگا۔

حسین! ان خطبوں اور بے فائدہ یاد ہانیوں کو چھوڑ و کام کی بات کرو یا تو یزید کی بیعت اور ابن زیاد کی اطاعت کو اور یا پھر جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ تا کہ میں تمہیں قتل کر کے اپنا انعام حاصل کر سکوں۔

پھر ابن سعد نے اپنی فوج کو مخاطب کر کے کہا کہ تم ابن زیاد امیر کے سامنے گواہی دو گے کہ حسین کی طرف پہلا تیر چلانے والا ابن سعد تھا۔

اور پھر اس نے تیر کمان میں رکھا اور شہزادہ رسول کی طرف چلا دیا۔ تیر خطا گیا۔

امام عالی مقام نے تلوار کھینچ لی اور فرمایا کہ یہود و نصاریٰ پر خدا کا غضب ہو کہ انہوں نے عزیر علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کے بیٹے مان لیا اور اپنے پیغمبروں کی شان میں غلو کی حدوں سے بھی بڑھ گئے مگر افسوس ہے کہ تم اس قدر پستی کی طرف آ گئے کہ اپنے پیغمبر کے بیٹے کو ذبح کر دینا چاہتے ہو۔

کربلائے معلیٰ میں امام عالی مقام کی طرف پہلا تیر چلانے والا

ابن سعد تھا۔

سعید باپ کا شقی بیٹا، جنتی باپ کا جہنمی بیٹا،

پہلا پہلا تیر

اسے اتفاق کی بات کہہ لیجئے یا اسرار الہیہ کا نام دے لیں اس کے باپ کا نام سعد بن ابی وقاص ہے جنگ احد میں کفار کی طرف پہلا تیر انہی نے چلایا تھا کون سعد ابن وقاص! جس کی کمان میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پکڑائے ہوئے تیر چلتے تھے، سعد کے ہاتھ میں کمان تھی۔

امام الانبیاء کے ہاتھ میں تیر تھے آپ تیر پکڑا کر فرماتے کہ سعد تجھ پر میرے ماں باپ قربان! کفار پر تیر چلاؤ۔

پھر تیر کیسے خطا ہوتے، سعد رسول اللہ کے سامنے ڈھال بن کر کھڑے تھے دشمنوں کی طرف سے رسول اکرم پر برسائے جانے والے تیروں کو اپنے سینے کی ڈھال پر روکتے وہ مقدس کمان جس میں رسول اکرم کے پکڑائے ہوئے تیر چلتے تھے آج بھی مدینہ منورہ میں عشاق کی زیارت کے لئے موجود ہے۔ زائرین دیکھتے ہیں اور اپنے قلوب کو منور کرتے ہیں سعد ابی وقاص کی عظیم یادگار کے ساتھ ساتھ مدینہ منورہ کی دو اور بھی عظیم یادگاریں رکھی ہوئی ہیں۔

ایک قرآن مجید جو حیدر قرار کے ہاتھوں کا لکھا ہوا ہے اور ایک لکڑی

کا ہوڑا ہے جناب سیدہ فاطمۃ الزہرہ کے دروازے کا۔

یہ تینوں چیزیں ایک ہی مقام پر کیوں جمع ہیں؟ یہ اہل وجدان ومحبت ہی خوب جانتے ہیں۔ یہ ایک نکتہ تھا جو ہم نے پیش کر دیا۔

یہ ایک لطیف اشارہ ہے جسے سمجھنے والے سمجھ جائیں گے۔

کربلا میں دیکھیں

اب کربلا میں آئیں ادھر سعد بن ابی وقاص کا بیٹا عمرو بن سعد ہے اس نے بھی پہلا تیر چلایا ہے مگر نواسۂ رسول پر۔ باپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آنے والے تیروں کو اپنے سینے پر روکا اور بیٹے نے اپنا تیر جانِ رسول پر چلایا۔

یہ قدرت کی تقسیم ہے۔

فطرت کے اسرار ورموز ہیں۔

مشیت کی نیرنگیاں ہیں جنہیں سمجھ لینا نہائت مشکل ہے۔

حُر حسین کے قدموں میں

امام عالی مقام نے خطبہ ختم فرمایا تو حُر کی آنکھوں میں پڑے ہوئے غفلت کے پردے اُتر گئے دل کی دنیا میں آ گیا حقیقت بے نقاب ہوگئی۔ نواسۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر جملہ دل کی گہرائیوں میں اتر چلا گیا اور ضمیر جاگ اٹھا۔ حُر گھوڑے پر بیٹھا ہوا بار بار پہلو بدلنے لگا حُر کے ساتھیوں نے یہ حالت دیکھی تو اس کے بھائی مصعب بن رباحی نے کہا بھائی جان آپ اتنے خوفزدہ کیوں ہیں آپ کی شجاعت اور بہادری پر تو بڑے بڑے جنگجو رشک کرتے ہیں آپ کی تلوار کا پورے عراق اور شام میں شہرہ ہے اور آپ کی سپہ گری کا بڑے بڑے بہادر لوہا مانتے ہیں پھر اضطراب کیسا اور یہ اضطراب کیفیت کیوں ہے؟

کیا آپ موت سے ڈر گئے ہیں؟

حر نے کہا نہیں! میں موت سے نہیں ڈرتا میں جہنم کے ان شعلوں سے ڈرتا ہوں جس کی لپیٹ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے کے دشمن آنے والے ہیں پھر اس مرد حق پرست نے گھوڑے کو تازیانہ لگا دیا جب عمر بن سعد کے قریب سے گذار تو کہا۔

ابن سعد! خدا کا خوف کرو اور جہنم کی اس آگ سے ڈرو جو تمہیں قتل حُسین علیہ السّلام کی طرف جا رہا ہوں جنت کی خواہش ہے تو میرے سا

تھ آ جاؤ۔ لیکن ابن سعد کب یہ بات مانتا ہے اسے تو رے کی حکومت حاصل کرنا تھی یہ مختصر پیغام دینے کے بعد حُر گھوڑا دوڑتا ہو چشم زدن میں امام ع الی مقام کے سامنے تھا گھوڑے سے چھلانگ لگائی اور امام کے قدموں میں گر پڑا۔

شہزادہ رسول نے پوچھا آ رکیوں آئے ہو؟

عرض کیا آقا آپ ہی نے تو بلایا ہے۔

پوچھا کیا چاہتے ہو؟ عرض کیا اپنے جرم و گناہ کی معافی یا امام الوقت میں نے بڑا جرم کیا ہے شہزادہ کونین میں گنہگار ہوں آپ پر یہ سم مصیبت میری ہی وجہ سے آئی ہے۔

حضور! میں بہت بڑا خطا کار ہوں میں نے آپ کے قافلے کو روکا تھا آپ کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کیا تھا۔

اے جگر گوشۂ بتول! میں نہیں جانتا تھا کہ یہ لوگ اس قدر سنگدل ہو جائیں گے مجھے یقین تھا کہ یقیناً کوئی پر امن حل تلاش کر لیا جائے گا اے ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میری توبہ قبول کی جائے میرے گنا ہوں کی معافی دی جائے میری خطاؤں سے چشم پوشی فرمائی جائے میرے گنا ہوں کو بخش دیا جائے میرا قصور معاف کر دیا جائے آپ کریم ابن کریم ہیں مجھ پر کرم فرمایا جائے نواسۂ رحمۃ اللعالمین نے فرمایا حُر! ہم تمہیں سب کچھ معاف کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ تیرے دوسرے گناہوں سے بھی

درگذر فرمائے تو نے تو ہمیں موقعہ دیا تھا کہ ہم تمہارے لشکر کی زد سے نکل جائیں اور یہ تیری خطا کا کفارہ تھا مگر ہمیں تو ہر حالت میں اسی مقام پر آنا تھا اور تمہیں بھی یزیدیوں کر آہی جانا تھا۔

حُر! ہم نے تمہیں خاص نگاہوں سے دیکھا تھا اللہ تعالیٰ تمہیں اجر عظیم عطا فرمائے انسان جب سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو خدائے رحیم وکریم اس کی توبہ قبول فرماتے ہیں۔

وھو الذی یقبل التوبة عن عبادہ ویعفوا

شبّیر کے سپاھی

اب جنگ باقاعدہ شروع ہو چکی ہے یزیدی فوج سے تیروں کی بارش ہو رہی ہے۔ امام مظلوم کے ساتھی ڈھالیں بن کر آپ کو گھیرے میں لئے ہوئے ہیں۔

قوم اشقیا سے ابن زیاد کے دو غلام یسار اور سالم میدان میں آتے ہیں امام کی طرف سے عبداللہ بن عمیر نکلے۔ ابن زیاد کے دو غلاموں نے کہا ہم نہیں جانتے کہ تم کون ہو۔ واپس جاؤ اور ہمارے مقابلے میں زہیر بن قین یا حبیب ابن مظاہر کو بھیجو۔

عبداللہ بن عمیر غضبناک ہو گئے۔ غصہ نے یسار کو مخاطب کیا۔ او بدکار عورت کے بیٹے تم مجھے نہیں جانتے؟ تو میرے ساتھ لڑنا اپنی توہین سمجھتا ہے۔ میں شبیر کا سپاہی ہوں۔ پہلے مجھ سے لڑ لو پھر بڑے بڑے بہادروں کو بھی بلا لینا یہ کہا اور تلوار چلا دی تلوار بجلی کی طرح چمکی اور اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی اس کا کام تمام کر دیا۔

سالم نے ساتھی کا حشر دیکھا تو نیزہ تان کر وار کر دیا۔ عبداللہ نے ڈھال پر روکا دونوں طرف سے وار ہوتے رہے آخر سالم بھی واصل جہنم ہو گیا یزیدی لشکر کا پورا دستہ پہنچ گیا۔ شبیر کا اکیلا سپاہی تیغ وسناں کے جوہر دکھا رہا ہے عبداللہ کی بیوی امّ وہب بھی ساتھ تھی شوہر کو گھرے ہوئے دیکھا تو بے

قرار ہوگئی لکڑی کی لاٹھی اٹھائی اور میدان کی طرف دوڑی۔ عبداللہ نے لڑتے لڑتے اسے دیکھا تو زور سے چلاّئے۔ امّ وہب واپس چلی جاؤ یہ عورتوں کی لڑائی نہیں ہے۔ لیکن وہ نہ رکی۔ امام عالی مقام نے آواز دی امّ وہب رُک جاؤ۔ امّ وہب رُک گئی آپ نے فرمایا اللہ تجھ پر رحمت کرے جہاد عورتوں پر فرض نہیں ہے واپس پلٹ جاؤ۔

عبداللہ دشمنوں میں پوری طرح گھر چکا تھا۔ تلواروں کی باڑھ آرہی تھی۔ اور یوں ریگزار کربلا کا پہلا شہید داد شجاعت دیتے ہوئے جام شہادت نوش کر گیا۔

انّا للہ وانّا الیہ راجعون

حسینی نیزے

عبداللہ بن عمیر کو شہید کر دینے کے بعد عمرو بن سعد کے بائیں بازو کے چند دستے حملہ آور ہوئے تو امام حسین علیہ السلام کے ساتھی زمین پر گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہوگئے اور نیزے اٹھا دیئے۔

نیزوں کی انیاں سیدھی دشمن کے گھوڑوں کی گردنوں تک پہنچ جاتی تھیں کئی ایک گھوڑے زخمی ہو گئے اور فوج اشقیا آگے بڑھنے کے بجائے واپس لوٹ گئی اور پھر ایک کا مقابلہ ایک سے شروع ہوگیا۔

امام عالی مقام کا ایک ایک سپاہی اجازت طلب کر کے میدان میں

جا رہا ہے اور اپنی شجاعت کے جوہر دکھا رہا ہے۔

جابری لڑکے

جابری خاندان کے دو نوجوان امام عالی مقام کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ امام عالی مقام نے فرمایا ! ابن اخی کیوں روتے ہو۔ ابھی چند لمحوں بعد تم بھی چشمۂ کوثر پر پہنچ جاؤ گے۔ انہوں نے روتے ہوئے ہی جواب دیا یا امام ہم اپنے لئے نہیں روتے ہمیں تو آپ کی مصیبت پر رونا آتا ہے۔

ہمیں تو اس بات پر رونا آتا ہے کہ دشمن نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ مگر ہم آپ کے کسی کام نہیں آسکتے کاش ہماری ہزاروں جانیں ہوتیں اور ہم بار بار آپ پر قربان ہوتے رہتے اسطرح شائدان خون خواروں کا کلیجہ ٹھنڈا ہو جاتا اور آپ بچ جاتے۔

امام عالی مقام نے فرمایا ! میرے بیٹو اللہ تعالیٰ تمہیں اس نیک جذبے کی جزا عطا فرمائے ہم سب ایک ہی مقام پر جمع ہونے والے ہیں اور یہ مشیت الٰہیہ ہے جس کو ہر حالت میں تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے پھر انہوں نے میدان میں جانے کی اجازت مانگی امام عالی مقام نے خدا حافظ فرما کر اجازت فرمادی۔

دونوں نوجوان میدان میں آئے ایک ایک کو بلاتے رہے اور قتل

کرتے رہے۔دشمن نے بہادروں کی تلوار کے جوہر دیکھے تو پورا دستہ بھیج کر گھیرے میں لے لیا حسینی سپاہیوں نے پوری جواں مردی سے سپاہیوں کے پورے دستے سے مقابلہ کیا وہ دشمنوں کا مقابلہ بھی کر رہے تھے اور بلند آواز سے اسلام علیکم یا ابن رسول اللہ بھی پکارتے جا رہے تھے۔بالآخر جسموں پر تیروں اور تلواروں کے کئی زخم کھانے کے بعد جام شہادت نوش کر گئے۔

انّا للہ وانّا الیہ راجعون ،

حضرت حنظلہ کی شہادت

ان کے بعد حضرت حنظلہ ابن اسعد امام عالی مقام سے اجازت طلب کر کے میدان جنگ میں آ گئے۔میدان جنگ میں گھوڑا پھیرتے ہوئے قوم اشقیا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، میں ڈرتا ہوں کہ تم پر قوم عاد وثمود کی طرح عذاب نہ مسلط کیا جائے ابھی ابن رسول کے چند ساتھیوں کی جانیں راہ خدا پر قربان ہوئی ہیں ابھی ابن رسول اور آپ کا خاندان محفوظ ہے اور ابھی وقت ہے کہ تم خود کو عذاب الٰہی سے بچا لو یاد رکھنا حسینؑ کو قتل کر کے تم چین کی زندگی بسر نہیں کر سکو گے۔

جناب حنظلہ ابھی گفتگو کر ہی رہے تھے کہ ان کے گرد کئی تیر سنسناتے ہوئے آ کر گرے اور ساتھ ہی آواز آئی کہ تقریر ختم کرو۔

اس کے بعد مقابلہ شروع ہو گیا۔ شبیر کا سپاہی بڑی جوانمردی سے لڑتا رہا۔ اور دشمنوں کو واصل جہنم کرتا رہا۔ اور پھر کئی دشمنوں کو قتل کر کے شہید ہو گیا۔

انّا للہ وانّا الیہ راجعون

اور سخت حملہ

لشکر یزید جلد از جلد اس جنگ کو ختم کر دینا چاہتا تھا۔ اس لئے وہ لوگ بڑھ بڑھ کر شدید حملے کر رہے تھے۔ ان کے لئے یہ خیال بھی پریشانی کا باعث بنا ہوا تھا کہ ہماری تعداد اس قدر زیادہ ہونے کے باوجود ان چند لوگوں پر فتح یاب کیوں نہیں ہو رہی۔ اب انہوں نے پھر چاروں سمت سے زبردست حملہ کیا تھا۔ امام عالی مقام کے ساتھیوں نے اب گھوڑے چھوڑ دیئے اور پیدل ہو گئے۔ انتہائی زبردست معرکہ تھا۔

امام عالی مقام کے کئی ساتھی اس حملے میں کام آ چکے تھے۔ تاہم یزیدیوں کا حملہ پسپا کر دیا گیا تھا۔ اس معرکہ میں جناب حبیب بن مظاہر، عمرو بن خالد، سعد مولیٰ و جبار بن حارث و مجمع بن عبید اللہ کو جام شہادت نوش کرنا پڑا۔

اب جنگ انتہائی شدید دور میں داخل ہو چکی ہے۔ امام عالی مقام کے بیشتر ساتھی جام شہادت نوش کر چکے ہیں جنمیں پسران عقیل اور حضرت

مسلم کے دو صاحبزادے بھی شامل ہیں۔ دو پہر بھی قریب آتی جا رہی ہے اور جنگ بھی شدید ہوتی جا رہی ہے۔

مسلم بن عوشجہ کی شہادت

جنگ پورے زور و شور سے جاری ہے دونوں دونوں جانب سے ایک ایک دو دو جوان میدان میں آتے ہیں اور تلوار کے جوہر دکھاتے ہیں مگر شبّیر علیہ السلام کے بہادروں کا رنگِ جواں مردی کچھ اور ہی ہے۔ ان میں سے جو بھی جاتا ہے وہ کئی کئی یزیدیوں کو واصل جہنم کرنے کے بعد اس وقت شہید ہوتا ہے جب اسے فوج کے کئی دستے چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں ،بصورت دیگر اکیلے کے سامنے جو بھی آتا وہ ضرور قتل ہو جاتا۔

یزیدی سپہ سالار کی بے چینی

یزیدی فوج کے دائیں بازو کے سپہ سالار عمرو بن الحجاج نے یزیدیوں کو زیادہ قتل ہوتے دیکھا تو زور زور سے چلّانے لگا۔ احمقو! پہلے یہ تو اندازہ کر لو کہ تم کن لوگوں سے لڑ رہے ہو۔ یہ ابن حیدر کے ساتھی اور جان پر کھیلے ہوئے لوگ ہیں ۔ایک ایک کر کے ان سے مقابلہ کرتے رہو گے تو سب کے سب قتل ہو جاؤ گے۔

ایک کے مقابلہ میں ایک مت جاؤ اور اکٹھے ہو کر بھر پور حملہ کر دو۔ یہ مٹھی بھر افراد ہیں تم تو ان کو پتھروں سے بھی مار سکتے ہو۔ عمرو بن سعد نے

بھی اس کی رائے کو پسند کیا اور مبارزت طلب کرنے سے فوج کو روک دیا اور اجتماعی حملے کا حکم دے دیا۔

مسلم بن عوشجہ کی شہادت

دشمن نے اگرچہ پوری قوت سے حملہ کیا تھا،مگر حسینیؑ جوانوں نے بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ یزیدیوں کے چھکے چھوٹ گئے حسین علیہ السلام کے گنتی کے چند سپاہی سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح چٹان بن کر سامنے کھڑے تھے اور بھرپور حملہ کر دینے کے باوجود لشکرِ یزید کو پیچھے ہٹ جانا پڑا۔ دشمن کی کی فوج پیچھے ہٹی تو ان کے مقتولین کے ساتھ ایک حسینی جوان اور نامور بہادر حضرت مسلم بن عوشجہ بھی خاک وخون میں تڑپ رہے تھے شبیرّ علیہ السلام ان کے پاس پہنچے۔ چند سانس ابھی باقی تھے، آپ نے پُرحسرت نگاہوں سے دیکھا اور ٹھنڈی آہ بھر کر فرمایا!

میرے رفیق و ہمدم اللہ تجھ پر انوار رحمت کی بارش کرے اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔

منهم من قضیٰ نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلاً

زھیر بن قین

اب دشمن کا بایاں بازو حرکت میں آیا۔ دشمنوں کا مقابلہ اب زہیر بن قین

سے تھا۔ وہ اس سمت کے سپہ سالار تھے آپ کے ساتھیوں نے پوری جوانمردی سے یزیدیوں کے دباؤ کو روکا اور بڑھ بڑھ کر حملے شروع کر دیے اور جناب زہیر بن قین اپنا گھوڑا صف سے آگے بڑھا لائے۔ دوسری طرف عمرو ابن سعد اپنے جوانوں کو اشتعال دلا رہا تھا۔

زھیر کی ابن سعد سے گفتگو

زہیر نے اسے مخاطب کر کے فرمایا۔ اے سعید باپ کے شقی بیٹے اب بھی باز آجا اور امام مظلوم سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ جہنم کی آگ تجھے اپنی لپیٹ میں لینے کے لئے بڑھ رہی ہے۔

عمرو بن سعد نے کہا زہیر تم ایک بہادر آدمی ہو میں تمہاری قدر کرتا ہوں اس لئے میرا کہنا مانو اور مجھے مشورہ دینے کے بجائے اپنے لئے صحیح راستے کا انتخاب کرو۔ تم نے کئی ساتھیوں کا حشر دیکھ لیا ہے اب چند لمحوں بعد تمہارا یہ گرم اور جوان جسم بھی ٹھنڈی لاش بن چکا ہوگا۔

میرا کہا مانو اور میرے ساتھ آجاؤ زہیر نے کہا تو پاگل ہو گیا ہے حکومت کے لالچ نے تمہیں اندھا کر دیا ہے ابھی آپ کی گفتگو یہاں تک پہنچی تھی کہ یزیدی لشکر کی طرف سے ایک تیر آیا اور آپ کے جسم کو چھوتا ہوا اس سے گذر گیا۔ اور پھر برابر تیر برسنے لگے۔ زہیر ڈھال سے تیروں کو روکتے ہوئے اور ان کی زد سے بچتے ہوئے آگے بڑھتے رہے اور قریب جا کر اس

قدر زور سے حملہ کیا جیسے بھوکا باز شکار پر جھپٹتا ہے اور پھر متعدد دشمنوں کو فی النار کرنے کے بعد داخل بہشت ہو گئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

دوجوان

عبداللہ و عبد الرحمٰن بنو غفار کے دو جوان امام عالی مقام سے اجازت طلب کر کے میدان کارزار میں آ گئے۔ نعرۂ تکبیر بلند کیا اور دشمنوں کو تلوار کی باڑھ پر رکھ لیا۔ جس طرف جاتے صفیں درہم برہم ہو جاتیں دشمنوں کی طرف سے تیر آیا اور ایک کی پشت میں پیوست ہو گیا۔ دوسرے نے گھوڑا بڑھا کر تیر کا پھل کھینچ کر پھینک دیا اور پھر جنگ میں مصروف ہو گئے اور پھر بڑی جوانمردی اور بہادری سے لڑتے لڑتے راہئ فردوس بریں ہو گئے۔ ا

انّا للہ و انّا الیہ راجعون

دو پروانے :۔

جناب سیف بن حارث اور مالک بن عبد یہ دونوں بھائی ماں کی طرف سے سگے بھائی تھے یہ دونوں امام عالی مقام سے جنگ کی اجازت لے کر میدان کارزار میں نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے ۔۔۔ پہنچے اور نہایت شجاعت و بہادری سے لڑتے ہوئے شمع شبستان مصطفٰے پر نثار ہو گئے۔

حُر میدانِ جنگ میں

بعد ازاں امام عالی مقام کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر حضرت حُر نے عرض کی یا امام! مجھے اجازت فرمائی جائے تا کہ میں آپ کے فدایوں میں نام لکھوا سکوں اور ان سعادتوں میں شرکت نصیب ہو جو ہمیں ملنے والی ہیں۔

امام عالی مقام نے حُر کو سینے سے لگایا اور اذنِ جہاد دے دیا۔ حُر نے شہزادۂ رسولؐ کی یہ شفقت و محبت دیکھی تو آنکھوں میں تشکّر و امتنان کے آنسو آ گئے۔ امام کے قدموں کو بوسہ دیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں آ گئے ، ابن سعد نے صفوان کو بھیجا کہ دیرینہ تعلقات کی بنا پر پہلے حُر کو رام کرنے کی کوشش کرو بصورتِ دیگر اُس کی گردن اُڑا دو۔

مقابلہ

صفوان بن حنظلہ میدان میں آ گیا۔ یہ بھی مانا ہوا شہ زور تھا۔ حضرت حُر کے مقابل پہنچ کر کہنے لگا۔ حُر تم حسینؑ کا ساتھ دے کر کیوں جان ضائع کر رہے ہو تم ایک بہادر سپاہی ہو جوان ہو، شہ زور ہو، ذرا غور کرو تمہارے بعد تمہاری بیوی کا کیا حال ہو گا تمہارے بچے یتیم ہو جائیں گے حسینؑ کا خطبہ سن کر تم جذبات کی رو میں بہک گئے ہو۔ جذبات پر قابو پانے

کی کوشش کرو آنے والے حالات پر غور کرو، حکومت تمہاری بغاوت کا غصہ تمہارے بیوی بچوں پر اتارے گی،

تم ایک اچھے ساتھی ہو اس لئے یہ مشورہ دیا گیا ہے میری بات مان لو اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے، آؤ واپس چلیں، حسینؑ کا ساتھ دینے میں موت کے سوائے موت کے رکھا ہی کیا ہے جب کہ یزید کی طرف سے بھاری انعام حاصل کریں گے۔

حضرت حُر نے فرمایا صفوان! تو سمجھدار آدمی ہے اور باوجود عقلمند ہونے کے تو نے نادانوں جیسی گفتگو کی ہے تم مجھے یزید کا ساتھ دینے کی رغبت دلاتے ہو حالانکہ وہ فاسق و فاجر اور ذلیل و ناپاک ہے۔ اور امام حسینؑ کا ساتھ چھوڑنے کا مشورہ دیتے ہو۔

حلانکہ وہ طیّب و طاہر اور پاکیزہ ہیں اور طیّب و طاہر اور پاکیزہ والدین کے بیٹے ہیں کیا تو نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آیت تطہیر میں شامل فرمایا ہے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول خدا نے حسنین کریمینکو اپنے باغ کی خوشبو فرمایا ہے کیا تم حسینؑ کے تقویٰ و طہارت اور علم فضل کی مثال پیش کر سکتے ہو۔

صفوان نے کہا میں یہ سب کچھ جانتا ہوں مگر مال و دولت اور حکومت کے عہدے تو یزید ہی سے مل سکتے ہیں۔ حسینؑ کا تقویٰ و طہارت اور علم و فضل ہمارے کس کام آ سکتا ہے۔

حُر نے فرمایا صفوان! تمہیں دولت کے حصول کے نشہ نے بدمست کر دیا ہے تمہیں جلبِ زر اور ہوس ولالچ نے اندھا اور بہرہ کر دیا ہے تم عقلمند ہوتے ہوئے بھی بے وقوف اور جاہل ہو گئے ہو۔

حُر کا کلمۂ حق سنا تو صفوان غضبناک ہو گیا آگ بگولہ ہو کر نیزے کا وار کر دیا حضرت حُر نے بھی نیزہ تان لیا پہلا وار اس کے نیزے پر کیا تو اس کا نیزہ ٹوٹ گیا دوسرا وار سینے پر کیا تو نیزہ پشت کے پار تھا۔

حُر نے اس کے سینے سے پوری قوت سے نیزہ کھینچا اور تیسرا وار کرنا چاہا لیکن وہ بے روح ہو کر گھوڑے سے گر کر واصل جہنم ہو گیا یزیدی عہدوں اور جاہ حشم کا بھوکا یہ سب کچھ حاصل کرنے سے پہلے ہی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا۔

امام عالی مقام نے دور سے یہ منظر دیکھا تو حر کو تحسین و آفرین کہا عمر وسعد نے اپنے بہادر کو اوندھے منہ گرے ہوئے دیکھا تو پریشان ہو گیا صفوان کے تین حقیقی بھائی یزیدی فوج میں شامل تھے ایک کے مقابلہ میں ایک کے قانون توڑتے ہوئے۔

تینوں ہی شور مچاتے اور واویلا کرتے ہوئے حضرت حر پر چڑھ دوڑے خدا کے سپاہی اور شبیر کے غلام نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور تینوں کی تلواروں کو بیک وقت ڈھال پر روکے ہوئے کیا پر حملہ کر دیا۔

پہلے ہی وار سے دھڑ ادھر اور گردن اُدھر جا پڑی دوسرا وار دوسرے

کے سر پر کیا تلوار سر کی ہڈیوں کو کاٹتے ہوئے پشت تک پہنچ گئی تیسرے نے دو
نوں کی موت دیکھی تو اسے بھی اجل سامنے آ گئی وہ میدان چھوڑ کر بھاگ
اُٹھا حُر نے تلوار بائیں ہاتھ اور نیزہ ہاتھ میں لیا اور بھاگتے ہوئے کی پشت
میں نیزہ پیوست کر دیا۔

امام حسین کی حر کو بشارت

ملائکہ نے کہا مرحبا، حوروں نے کہا واہ وا۔

یزیدی فوج کے چاروں سواروں کو موت کی نیند سُلا کر گھوڑا دوڑاتے ہوئے واپس خدمت امام میں آ گئے گھوڑے سے اتر کر شاہ کے قدموں کو بوسہ دیا اور ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔

یاابن رسول اللہ؛ کیا آپ مجھ پر خوش ہو گئے۔

امام عالی مقام نے فرمایا ہاں؛ حُر ہم تجھ پر پوری طرح خوش ہیں تجھے مبارک ہو تیری ماں نے تیرا نام حُر ﴿آزاد﴾ رکھا تھا ہم تجھے بشارت دیتے ہیں کہ تُو دوزخ کی آگ سے آزاد ہو گیا ہے حُر نے امام کے قدموں کو بوسہ دیا۔

اور پھر میدان جنگ میں آ گئے یزیدی فوج کے جوان ایک ایک کر کے سامنے آتے رہے اور واصل جہنم ہوتے رہے عمر و سعد نے یہ حالت دیکھی تو پریشان ہو گیا۔

بلند آواز سے پکار کر کہنے لگا کہ ایک ایک کر کے پوری فوج ختم کر دے گا چند دستے اکٹھے ہو کر ٹوٹ پڑو اور گھیرے میں لے کر اس کے ٹکڑے اُڑا دو سپاہ یزید حسین علیہ اسلام کے سپاہی پر حملہ کر دیتی ہے اور پھر جنگ کا نقشہ کچھ اس طرح بن جاتا ہے۔

کہ جیسے شہد کے چھتے پر مکھوں نے یلغار کر دی ہو نیزوں پر نیزے بر س رہے ہیں تلواروں پر تلواروں کے وار ہو رہے ہیں یزیدیوں کے تیر اپنے ہی آدمیوں کو گھائل کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور اُدھر حُر کی تلوار کا یہ عالم ہے۔

ابر ڈھالوں کا اُٹھا تیغ دو پیکر چمکی
برق چھپتی ہے وہ چمکی تو برابر چمکی

سوئے پستی کبھی کوندی کبھی سر پر چمکی
کبھی انبوہ کے اندر کبھی باہر چمکی

جس طرف آئی وہ ناگن اُسے ڈستے دیکھا
مینہ خون کا صف دشمن میں برستے دیکھا

دھار ایسی کہ رواں ہوتا ہو دھارا جیسے
گھاٹ وہ گھاٹ کہ دریا کا کنارا جیسے

چمک ایسی کہ حسینوں کا اشارا جیسے
روشنی وہ کہ گرے ٹوٹ کے تارا جیسے

کوندنا برق کا شمشیر کی ضو میں دیکھا
کبھی ایسا نہیں دم خم مہ نو میں دیکھا

﴿میر انیس﴾

ادرکنی یا حسین

ادھر حُر کی تلوار دشمنوں کا خون چاٹ رہی ہے اُدھر حُر کا جسم تیروں اور تلواروں اور نیزوں کی انیوں سے چھلنی ہو چکا ہے زخموں سے جسم چور چور ہے اسی حالت میں امام عالی مقام کی جانب منہ کر کے آواز دی۔

اَدرکنی یا ابن رسول اللہ حسین علیہ السلام میری مدد فرمایئے جواب میں غیب سے ندا آئی۔ حُر ادھر دیکھو حوریں جنت میں تیرا انتظار کر رہی ہیں کسی بد بخت کا نیزہ حُر کے سینے پر پڑا۔

زخم گہرا تھا جسم گرم تھا گرنے لگے ، زین کو تھام لیا گھوڑے کی باگ کو کھینچا، امام کے قدموں میں آ گیا۔ شبیہِ رسول کی طرف یاس بھری نظروں سے دیکھ کر کہا !

میرے آقا آپ کے نانا کے قدموں میں جا رہا ہوں کوئی پیغام

دے دیں۔

امام عالی مقام نے گھوڑے سے تھام کر اُتارا اور فرمایا۔ حُر ! اُس بیکس پناہ کے حضور میں ہمارا سلام کہہ دینا۔ ہم بھی تُمہارے پیچھے آ رہے ہیں۔

حر کے آخری لمحات

حُر کے آخری لمحات ہیں۔ آنکھیں بند ہوتی جا رہی ہیں۔ امام عالی مقام نے حُر کا سر اپنے زانو پر رکھا حُر کو دونوں جہان کا آرام حاصل ہو گیا۔ حُر نے حسرت بھری نگاہوں سے شہزادہ کونین کو دیکھا امام عالی مقام کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

حالت پہ میری انکے بھی آنسو نکل پڑے
دیکھا گیا نہ یاس میں عالم نگاہ کا

﴿آغا شاعر﴾

یہ حُر کی خوش نصیبی کی انتہا تھی جگر گوشۂ رسول کی آغوش راحت میں لیٹا ہوا ہے اور امام عالی مقام اس کے چہرے کا غبار صاف کر رہے ہیں حُر نے آنکھیں کھول کر عرض یا امام رُوح نکل جانے کے لئے بیقرار ہے۔

زخموں سے درد کے طوفان اٹھ رہے ہیں۔ لیکن میں نے سینے سے اُٹھنے والی آہوں کو روک رکھا ہے تا کہ آپ کی آغوش راحت کا تھوڑا سا اور

مزہ لے لوں۔

اس واسطے تھم تھم کے جاری ہے نفس میرا
آہوں سے کہیں ٹوٹ نہ جائے یہ قفس میرا

﴿آغا شاعر﴾

اور پھر آخری بار حُر نے درد میں ڈوبی ہوئی مسکراہٹ سے سے امام کی طرف دیکھ کر عرض کیا۔ یا ابن رسول : آپ مجھ پر راضی ہوگئے؟

امام عالی مقام نے فرمایا ! حُر ہم تم پر راضی ہیں خُدا تجھ پر خوش ہو اور تجھے خوش رکھے۔ یہ آخری گفتگو تھی حُر نے کلمہ شہادت پڑھا اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

امام نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر حر کی لاش کو ڈھانپ دیا۔

اُمّ وھب

اس خُونیں معرکہ کے پہلے شہید عبداللہ بن عمیر کی بیوی اُم وہب بھی اس کے ساتھ ہی آئی تھی یہ دونوں میاں بیوی کوفہ سے آئے تھے یہ پہلے بھی شوہر کی مدد کو لاٹھی لیکر بڑھی تھی مگر امام عالی مقام کے روکنے پر رُک گئی تھی اب شوہر شہید ہوا تھا اس کی لاش پر دوڑی گئی یہ لاش کے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ شمر لعین نے اُس کو بھی تلوار سے شہید کر دیا۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون

پروانۂ شبیر

امام عالی مقام کے ساتھی جناب حنفی تھے اس پروانہ حسین علیہ السلام نے اپنے جسم کو امام عالی مقام کی ڈھال بنا رکھا تھا دشمنوں کی توجہ کے مرکز خاص چونکہ نواسۂ رسول تھے اس لئے تیروں کی زیادہ بارش اِدھر ہی ہو رہی تھی تیروں کی اس برسات میں پروانہ شبیر جناب حنفی سپر بن کے آپ کے آگے کھڑے تھے۔

امام عالی مقام نے کئی بار اُسے پیچھے کرنا چاہا مگر وہ آپ کے آگے کھڑا ہو جاتا تا جناب حنفی کا پوار جسم تیروں میں پرویا جاچکا تھا اور اسی طرح تیر کھاتا ہوا پروانہ شبیری واصل فردوس بریں ہو گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

برادران عباس ابن علی

یزیدی لشکر کی طرف سے ھل من مبارز کی صدائے پیہم آ رہی ہے ادھر امام عالی مقام کے حضور میں چار خوبرو نوجوان دست بستہ کھڑے ہو کر میدان میں جانے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔

یہ چاروں حضرت عباس ابن علی کے حقیقی بھائی حضرت عبداللہ حضرت ابوبکر حضرت محمد اور حضرت عثمان پسران علی ہیں۔

ان کی والدہ مکرمہ کا اسم گرامی ام البنین اور وہ ان سب کے ساتھ کربلا ہی میں موجود تھیں شمر ملعون ان کے سگے بھائی کا لڑکا تھا یہ اپنے اپنے مقدر کی بات ہے کہ بہن کے بیٹے امام عالی مقام جانیں نثار کر دینے کے لئے بیتاب ہیں اور بھائی کا بیٹا امام عالی مقام کو شہید کر دینے کے لئے بیقرار ہے یہ آپ پر قربان ہوتے ہیں اور وہ آپ کا سر اقدس کاٹتا ہے

یہ وہی چاروں شہزادے ہیں جن کی والدہ اور بھائی حضرت عباس سمیت چھ افراد کے لئے شمر ابن زیاد سے امان نامہ لکھوا کر لایا تھا اور انہوں نے وہ امان نامہ اکارت سے ٹھکرا دیا تھا۔

اور کہا تھا بیوقوف! ہمیں تو امان دیتا ہے اور ابن رسول کو قتل کرنا چاہتا ہے اور اب یہ اس وقت کے منتظر ہیں کہ شہزادہ رسول پر جانیں نثار کر کے

اپنے والدین گرامی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے دربار میں سرخروی حاصل کرسکیں۔

امام حسین کی محبت

امام عالی مقام نے فرمایا اے شہزادگان حیدر اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے تم سب ٹھیک ٹھیک حق اخوت ادا کررہے ہو۔

تم سب میرے امتحان میں برابر کے شریک ہو۔

تمہاری مقدس قربانیاں لوح عالم پر نقش فی الحجر بن کر دنیا والوں کو ہمیشہ درس اخوت دیتی رہیں گی ہم سب بہت جلد ایک ہی مقام پر جمع ہونے والے مگر میرے یہ امتحان کس قدر صبر آزما ہے کہ میں اپنے ساتھیوں کو اپنے ساتھیوں کو ذبح ہوتے دیکھ رہا ہوں۔

یہ حق غلامی ہے

امام عالی مقام کی شفقت آمیز گفتگو سنی تو چاروں کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہوگئیں انہوں نے انتہائی رقت سے دربار حسین میں عرض کیا یا امام یہ آپ کا کرم ہے جو ہم غلاموں پر اس قدر شفقت فرما رہے ہیں ہمارے حق غلامی کو اخوت کا نام دینا آپ کی بندہ پروری ہے ورنہ ہم تو اب بھی آپ کو امام اور خود کو غلام ہی سمجھتے ہیں آپ ابن رسول ہیں شہزادہ بتول ہیں جنت کے جوانوں کے سردار ہیں اور ہمارے تاجدار ہیں ہمارے لئے یہ

فخر ہی کیا کم ہے کہ آپ کے عزم پر فدا ہونے کے صلا میں قیامت کے دن آپ کے پرچم سایا نصیب ہوگا۔

ھمیں اجازت عطا فرمائیں

یا امام دشمن بار بار آواز دے رہیں ہیں۔ ہمیں اجازت مرحمت ہو فرمائی جائے تا کہ ہم آپ پر نثار ہونے میں سبقت حاصل کرسکیں۔ آپ نے سب کی طرف بھری نگاہوں سے دیکھا اور الوداع کہہ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے اور بارگاہ خداوندی میں عرض کی یا اللہ میرے بھائیوں کی جانوں کا نذرانہ قبول فرمالے۔

شیر خدا کے شیر

شیر خدا کے شیر ایک ایک کر کے میدان میں جاتے ہیں اور زور یداللہی سے دشمنوں کی صفوں کو درہم برہم کر دیتے ہیں حیدر کا ایک ایک شیر ببر یزید کی سینکڑوں لومڑیوں پر بھارے تھے۔

ایک کے بعد دوسرا پھر تیسرا پھر چوتھا میدان جنگ میں قوت حیدری کے وہ جوہر دکھاتے ہیں کہ دشمنوں کو پسینہ آجاتا ہے۔ حضرت عباس ایک ایک بھائی کا جنگی کارنامہ مشاہدہ کرتے جارہے ہیں۔ اور الحمد للہ کہتے جا رہے ہیں چاروں بھائی یکے بعد دیگرے متعدد دشمنوں کو قتل اور زخمی کرنے کے بعد بارگاہ حیدر کرار میں پہنچ جاتے ہیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

وہ سالکانِ وادی اندیشہ و فتن
وہ رہروان مرحلہء عشق ذوالمنن

وہ عاشقانِ دلبر شاہنشہ زمن!
وہ کشتگان خنجر درد و غم و محن

پرخوں پڑے تھے دشت مصیبت میں اس طرح
صحنِ چمن میں پھول بکھرتے ہیں جس طرح

ان چاروں کے بعد برادران مسلم جناب عبداللہ بن عقیل عبدالرحمٰن اور جعفر بن عقیل ایک ایک کر کے یوں دادشجاعت دیتے ہیں کہ یزید کے لشکری شاخ بید کی طرح کانپنے لگ جاتے ہیں۔تلواریں چل رہی ہیں، تیروں کی بارش ہو رہی ہے، نیزے تنے ہوئے ہیں، زمین شعلہ بار ہوتی جارہی ہے، سورج مشتعل ہوتا جارہا ہے، تلواروں کی جھنکار میں شبیر علیہ السلام کا ایک ایک مجاہد حقِ جہاد ادا کرتے ہوئے امتحان شبیر میں شریک ہوتا جارہا ہے۔ جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور شبیر کے سپاہی ایک ایک کر کے اندر داخل ہوتے جارہے ہیں

حضرت قاسم کی شہادت

امام عالیمقام کے ساتھی ایک ایک کر کے جام شہادت نوش کرتے جا رہے ہیں میدان کارزار میں شہدائے کرام کی لاشوں کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہیں فاطمہ کا لال اپنے امتحان کا ایک ایک پرچہ نہایت کامیابی اور کامرانی کے ساتھ حل کر کے ممتحن حقیقی کے دربار میں پیش کرتا جارہا ہے۔

آپ نے کئی بار میدان کارزار میں جانے کا ارادہ فرمایا مگر آپ کا کوئی نہ کوئی فدائی بڑھ کر حق جانثاری ادا کر دیتا اب آپ نے پھر میدان میں جانے کا ارادہ فرمایا تو ایک نوخیز پھول آپ کے سامنے آ گیا پندرہ سولہ سال کے خوب رو ہاشمی شہزادے کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے جیسے چاند زمین پر اتر آیا یہ چاند کا ٹکڑا قاسم ابن حسن ابن علی ہے۔ جو عم محترم پر فدا ہونے کے لئے اجازت طلب کرتا ہے۔

امام حسینؑ کا انکار

امام عالی مقام نے فرمایا۔ قاسم میں تجھے قتل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا مجھے اب کسی نئے امتحان میں نہ ڈالو اور واپس خیموں میں چلے جاؤ

میں تم سے پہلے ظالموں کے ہاتھوں بھیّا حسن کی دو خوبصورت تصویروں کے ٹکڑے کروا چکا ہوں۔ اب یہ میرے بس میں نہیں کہ میں تجھے بھی موت کے منہ میں بھیج کر اپنے بھائی کی اولاد نرینہ کو ختم کروا دوں میرے لال تمہیں سے تو میرے بھائی کی نسل شروع ہونا ہے۔

حضرت قاسم نے چچا جان کی یہ فیصلہ کن گفتگو سنی اور تڑپ کر رہ گئے رو کر عرض کیا۔

عمِّ محترم کاش میرے والد اس وقت موجود ہوتے تو مجھے اس محرومی کا منہ نہ دیکھنا پڑھتا چچا جان میں چھوٹا ہی تھا کہ داغ یتیمی لگ گیا اور آپ کی پناہ میں آنے کے بعد مجھے کبھی محسوس نہیں ہو سکا کہ میں یتیم ہوں میں نے ہمیشہ یہی محسوس کیا ہے کہ میرا باپ زندہ ہے مگر آج آپ نے مجھے میرے ابا جان کی یاد دلا ہی دی ہے میں نے آج پہلی بار محسوس کیا ہے کہ میں یتیم ہوں کاش آپ نے مجھے اپنا بیٹا سمجھا ہوتا۔ چچا جان! میری جان عون و محمد سے زیادہ قیمتی نہیں اگر انہیں آپ پر فدا ہونے کی اجازت مل سکتی ہے تو پھر مجھ حرماں نصیب کو بھی محروم نہ کیا جائے۔

بھتیجے کا جذبۂ ایثار

امام عالی مقام نے بھتیجے کا یہ جذبۂ ایثار اور درد میں ڈوبا ہوا کلام سنا تو آپ مضطرب ہو گئے اور فرمایا میرے لال تمہاری گفتگو نے میری رونگٹے

کھڑے کر دئے ہیں میں تو یہ سوچتا ہوں۔ میں بھیا حسن کو کیا جواب دوں گا
کہ اس کی آخری نشانی بھی آنکھوں کے سامنے ذبح کروالی تمہاری والدہ تمہا
رے فراق میں کیا کرے گی تمہاری پھوپھی کا کیا حال ہوگا۔

قاسم نے عرض کیا چچا جان اگر خدانخواستہ مجھے آپ پر نثار ہونے کا
موقعہ نہ مل سکا تو میں ابا جان کو کیا جواب دوں گا۔

رہا والدہ کا پریشان ہونا تو میں ان سے اجازت لے کر آیا ہوں
پھوپھی جان سے بھی مل کر آیا ہوں۔

ان دونوں نے ہی تو میری کمر میں میرے ابا جان کا پٹکا باندھا ہے
امی جان نے تلوار میری گردن میں خود حمائل کی تھی اور پھوپھی جان نے فرمایا
تھا کہ قاسم اب تم بھی مجھے بھائی جان کے سامنے سرخرو کردو۔

امام عالی مقام نے چند لمحے خاموشی فرمائی اور پھر اجازت مرحمت
فرمادی۔

حضرت قاسم میدان کارزار میں

ادھر فوج اشقیا ھل من مبارز کے نعرے لگا رہی تھی جب جنازہ قاسم
میدان کارزار میں تشریف لائے تو آفتاب نصف النہار پر آچکا تھا علیؑ کے
شیر کے شیر کا حلق پیاس کی شدت سے سوکھ کر کانٹا ہو چکا ہے۔ بار بار لبوں پر
زبان پھیرتے ہیں مگر لاحاصل زبان لبوں سے زیادہ سوکھی ہوئی ہے اور لب

زبان سے زیادہ خشک ہیں باوجود اس شدّت کی پیاس کے علیؑ کے لال کا لال میدان کازار میں اس طرح چمک رہا تھا جیسے آفتاب زمین سے طلوع کرر ہا ہو

چہرہ تھا ایسے خون کی حدّت سے شعلہ دوش
سورج کا جیسے پھول اک طشت سحر میں ہو

عمرو بن سعد کی طرف سے ایک جوان مقابلہ کے لئے نکلا تو اس نے روک دیا اور سپاہ شام کے ایک اعلیٰ افسر کو حکم دیا ارزق! اس جوان کا مقابلہ تم کرو گے ارزق نے سنا تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور غصے پر قابو پاتے ہوئے کہنے لگا۔

ابن سعد! اگرچہ تم میرے سپہ سالار کی حیثیت سے ہو مگر تمہیں میرے مقام اور مرتبہ کو نہیں بھولنا چاہئیے کیا تم میری حیثیت سے واقف نہیں ہو؟

ابن سعد! کیوں نہیں میں جانتا ہوں کہ تم سپاہ شام کے اعلیٰ افسر ہو اس کے علاوہ فن سپاہ گری میں پوری پوری مہارت بھی رکھتے ہو اس فوجی تجربہ کے ساتھ ساتھ بہادری میں بھی اپنی مثال آپ ہو اپنی اس قوّت فن اور تجربہ کے صلہ کی صورت میں یزید سے ہزاروں روپے تنخواہ بھی وصول کرتے ہو

ارزق! حیران ہوں کہ میرے متعلق اس قدر وسیع معلومات کے باوجود مجھے ایک بچے کے مقابلہ میں بھیجنے کا مذاق کرتے ہو۔

ابن سعد! ارزق تم نے غلط سمجھا ہے میں نے مذاق نہیں کیا بلکہ اپنے تجربہ کی بناء پر تمہارا انتخاب کیا ہے یہ بچہ کوئی عام بچہ نہیں یہ قاسم ہے حسن کا بیٹا اور علی کا پوتا اس کے مقابلے کے لئے کسی تجھ جیسے شہ زور کی ہی ضرورت ہے تم اس سے پہلے کئی ہاشمیوں کے زور ید اللہی اور قوت خیبر شکن کا مشاہدہ کر چکے ہو۔

ارزق! ہوسکتا ہے کہ تمہاری بات درست ہی ہو مگر اس بچہ کے مقابلہ میں جانا میری توہین ہے شام سے آئے ہوئے لشکر میں میرے چار بہادر اور نوجوان بیٹے ہیں میں ان میں سے کسی ایک کو مقابلہ میں بھیج دیتا ہوں اور پھر اس نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کو جانے کا شارہ کیا۔

ارزق کے بیٹے سے مقابلہ

اور یہ اس کا چھاٹا بیٹا کسی ہاتھی سے کم نہیں تھا س بڑا لحیم شحیم اور گرانڈیل گھوڑا اس کے بوجھ تلے دبا جا رہا تھا امام عالی مقام نے قاسم کے مقابلہ ایک عفریت کو دیکھا تو دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے اس نے آتے ہی اس انداز سے تلوار کا وار کیا جیسے کسی درخت کی پتلی سی شاخ کو کاٹ کر زمین پر پھینک دینا ہوتا ہے جناب قاسم نے اس کے وار کیا جیسے کسی ڈھال پر روکا مگر ڈھال بے کار ہوگئی امام عالی مقام زیادہ دور نہیں تھے آپ سب کچھ ملاحظہ فرما رہے تھے پ نے ایک ڈھال دے کر محمد بن انس کو فرمایا کہ قاسم کو پہنچا دو

ادھرایک دوسرے پر چند ایک وار ہو چکے تھے اور ارزق کے بیٹے کو محسوس ہو چکا تھا کہ اس کا اس لڑکے کے متعلق اندازہ غلط تھا۔

ڈھال مل گئی تو امام قاسم نے خود کو اچھی طرح سنبھال لیا ارزق کے بیٹے نے نیزا اچلایا آپ نے گھوڑے کو پیچھے کرلیا اور پھر گھوڑے کو تازیانے لگا کر اتنی تیزی سے دشمن پر نیزے کا وار کر دیا کہ اسے بچاؤ کی مہلت ہی نہ مل سکی۔

قاسم کا نیزہ ارزق کے بیٹے کی زرہ کی کڑیوں کو توڑ کر اس کے سینے میں لگا اور پشت کے پار ہو گیا آپ نے پوری قوت سے نیزہ کھینچا تو وہ مٹی کے تودے کی طرح زمین پر گر پڑا آپ نے اس کے نیزے اور تلوار پر قبضہ کر لیا اور گھوڑے کو موڑ کر امام عالی مقام کے حضور میں آ گئے۔

آپ نے پیشانی پر بوسہ دے کر فرمایا میرے بھائی کے بیٹے کو ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا میرے چاند قاسم خدا تمہارا حامی و ناصر ہو۔

امام قاسم کی گذارش

جناب قاسم نے عرض کیا! چچا جان کاش اس وقت پانی کے چند گھونٹ مل جاتے تو پھر میں آپ کو اپنی بہادری کے جوہر دکھاتا امام عالی مقام نے جذبات پر قابو پاتے ہوئے فرمایا میرے لال! پانی تو اب تمہارے دادا جان اور تمہارے ابا جان چشمۂ کوثر سے ہی پلائیں گے۔

جناب قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے الحمدللہ کہا اور دوبارہ میدان میں تشریف لے گئے۔

عمرو بن سعد کا طنز!

ادھر عمرو بن سعد نے ارزق کو اس کے بیٹے کی موت کا منظر دکھاتے ہوئے طنز کیا کہ کاش تم کسی بچہ سے جنگ کرنے کو اپنی توہین نہ سمجھتے۔

ارزق کو تو بیٹے کی موت نے پہلے ہی آتش فشاں بنا رکھا تھا کہ اس کا دوسرا بیٹا میدان میں پہنچ گیا یہ پہلے سے بڑا تھا اس لئے قد وقامت میں بھی اس سے بڑھا ہوا تھا اس نے آتے ہی امام قاسم کی شان میں بکواس شروع کر دی لیکن آپ نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے اس کی طرف دیکھتے رہے ارزق کا بیٹا ہذیانی انداز میں بکے جا رہا تھا کہ تم نے میرے شیر جیسے بہادر بھائی کو قتل کیا ہے میں تیری ایک ایک بوٹی کے سو سو ٹکڑے کر کے تمہارا قیمہ بنا دوں گا۔ جناب قاسم نے بڑے پر وقار انداز میں صرف اتنا فرمایا کہ تم چیختے کیوں ہو انشاء اللہ تم بھی جلد ہی اپنے بھائی سے ملاقات کر لو گے وہ جلا ہوا تو تھا ہی اور بھی مشتعل ہو گیا، منہ سے جھاگ اڑ رہی تھی اور اندھا دھند وار پر وار کر رہا تھا۔ امام قاسم اس کے ہر وار کو بیکار کرتے جا رہے تھے جب اس کے کئی وار ضائع ہو گئے اور پھر اس نے زور سے ایسا وار کیا جس کو جناب قاسم نے روک تو لیا مگر شانے پر ہلکا سا زخم آ گیا پھر کیا تھا حیدر کے شیر کا شیر بپھر گیا

اور گھوڑے کو چکر دے کر دشمن کے گھوڑے کی گردن کے نیچے نیزہ بھونپ دیا گھوڑا تڑپا اور گھٹنوں کے بل گر پڑا ارزق کا بیٹا اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا جناب قاسم نے گھوڑے سے چھلانگ لگائی اور اس کے اٹھنے سے پہلے ہی اس کے شانے پر پوری قوت سے تلوار کا وار کر دیا۔ زخم لگتے ہی اس کے منہ سے ایک کریہہ چیخ نکلی اور وہ پوری قوت سے اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ آپ نے اس کے جسم سے گردن کا بوجھ اتار دیا۔

مانند دیو گر قد دشمن بلند تھا
بجلی سی بس چلی کہ جدا بند بند تھا

عمر وسعد نے ارزق کو اس بار طنز نہیں کیا تھا پھر ارزق کو بیٹوں کی موت نے وحشی بنا دیا وہ غصہ سے کانپ رہا تھا اور میدان میں پہنچ جانے کیلئے بیقرار ہو رہا تھا کہ اس کا تیسرا بیٹا جو پہلے دونوں سے بھی ڈیل ڈول میں زیادہ تھا۔ جناب قاسم کے سامنے پہنچ چکا تھا اور پھر چند لمحوں کے بعد وہ بھی واصل جہنم ہو چکا تھا پھر ارزق سے پہلے ہی اس کا چوتھا بیٹا بھی پہنچ گیا اور اس حشر بھی پہلے تینوں سے مختلف نہیں تھا اور جناب قاسم کی تلوار کا یہ حال تھا۔

ہر اک شقی کے سر پہ صفائی سے چل گئی
آئی ادھر سے سن سے ادھر سے نکل گئی
ناری پکارتے تھے کہ ہم سب سے کل گئی
کشت امان و امن شریروں کی جل گئی

کس کس مزے سے خون عدو چاٹتی رہی
ہر عضو مثل حرف غلط کاٹتی رہی

﴿میر مونس﴾

ارزق پاگل ہو گیا

اب ارزق کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ غموں غصہ کے ملے جلے جذبات نے اسے پاگل بنا دیا اس نے پوری قوت سے گھوڑے کو چابک رسید کیا اور چشم زدن میں شہزادۂ حسن کے سامنے آ گیا۔

امام عالی مقام علیہ السلام نے دور سے اس کے تیور دیکھے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا یا اللہ! قاسم کی اس درندے سے حفاظت فرما۔

ادھر اس نے آتے ہی جناب قاسم علیہ السلام کو للکارا لڑکے تیار ہو جا ملک الموت تیرے سر پر آن پہنچا ہے آپ خاندانی وقار کے ساتھ اس کی طرف دیکھے جا رہے تھے اور وہ بڑے زور شور سے رجز پڑھتا جا رہا تھا۔

میں دمشق کا پہلوان ہوں شام و عراق کے بڑے بڑے بہادر میرا نام سن کر کانپ جاتے ہیں میری تلوار اٹھتی ہے تو پھر دشمنوں کا خون چاٹ کر ہی دم لیتی ہے میرا نام ارزق ہے تم میرے چار بہادر اور شہزور بیٹوں کے قاتل ہو میری تلوار اب ان کا خون بہا مانگتی ہے۔ تمہیں قتل کرنے کے بعد اہل بیت کے ایک ایک فرد کو موت کی نیند سلا کر بھی اس کا غصہ فرو نہیں ہو گا۔ میں

جنگی چالوں کا سب سے زیادہ ماہر ہوں بڑے بڑے سپہ سالار میرے مشوروں پر عمل کر کے دشمن پر فتحیاب ہوتے ہیں۔ اِس کی خرافات ابھی یہاں تک ہی پہنچی ہی تھی کہ حضرت امام قاسم نے اُسے فرمایا غلط کہتے ہو تمہیں نہ تو جنگی چالوں کچھ واقفیت ہے اور نہ ہی تُم جنگ کرنا جانتے ہو اپنے گھوڑے کی طرف دیکھو اس کا زین بند کُھلا ہوا ہے اور تمہیں معلوم تک نہیں ایک لمحہ بعد تُم زین سمیت زمین پر ہو گے۔

ارزق کی نظر ایک لمحہ کیلئے زین کس کی طرف گئی اور اسی لمحہ میں وہ واقعی زمین پر آ رہا حسینی شیر کی تلوار اپنا کام کر چکی تھی ارزق زمین پر تڑپ رہا تھا اور چیخ رہا تھا لڑکے تو نے مجھے دھوکے سے قتل کیا ہے۔

امام عالی مقام علیہ السلام نے ایک بار اس کی طرف دیکھ کر فرمایا اسلئے کہ تم جنگی چالوں کے بہت ماہر ہو۔ چند ہی لمحوں میں ارزق کو خاک و خون میں تڑپتے دیکھا تو عمر و سعد کو بڑا تعجب ہوا اب ایک کے مقابلے میں ایک کو بھیجنے کا خیال ترک کر کے کئی دستوں کو حرکت میں لانا پڑا۔

ان حالات میں کیا ہو سکتا تھا ہاشمی شہزادے کی تلوار اپنے جوہر دکھا رہی تھی اور دشمن کاٹ کاٹ کر پھینکتی رہی لیکن کب تک ایک کا سینکڑوں سے مقابلہ تھا آپ کے جسم نازنین پر ستائیس زخم آ چکے تھے اور پھر ایک کاری زخم بھی لگ گیا آپ گھوڑے کی زین سے گر پڑے آپ زمین پر تڑپ رہے تھے اور ایڑیاں رگڑتے ہوئے فریاد کر رہے تھے۔

یا ابن رسول اللہ ادر کنی

یا عماہ ادر کنی

اپنا کام کر کے سیاہ یزید کا بادل چھٹ چکا تھا امام عالی مقام بھی قریب پہنچ گئے بھتیجے کی پر الم ندا سنی تو تڑپ کر رہ گئے اور فرمایا بیٹا! میرا تو امتحان ہے میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں اور پھر عم محترم کے ہاتھوں میں شہزادۂ حسن نے دم توڑ دیا۔

آپ نے لاش کو کندھے پر اٹھایا اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے واپس تشریف لے آئے۔

حضرت زَینبؓ کے دو پُھول

حضرت عباؓس پرچمِ اسلام اُٹھائے ہُوئے اہلِ بیت اطہار کے خیموں کا پہرہ دے رہے ہیں ۔ اِمام اعلیٰ مقام ان سے ذرا دُور بچے کھچے ساتھیوں کو ترتیب دے رہے ہیں پردہ نشینوں نے حضرت عباس کو پیغام دیا کہ امام عالی مقام کو بلادیں ۔ عباسؓ نے خدمتِ امام میں عرض کردیا ۔

حضرت زینبؓ کی اِلتجا

آپؑ خیمے میں تشریف لائے تو حضرت زینب نے عرض کیا ۔ خُدا آپ کو اس شدید اِمتحان میں کامیاب فرمائے ۔ بہن بے بس ہے ۔ کاش عورتوں کو اِذنِ جہاد ہوتا تو میں اپنے بھائی پر نثار ہوسکتی ۔ فاطمہؓ کی بیٹی ہوں دُوسری عورتوں کی طرح باہر بھی نہیں نکل سکتی ۔ غَریب الوطن ہوں پردیس میں اپنے بھائی کا صدقہ بھی نہیں اُتار سکتی ۔

آپ سَخی ماں کے بیٹے ہیں ۔ اِس مُشکل وقت میں بھی آپ سے کُچھ مانگنے آئی ہوں ۔ میری اِلتجا قبُول فرمائیں ۔ اِمام عالی مقام نے بہن کی دَرد میں ڈُوبی ہُوئی گُفتگو سُنی تو بے قرار ہوگئے ۔ فرمایا پیاری بہن حُکم فرمائیں ۔

بے شک حُسینؑ غریب الدّیار اور خُود مشکلوں میں گرفتار ہے مگر اپنی ہمشیر کے حکم کو نہیں ٹال سکتا۔

چھوٹی سی نذر

حضرت زینبؑ نے سُنا تو ہلکی سی تازگی چہرے پر آ گئی۔ آپ نے وہیں سے آواز دی بیٹے آ جاؤ۔ آپ کی آواز سُن کر دو چھوٹے بچّے اپنے قد سے بھی بڑی تلواریں زیبِ تن کئے حاضر ہو گئے۔

اِمام عالی مقام نے بچّوں کو تلواریں لئے دیکھا تو فرمایا۔ زینب یہ کیا ہے تو جناب زینبؑ نے فرمایا۔ بس بھائی یہی اِلتجا تھی کہ آپ میری چھوٹی سی نذر کو قبول فرمالیں۔ مجھ پردیسن کے پاس اِس وقت بھائی کا صدقہ دینے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ بس یہی دو بچّے ہیں سو بھائی کا صدقہ اُتار رہی ہوں۔ کچھ تو ردِّ بلا ہو ہی جائے گا۔

اِمام عالی مقام کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور رو کر فرمایا! زینب حُسین کے دِل کو اور زخمی نہ کرو۔ آپ تو میرے ساتھ ہر دُکھ درد میں پہلے ہی شریک ہیں۔ اگر زیادہ ہی خیال ہے تو میں اِنہیں قبول کر کے تُمہیں واپس دیتا ہوں۔ ابھی تو اِن غُنچوں کو پُھول بننا ہے۔ دُکھی حُسین کی دُعا ہے کہ یہ بڑھیں پُھولیں اور جوان ہوں۔ میرے چچّا جعفر طیّار کی نسل بڑھے۔ نسلِ زینب میں اضافہ ہو سیّدہ زینب نے روتے ہوئے بھائی کے گلے میں باہیں

ڈال دیں پھر دامنِ حُسینؑ کو پکڑ کر عرض کرتی ہیں۔ بھیّا! مُجھے مایوس نہ کرو۔ میری یہ نذر قبول فرمالو۔ میں آپ کو اپنی فاطمہؑ ماں کی پردہ داری کا واسطہ دیتی ہُوں۔ باپ علیؑ کی سخاوت کا واسطہ دیتی ہُوں۔ نانا جان کی نُورانی دستار کا واسطہ دیتی ہُوں۔ میرا یہ ناچیز ہدیہ اور چھوٹا سا نذرانہ قبُول فرمالو۔

مجھے محروم نہ کریں

بھیّا حسینؑ! اگر آپ نے اِن بچّوں کو اذنِ شہادت نہ دیا تو یہ نانے علیؑ اور نانی فاطمہؑ کو کیا مُنہ دکھائیں گے۔ ذُوالجناحین جعفرطیّار دادا کے حضُور میں کس طرح جائیں گے اور اپنی ماں کے نانا جان سرورِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے حضُور کس طرح پیش ہوں گے۔

پیارے بھیّا! میں آپ کو اُس خُدا کا واسطہ دیتی ہوں جس کے حُکم پر آپ یہ مصیبتیں اُٹھا رہے ہیں۔ میری یہ قُربانی قبول کرلو۔ بہنوں کا تو بھائیوں پر بہت حقّ ہوتا ہے۔ اور آپ تو سخی ماں اور سخی باپ کے بیٹے ہیں پھر مُجھے محروم کیوں کرتے ہیں۔

عون و محمد اجازت طلب کرتے ہیں

اِمام عالی مقام نے بچّوں کی طرف دیکھا۔ بچّے دوڑ کر قدموں میں گر پڑے۔ ماموں جان! امّی ٹھیک کہتی ہیں۔ ہم علیؑ کے نواسے اور جعفرطیارؓ کے پوتے ہیں۔ ہم میدان میں جا کر ابھی آپ کے سارے دُشمنوں کو قتل

کردیں گے۔آپ بالکل فکر نہ کریں۔ماموں جان! آپ امی کی بات ضرور مان لیں۔ماموں جان! دیکھیں ہماری تلواریں کتنی تیز ہیں۔ہم نے انہیں ریت سے رگڑ رگڑ کر خوب چمکا لیا ہے۔آپ ہمیں میدان میں جانے دیں پھر دیکھیں کیا ہوتا ہے۔

جہاد کی اجازت

نواسہ رسول نے بچوں کی مجاہدانہ گفتگو سنی تو بہت متاثر ہوئے۔ بچوں نے ماں کی یاد کرائی ہوئی گفتگو دہرادی تھی اور ماموں جان کو منا لینے میں کامیاب ہو گئے۔

اِمام عالی مقام بچوں کو اجازت دے کر واپس تشریف لے آئے۔ سیّدہ زینبؑ نے بچوں کو خوب آراستہ و پیراستہ کیا۔پانی کے بغیر خشک زلفوں میں کنگھی کی۔سُرمہ لگایا چھوٹے چھوٹے دوپٹے باندھے۔علیؑ کی بیٹی نے اپنے ہاتھ میں تلوار لے کر لہرا کر دکھائی کہ اِس طرح جاتے ہی دُشمنوں پر زور سے چلا دینا۔اور پھر سینہ سے لگایا تو جذبات برانگیختہ ہو گئے۔دل زور زور سے دھڑکنے لگا جیسے ابھی باہر آجائے گا جلدی سے دونوں کو علیحدہ کر دیا اور کہا جاؤ میرے شیر جلدی کرو کہیں تمہارے ماموں پھر نہ روک دیں۔ بچے چلنے لگے تو پھر واپس بلا لیا۔دونوں کو آغوش بھینچ لیا۔جلدی جلدی ان کی پیشانیوں کو چوما اور خیمے کی اوٹ میں کھڑی ہو گئیں۔آپ جگر کے ٹکڑوں کو

جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں اور فرما رہی تھیں میرے بیٹو مجھے معاف کر دینا۔ میں تمہیں درندوں میں بھیج رہی ہوں۔ ماں کے دِل کے ٹکڑو ماں مجبور ہے خدا حافظ میرے جگر پارو خُدا حافظ!

عون ومحمدؑ میدان جنگ میں

بچّے تلواریں لہراتے ہوئے مَیدان میں گئے تو شمر نے آواز دی حسین !اَب جوان ختم ہو گئے ہیں جو بچّوں کو بھیج رہے ہو۔ امام عالی مقامؑ خاموش رہے۔

بڑے لڑکے حضرت عُونؑ نے فرمایا بے وقوف ہم بچّے نہیں ہیں۔ ہمارے ساتھ مقابلہ کرو گے تو پھر پتہ چلے گا۔

چھوٹے بچّے محمّدؑ نے کہا اگر اتنا بہادر ہے تو ہمارے سامنے آ۔ ہم چیر کر رکھ دیں گے۔ شمر نے کہا میں جانتا ہوں تُم زینبؑ کے بیٹے ہو۔ مگر زیادہ بہادر نہ بنو۔ یہ علیؑ کا گھر نہیں مَیدانِ جنگ ہے۔ پھر چند سپاہی ان کی طرف بڑھنے لگے۔ بے غیرت حاکم کے بے غیرت سپاہی بچّوں کو دیکھ کر ویسے ہی شرم آ جانا چاہیے تھی۔ مگر اُن میں تو غیرت اور شرم کا نام بھی نہیں تھا۔ وہ تو وحشت و بربریّت اور درندگی کے پُتلے تھے۔ ظالم سے ظالم دشمن بھی بچّوں کو دیکھتا تو کہتا کہ واپس چلے جاؤ۔ مگر شمر نے تو اُن سے کہا تھا کہ اپنے ماموں اور امّی کو چھوڑ کر ہمارے پاس چلے آؤ۔ اور بچوں نے کہا تھا تو مجنون ہے

پاگل ہے، احمق ہے۔ ہم کیوں ماں باپ کو چھوڑ کر تمہارے پاس آ جائیں۔ تو کہاں کا ہمدرد ہے۔

حقِ جہاد ادا کر دیا

بہرحال بچّوں نے جنگ کیا لڑنی تھی حقِ جہاد پورا کر دیا اپنے فرض کی تکمیل کر دی۔ اپنی ماں کا حکم مان لیا۔ پالنے والی نے جانیں مانگی تھیں انہوں نے بڑے ادب سے ہنسی خوشی پیش کر دیں۔ فاطمہؑ کے دودھ کی تاثیر ہی ایسی ہے۔ علی کے خون کا اثر ہی ایسا ہے دونوں راہِ خدا میں شہید ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ

زینبؑ کی امانت

شمر نے حسینؑ سے کہا اپنے بھانجوں کے لاشے بھی اُٹھا لے۔ امام عالی مقام آگے بڑھے۔ بہن کے جگر کے کٹے ہوئے ٹکڑے دونوں شانوں پر اُٹھائے اور بہن کے سامنے جا کر لِٹا دیئے۔ دِل پر اِس قدر رِقّت طاری تھی کہ بہن کو تسلّی کے الفاظ بھی نہ کہے جا سکے۔ فوراً ہی خیمے سے باہر تشریف لے آئے۔

لاشے بھَین دے دِلبنداں دے خیمیاں وچ پُچا کے
روندے مُڑے شبیر پچھاں نُوں بھین نُوں ایہہ فرما کے!

سانبھ امانت اپنی بھیناں لال گئے آ تیرے !!

کیویں دلاسا دیواں تینوں وَس نہیں ہُن میرے ! !

کنگھی واہ جِہاں دی بھیناں توں سن وال سنوارے

خُون دے بدّلاں وچ اوہ ڈُبّے سانبھ لے نُوری تارے

(صائم چشتیؒ)

ماں کی ما متا

جناب سیّدہ زینبؑ نے بیٹوں کی شہادت کا منظر پردے کی اوٹ میں دیکھ لیا تھا۔ آپ پیکرِ صبر و رضا بن کر سب کُچھ دیکھتی رہیں۔ بیٹوں کو بھیجا بھی پُوری رضا و رغبت سے تھا۔ بچّوں کی شہادت آپ کی اپنی خواہش سے ہُوئی تھی۔ مگر جب لاشیں خیمہ میں آئیں تو مامتا جاگ اُٹھی۔

ماں ماں ہی ہوتی ہے۔

ماں نبی کی ہو یا ولی کی،

غازی کی ہو یا شہید کی،

ماں کی مامتا اپنا رنگ ضُرور دکھاتی ہے۔ جناب زینبؑ نے جب عوُن و محمدؑ کو میدان میں بھیجا تو اس وقت دُخترِ علیؑ کا رُوپ تھا اور جب بچّے شہید ہو کر خیمے میں آئے تو آپ صرف عوُن و محمدؑ کی ماں تھیں۔

اَیسی ماں جس کی پردیس میں عمر کی کمائی لٹ جائے۔

جس کی آرزوؤں کا باغ اُجڑ جائے۔

جس کی اُمیدوں کا خُون ہو جائے۔

جس کی ہری بھری گود خالی ہو جائے

جس کی اُمنگوں کا جنازہ نِکل جائے۔

جس کے گھر کی بہار چلی جائے۔ جس کا گھر اُجڑ جائے۔

سیّدہ زینبؑ دونوں لاشوں کے درمیان لیٹ گئیں۔ خاک وخون میں ڈُوبی ہُوئی بچّوں کی لاشوں کو دونوں باہوں میں لیا اور بیہوش ہو گئیں۔

پاکدامن کو پاکدامنیں پاکدامنوں سے ہَوا دے کر ہوش میں لائیں آپ نے آنکھیں کھول دیں۔ اَب پھر دُخترِ علیؑ کے رُوپ میں آگئیں۔ فرمایا اِن کو اِن کے ماموں جان کے پاس بھیج دیں وہ اپنے ہاتھوں سے اِنہیں دفن کر دیں۔

شہزادہ علی اکبرؑ

کی تیّاری

کربلا کے میدان میں ریت آگ کے اَنگاروں میں تبدیل ہُو چکی ہے سُورج آگ برسا رہا ہے زمین آگ اگل رہی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یزیدی فوج کے ظُلم وتشدد کو دیکھ کر سُورج بھی جلال میں آ گیا ہے۔ اور وہ اپنی پُوری حِدّت وتمازت کُرّہٗ ارض پر پھینک کر آج ہی زمین کو جلا دینا چاہتا ہے۔

لیکن جہاں ایک طرف یزیدی فَوج پر آگ برس رہی ہے۔ تین دن کے پیاسے بھی اسی کی زد میں ہیں۔ یُوں مُعلوم ہوتا ہے نُواسہء رسول کو اسی حالت میں امتحان دینا ہے کہ مَیدانِ کربلا عَرصہء محشر کا سماں پیش کرے۔ آفتاب آگ برسا رہا ہو۔ زمین تپ کرتا نبے کی طرح ہو چُکی ہو۔ اور کربلا کی ریت کا یہ عالم ہو کہ اس پر دَانے بُھون لئے جائیں۔

اِمتحان کی بلندی

اے نواسہء رسول تیرے اِمتحان کی بلندیوں کو کون چُھو سکتا ہے۔ کون ہے جو تیری طرح ان مصائب ومُشکلات کو برداشت کرتا ہوا

شکرِ خداوندی کرے۔ کون ہے جو ہر صدمہ کو الحمدُللہ کہہ کر سینے سے لگائے۔

اَے اِمام عالی مقام! یہ تیرا ہی حوصلہ ہے، یہ تیرا ہی جگر ہے کہ پیکرِ تسلیم ورَضا بن کر ہر بلا اور مصیبت کو خُوش آمدید کہہ رہا ہے۔ آج تیرے امتحان کا تصوّر کرتے ہُوئے بھی دِل ڈُوب ڈُوب جاتے ہیں۔

یا امام سلام ہو آپ کو

سلام ہو اَے امام عالی امام! تیرے صبر و تحمّل کو۔

سلام ہو تیری جرأت و جوانمردی کو

سلام ہو تیرے حوصلہ و بُردباری کو

سلام ہو تیری غیرتِ ایمانی کو اور

سلام ہو تیرے عزم واِستقلال کو۔

اَندازہ کریں اِس امام برحقّ پر آنے والی مصیبتوں کے طُوفان کا جس کے ساتھیوں کو ایک ایک کر کے شہید کر دیا گیا اور اَب اُسے میدان میں پکارا جا رہا ہو۔

ایک شیرِ ببر کی زِندگی کو ختم کرنے کے لئے ہزاروں خُونخوار کُتّے اپنے پنجے تیز کر رہے ہیں۔

فضائے شہادت کے ایک شہباز کا لاشہ نوچنے کے لئے یزیدی فوجیں چیلوں اور گِدھوں کی طرح پر تول رہی ہیں۔

عباس علمدارؑ اور علی اکبرؑ کی آمد

فَاطمہؑ کے چاند کے گِرد جن ستاروں کا ہُجوم تھا وہ ایک ایک کر کے شہادت کے اُفق میں ڈُوب رہے ہیں۔ خیموں کے باہر نامُوس محمدؐ کا محافظ عبّاس علمدارؑ ہاتھ میں تلوار لئے حق وصداقت کا پرچم لہرا رہا ہے اور خیموں کے اندر ناموس رسول کا محافظ شبیہہِ رسول عَلی اکبر تلوار لئے کھڑا ہے اور اپنی والدہ کے حضُور میں عرض کر رہا ہے۔ امّی جان مجُھے مَیدان میں جانے کی اجازت عطا کرو۔ میں ابّا حضُور سے بھی اجازت حاصل کرلوں گا۔

حضرت اُمّ لیلیٰ نے فرمایا تُم نَواسہ رسول کو یہیں بُلا لاؤ۔ امام عالی مقام نے پیغام سُن کر دِل پر ہاتھ رکھ لیا اور کر فرمایا الٰہی خَیر ہو۔

پھو پھی سے اجازت مانگو

علی اکبر آپ سے پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ آپ آئے تو۔

حضرت رباب اور جناب اُمّ لیلیٰ نے عرض کیا۔ سرتاج! علی اکبر دیر سے ضِد کر رہے ہیں کہ انہیں میدان میں جانے کی اجازت دی جائے۔ اَب آپ کے فیصلہ پر بات طے ہوئی ہے۔ اِمام عالی مقام نے فرمایا ہماری اِجازت کا سوال بعد میں پیدا ہوگا۔ عَلی اکبر اپنی پُھوپھی سے تو اِجازت حاصل کرلیں اُنہوں نے اُسے پالا ہے اُن کا حق ان پر ہم سے زیادہ ہے۔ اُن سے اجازت حاصل کر کے پھر ہم سے پُوچھنا۔

میں اجازت نہیں دوں گی

جنابِ زینب تو قریب بیٹھی ہوئی یہ گفتگو خاموشی سے سُن ہی رہی تھیں۔ اپنا نام آیا تو علیؑ کی بیٹی پکار اُٹھی، علی اکبر! میں تجھے اِجازت نہیں دوں گی۔ میں نے تجھے اِس دن کیلئے نہیں پالا تھا کہ تیری لاش سے چمٹ چمٹ کر روؤں۔ علی اکبر تیرا صدقہ تو میں دے چکی ہوں۔ میں نے تجھے بچانے کیلئے تو عَون و محمد کو بھیجا تھا۔

علی اکبر! علی کی بیٹی تجھ پر فدا تو ہو سکتی ہے لیکن تجھے میدان میں ہرگز نہ جانے دے گی میں جانتی ہوں جب تیری لاش کو میرا ماں جایا اُٹھائے گا تو اُسکی کمر ٹوٹ جائے گی۔ بیٹا! اب مجھے اِس اِمتحان میں مت ڈالو۔ آپ کی گفتگو یہیں تک پہنچی تھی کہ دِل ڈوب گیا اور آپ بے ہوش ہو گئیں۔

علی اکبر کی والدہ نے کہا بیٹا پھوپھی کے مُنہ پر مُنہ رکھ دو۔ تمہاری زُلفوں کی خوشبو سے انہیں ہوش آجائے گا۔

علی اکبر نے فرمانِ مادر سُنا تو بجائے مُنہ پر مُنہ رکھنے کے قدموں پر منہ رکھ دیا اور اپنے رُخساروں کو پھوپھی کے پاؤں سے ملنا شروع کر دیا رُخسارہ علی اکبر میں کہربائی اثرات تھے یا مسیحانہ اِعجاز تھا۔ جنابِ زینب نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔

بھتیجے کو پاؤں پر رُخسار ملتے دیکھا تو بیتاب ہو گئیں رو کر فرمایا میری

جان پھوپھی تجھ پر نثار ، تیری خدمت کے قربان، تیری اطاعت پر فدا اور پھر اُٹھ کر گلے سے لگالیا۔

پھوپھی ہوش میں آئیں تو ہاتھ جوڑ کر علی اکبر نے اِستدعا کی۔

پھوپھی جان خُدا کیلئے مجھے اِجازت مرحمت فرمائی جائے۔ مجھے آپ خود بھی اِجازت دیں اور ابّا جان سے بھی اِجازت لے کر دیں۔ بھتیجے کو ہاتھ جوڑتے دیکھا تو آنکھیں بھر آئیں۔ حضرت علی اکبر کے اِجازت مانگنے کا انداز ہی ایسا تھا کہ سیّدہ زینب جواب نہ دے سکیں۔

اِجازت مل گئی

ایک لمحہ کیلئے کچھ سوچا اور پھر فرمایا ! جا میرے چاند میں تجھے اجازت دیتی ہوں اپنی ماں سے اِجازت لے لو۔ اور پھر امام حسین سے کہا بھائی جان میں نے علی اکبر کو اِجازت دے دی۔ آپ بھی سینے سے لگا کر آخری بار پیار کرلیں۔ اِمام عالی مقام نے بیٹے کو سینے سے لگا کر فرمایا ! بیٹے بڑا سخت امتحان ہے۔ تیری جوانی ایسی نہیں جسے تلواروں کے سپرد کر دیا جائے میرے لال تو شبیہ رسولؐ ہے ہمشکلِ پیمبرؐ ہے میرے چاند تو !

سروِ رواں ہے گلشنِ زہرا کا پھول ہے

سب سے سوا ہے یہ کہ شبیہ رسول ہے

مگر مجبوری ہے کہ میں تجھے قصابوں میں بھیج رہا ہوں۔ میرے

امتحان کی مجبوری ہے۔ورنہ تُمہیں کبھی خاک اور خُون میں تڑپنے کی اجازت نہ دیتا۔

بیٹے کی قربانی

سُبحان اللہ ! اِس زمین پر ایک وقت ایسا آیا تھا کہ باپ بیٹے کی رضا حاصل کر رہا تھا۔جناب خلیل عَلَیہِ السَّلام کو اللہ تعالیٰ نے خُواب میں حُکم فرمایا کہ پیارے خلیل ہماری رضا کے لئے بیٹے کی قُربانی پیش کرو۔آپ خواب سے بیدار ہوئے تو بیٹے کو حُکم فرمایا مُجھے اِس قسم کا حُکمِ خداوندی مِلا ہے تُمہارا کیا مشورہ ہے۔

قَالَ یٰبُنَیَّ انّیِ اَریٰ فِی المَنَامِ اَنّیِ اَذْ بحکُ فَا نظر مَاذَا تَریٰ

ترجمہ

(فرمایا بیٹے میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تُمہیں ذِبح کر رہا ہوں ۔پس تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے۔

پیغمبر کا بیٹا تھا اور خُود بھی پیغمبر تھا۔نبی پیدا ہوتے ہیں نبی ہوتا ہے۔ جبینِ اقدس میں خُونِ مُحمّدی جلوہ ریز تھا۔عرض کیا ابّا جان حُکمِ خُداوندی کو پُورا کیجئے۔انشاءاللہ آپ مُجھے صابروں میں پائیں گے۔

قا ل یا ابت افعل ماتومر ستجدنی انشاء اللہ

من الصابرین ۔

اور پھر جب ذبح کرنے کا وقت آیا تو بیٹے نے مشورہ دیا۔ ابّا جان! مجھے اوندھے منہ لٹا دیں تا کہ آپ کو میری صورت دیکھ کر رحم نہ آجائے۔ اور پھر کروٹ کے بل لٹا کر بھی جناب خلیل نے اسی جذبہ کے تحت آنکھوں پر پٹّی باندھ لی۔ اور پھر چھری چل گئی اور حقِ قربانی ادا ہو گیا۔ اسمٰعیل کی جگہ جنّت کا مینڈھا ذبح ہو گیا۔ حکمِ خداوندی ہوا خلیل تم امتحان میں کامیاب ہو گئے ہم نے اسمٰعیل کا عظیم فدیہ دے دیا ہے۔

فلما اسلما و تله للجبین ونادینه ان یآ ابراھیم قد صدقت الرویا انا کذالک نجزی المحسنین ان ھذا لھو البلٰوء المبین وفدیناہ بذبح عظیم وترکنا علیه فی الاٰخرین (الصٰفت)

ترجمه

پھر جب دونوں نے حکم کو تسلیم کر لیا اور باپ نے بیٹے کو کروٹ پر لٹا دیا۔ اور ہم نے انہیں آواز دی۔ اے ابراہیم تو نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ اور وہ وقت ہی عجیب تھا ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں۔ بیشک یہ تھا بھی کھلا ہوا امتحان۔ اور ہم نے ایک بڑا ذبحیہ اس کے بدلہ میں دیا اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں یہ

بات رہنے دی۔

بلا شبہ منیٰ کا یہ اِمتحان بھی عظیم تھا اور اِمتحان دینے والی شخصیتیں بھی عُظیم تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے یہ رَسم پیچھے آنے والوں میں رہنے دی۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ

اور لوگ ہر سال اس رسم کو زِندہ بھی کرتے ہیں۔ مگر جس طرح جناب شبّیر علیہ السلام نے اِس رسم کو منایا ہے یہ ان ہی کا حق تھا۔ نُورِ مُحمّدی مُنتقل ہو چکا تھا۔ یہی نُور باپ کی پیشانی میں تھا تو اُس نے بغیر سوچے سمجھے نارِ نُمرود میں چھلانگ لگا دی۔ پھر بیٹے کی پیشانی میں آیا تو بیٹے نے گردن چُھری کے نیچے رکھ دی اور باپ کو آنکھوں پر پٹّی باندھنی پڑی۔ اَب وہی نُور اَولادِ فاطمہ میں مُنتقل ہو چکا ہے۔

اَب باپ میں بھی وُہی اِستقامت ہے اور بیٹے میں بھی وہی اِستقامت ہے۔

وہاں باپ نے پُوچھا تھا بیٹا تُمہاری کیا رائے ہے۔

یہاں بیٹا سوال کرتا ہے ابّا جان مُجھے قُربان ہونے کی اِجازت دی جائے۔

وہاں باپ نے آنکھوں پر پٹی باندھ لی تھی۔

یہاں باپ کو سارا نظارہ آنکھوں سے دیکھنا ہے۔

وہاں باپ کے ہاتھوں میں چُھری تھی،

اور یہاں بیٹا قصابوں میں جا رہا ہے۔

وہاں جن فرائض کی اِبتدا ہُوئی تھی

یہاں ان فرائض کی اِنتہا ہو رہی ہے اِبراہیم کی قُربانی کو اَولادِ ابراہیم پایہء تکمیل تک پہنچا رہی ہے

غُریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہائت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسمعیل

وہ قربانی تھی پہلی اِمتحان گاہِ محبّت میں
رہے دو مُحترم ثابت قدم راہِ محبّت میں

تھی اَب تک سُرخیٔ اَفسانۂ خِلّت یہ قُربانی
مگر دُنیا نے دیکھا کربلا میں مَنظرِ ثانی

جہاں میں مُدّتوں کے بعد پھر اِک اِنقلاب آیا
اُلٹ کر پھر وہی دَورِ خلیلی بے حجاب آیا

ہوا نسلِ خَلیل اللہ میں ابنِ علی پیدا

ہُوئی گلزارِ اِبراہیم میں تازہ کلی پیدا

رضائے حقّ وہاں موقُوف تھی بیٹے کی مرضی پر
وہاں تھی ثُبت مُہر لختِ دِل والد کی عرضی پر

یہاں بیٹا مگر ہے باپ سے اِس بات کا خواہاں
پدر کردے خُدا کی راہ میں بیٹے کو جو قُرباں
﴿حسن رضاؒ﴾

ادھر خلیل علیہ السلام نے جب بیٹے کو قُربان ہونے کیلیے رضامند دیکھا تو آپ انہیں شہر سے دُور الگ ایک ایسی جگہ پر لے گئے جہاں اس منظر کو اُن کی ماں اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکے۔ مگر جب علی اکبرؑ تیاّر ہوتے ہیں تو اِن کی ماں خُود ہتھیار پہناتی ہے۔

اپنی اُولاد سے بھی زیادہ محبّت کرنے والی پُھوپھی جان خُود تیار کرتی ہیں۔ اور علی اکبرؑ کے والدِ گرامی ان کے جسم پر اپنے ہاتھوں سے ہتھیار سجاتے ہیں۔ کیوں کہ تکمیل ذبحِ عظیم تو اِسی کو کہتے ہیں۔

وہاں رسّی سے باندھے ہاتھ پاؤں صبر فرما کر
لٹایا خاک پر بیٹے کو بستی سے الگ جاکر

یہاں اللہ اکبر اندرونِ خانۂ اطہر
بنائے جارہے ہیں خیر سے دولہا علی اکبرؑ

شہادت کا پسر کو باپ خود جوڑا پہناتا ہے
لباسِ جنگ سے جسمِ منوّر کو سجاتا ہے

عبائے سرورِ عالم تھی ڈالی جسمِ اطہر پر
شہِ خیبر کے پٹکے سے کمر باندھی گئی کس کر

سرِ انور پہ رکھّا خود اپنی زرہ پہنائی
بڑھی کچھ اور بھی ہمشکلِ پیغمبر کی رعنائی

سجائے دست و بازو نیزہ و شمشیر و خنجر سے
دعا مانگی اٹھا کر دستِ رحمت ربِّ اکبر سے

(حسن رضا)

خُدا وندِ جہاں مقبُول ہو میرا یہ نذرانہ
الٰہی تحفۂ درویش ہے مقبُول فرمانا
(صائم چشتی)

اور پھر علی اکبرؓ کو مخاطب کر کے آپ نے فرمایا۔ میرے لال! میں تیرے لئے اِستقامت کی دُعا کرتا ہُوں اور تُو میرے لئے اِستقامت کی دُعا کر۔ مُجھے تیری شہادت کا سارا منظر آنکھوں سے دیکھنا پڑے گا اور یہ میرے لئے بہت بڑا امتحان ہے۔ اپنی جان دے دینے سے بھی زیادہ سخت امتحان۔ خُداوندِ کریم دونوں کو اِس امتحان میں کامیاب کرے۔ میرے چاند! ہم دونوں ہی امتحان دے رہے ہیں۔ تُو قُربان ہو کر اِمتحان دے گا اور میں تُجھے قُربان ہوتے ہُوئے دیکھنے کا اِمتحان دُوں گا تیرا قربان ہونا بھی بہت بڑا امتحان ہے اور تُجھے قُربان ہوتے دیکھنا بھی بہت بڑا امتحان ہے۔ خُدا حافظ اللہ تعالٰی تیری قربانی قبول فرمائے۔ میرے چاند تھوڑی دیر بعد ہم بھی آ رہے ہیں۔ اور پھر ہم سب کی حوضِ کوثر پر مُلاقات ہوگی۔

دُعا دے کر کہا نُورِ نظر جاؤ خُدا حافِظ
رہِ حقّ میں عُدو سے جنگ فرماؤ خُدا حافِظ

حضرت علی اکبرؓ نے باپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ ماں کو سلام کیا، پھوپھی کے قدموں کو چُوما اور دیگر اہلِ بیت کو اَلوداعی سلام کہتے ہُوئے خیمہ سے باہر آ گئے۔

عَلی اکبرؑ کی شہَادت

قَدَم باہَر ہوا خیمے سے جب نُورِ مُجسّم کا
حجاب مشرق انوار سے مہر میں چمکا

علی کے لال کالال، خُدا کے شیر کا شیر، ہمشکلِ پیغمبر شہزادہ علی اکبرؑ جب نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہُوئے مَیدان کارزار میں گیا تو عمر وسعد نے اپنے سواروں کو حملہ کرنے سے روک دیا۔ اپنا گھوڑا آگے بڑھایا اور جناب علی اکبرؑ کے قریب آ گیا۔

اور پھر شہزادہ حُسینؑ کو اِس طرح مخاطب کرتا ہے۔ علی اکبرؑ مُجھے تیری جوانی پہ ترس آ گیا ہے۔ اور تیری شکل بھی رسول اللہ سے مِلتی ہے۔ اسلیئے میری خواہش ہے کہ تُم اپنی اُٹھتی ہوئی جوانی پہ رحم کرو۔ اور میرا ایک مَشورہ مان لو بہت نفع میں رہو گے۔

سوال و جواب

حضرت عَلی اکبرؑ نے فرمایا تُم کیا کہنا چاہتے ہو۔ عُمر و نے کہا کہنا یہ چاہتا ہُوں کہ تُم اپنے باپ کا ساتھ چھوڑ کر میری طرف آ جاؤ۔ میں تُمھیں مُکمل امان دیتا ہوں۔ میں ابن زیاد وغیرہ سے ہر قیمت پر تُمھیں بچا لُوں گا۔ تُم اہلِ

بَیت کے چشم و چراغ ہو۔ اِس لئے جلد ہی لوگوں کی نِگاہوں میں اچھا مقام حاصل کر لو گے۔ میں تمہیں بہت زیادہ مال و دَولت بھی دُوں گا۔ تُم بہت خُوبصورت ہو اِس لئے میں نہیں چاہتا کہ تم قتل کیے جاؤ۔

شہزادہ علی اکبرؑ نے فرمایا!

لَاحَولَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّابِاللّٰه العَلِی العَظِیم

تُو شیطان ھے

شَیطان تُجھ میں شَیطانی رُوح تحلیل ہوگئی ہے۔ تُو مُجھے اُسی طرح دھوکہ دینا چاہتا ہے جس طرح ابلیس نے حضرت ذَبیح اللہ کو پٹّی پڑھانا چاہی تھی۔

مَردُود مُجھے ابنِ رسولؐ کا ساتھ چھوڑنے کو کہتا ہے بَدطِینت جان رسولؐ کو قتل کرنا چاہتا ہے اور تَصویر رسولؐ کو بچانا چاہتا ہے۔

سَعید باپ کے شَقی القَلب بیٹے! میں تیری طرح نہیں ہُوں کہ اپنے باپ کا دامن چھوڑ دُوں۔ تیرا باپ جانِ رسولؐ کی ڈھال بنا ہُوا تھا اور تُو جانِ رسولؐ پر تیر برسا رہا ہے۔

بَدفِطرت ظَالم! تُمہارا یہ خیال ہے کہ تُم نَواسہ رسولؐ کو شہید کر کے حکومتوں کے مالک بن جاؤ گے

تُمہارا یہ خیال بھی لَغو ہے کہ تُم ہمیں شہید کر کے فتح یاب ہو جاؤ گے۔

فتح حقؔ کی ہوتی ہے

یاد رکھو! فتح حقؔ کی ہوتی ہے اور حقؔ ہمارے ساتھ ہے۔ ہم قتل ہو کر بھی اِنشاء اللہ فاتِح کہلائیں گے اور تُم ہمیں شہید کر کے بھی اپنے دامن میں شکست کی سیاہی لے کر جاؤ گے۔ عُمرو نے کہا جو بھی ہوگا دیکھا جائیگا۔ میں نے ایک اچھا مشورہ تمہیں دیا تھا قبول کرنا یا نہ کرنا تمہاری مرضی ہے۔ دیکھو تُمہیں پیاس نے کس طرح نڈھال کر رکھا ہے۔ ہمارے ساتھ مل جاؤ گے تو ٹھنڈے پانی کے مشکیزے تُمہارے سامنے ہوں گے۔ حضرت علی اکبرؑ نے فرمایا خاموش ہو جاؤ اَب کوئی مشورہ نہ دینا اور سُن لے کہ:۔

خَواہش پہ ہمیں ٹُوٹ کے گِرنا نہیں آتا
پیاسے ہیں مگر چشمۂ کوثر پہ کھڑے ہیں

اور پھر بلند آواز سے فرمایا:۔

اَنَا عَلِیُ بِنْ حُسَیَن بِن عَلِیِ
نَحُنُ وَرَبّ اَلبَیت اَولٰی بِاالنَّبِی
تا اللّٰہ لَایَحُکم فِینَا اِبن الدعی

میں علی اکبرؑ بن حسینؑ بن علیؑ ہوں۔
رَبّ کعبہ کی قسم ہم قربت رسولؐ کے زیادہ مستحق ہیں۔
خدا کی قسم نامعلوم باپ کا بیٹا ہم پر حکومت نہیں کر سکے گا

یزیدیوں کا حملہ

اور پھر عمرو سے کہا اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔ ہاں اگر مقابلہ کی ہمّت ہے تو آگے بڑھ آؤ۔ تاکہ تُم پر اچھّی طرح واضح ہو جائے کہ حق کس طرف ہے۔ عُمر وسعد نے مجاہدانہ للکار سُنی تو کانپ کر رہ گیا اور پھر اپنی فوج کو اِشارہ کردیا کہ آگے بڑھ کر حملہ کردو۔

یزیدیوں نے پُوری قوّت سے حملہ کیا تھا مگر سامنے تو عُزم ویقین کی چٹان تھی۔

طاقت وجُرأت کا پہاڑ تھا،

غَیرت واِیمان کی سِیسہ پلائی ہُوئی دیوار تھی۔

حملہ آوروں کو جلد ہی معلوم ہوگیا کہ مقابلہ کس سے ہے۔ علی اکبرؑ کی تلوار تھی یا قہرِ خُداوندی۔ کُشتوں کے پُشتے لگا رہی تھی۔ جِدھر پڑتی خُون کی برسات ہوجاتی۔

بجلی سی وہ شمشیر چمکتی جدھر آئی
ہر غول میں بوچھاڑ سروں کی نظر آئی

ٹپکا جو لہو منہ سے شرارے نکل آئے

دَریا سے گُہر ،اَبر سے تارے نکل آئے

سر پر کبھی چمکی تو جگر تک اُتر آئی
سینے کو کیا چاک تو زیرِ کمر آئی

بجلی نے پناہ مانگی یہ کام وہ کر آئی
خُود رُوحوں کو سکتہ تھا کب آئی کدھر آئی

رَہوار کو کاٹا نہ رُکی خانۂ زِیں پر
گویا کہ گری چرخ سے اِک بَرق زمیں پر

غُل تھا کہ تیر پھینک دو بھالوں کو ہٹاؤ
نزدیک سے چار آئینہ وَالوں کو ہٹاؤ

تادُور زرہ پوش رسالوں کو ہٹاؤ
ہے سر پہ بلا آہنی ڈھالوں کو ہٹاؤ

میدان میں تلوار بنی پھرتی ہے بجلی

سُنتے ہیں کہ لوہے پہ بہت گرتی ہے بجلی

(میرانیس)

جہاد اکبر ہو رہا ہے

تیغِ اکبرؑ چل رہی ہے۔ جہادِ اکبر ہو رہا ہے۔ ربِّ اکبر دیکھ رہا ہے۔ فرشتے دَاد دے رہے ہیں حُوریں وَاہ وَاہ کہہ رہی ہیں۔ سُورج حیدرِ کرارؑ کے پوتے کا جلال سمیٹ سمیٹ کر اور گرم ہوتا جا رہا ہے۔

آثار قہر حضرتِ باری تھے دشت میں
دوزخ میں دوزخی تھے کہ ناری تھے دشت میں

جو نامور بڑے تھے جگر اُن کے پھٹ گئے
باگیں جو ڈر کر کھینچ لیں گھوڑے اُلٹ گئے

(میرانیس)

شہدا کا خُون چاٹ چاٹ کر دُھوپ کا رنگ آگ کے شُعلوں کی طرح سُرخ ہو چکا ہے۔ جناب علی اکبرؑ کی ضربیں برابر دُشمنوں پر پڑ رہی ہیں یزیدی فوج قمرِ بنی ہاشم کے آگے اِس طرح دوڑ رہی ہے جیسے چاند کے آگے آئے ہوئے بادل تیز ہوا کی زَد سے اُڑتے پھرتے ہیں۔ علیؑ کا شیر جب یاعلیؑ کا نعرہ لگاتا ہے تو دُشمنوں کو تھرتھری آجاتی ہے۔

اَبرِ سیہ سے برق کا جلوہ رُکا نہیں
مَوجوں کے دَام سے کبھی دَریا رُکا نہیں

(میر انیس)

گھوڑے زخمی ہو رہے ہیں۔ سوار گر رہے ہیں۔ حیدؑر کا شیر تین دن کا پیاسا ہے پسینے میں شرابُور ہے۔ مگر قُوّتِ پروردگار کا وہ مظاہرہ کرتا ہے کہ حیدرِ کرارؑ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ دُشمنوں کے سر بھی کٹ کٹ کر گر رہے ہیں۔ اور ان کے ہتھیار بھی ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہیں۔ ریت کے بگولے اُڑ رہے ہیں۔ ہَوا آتی بھی ہے تو آگ کی طرح گرم اور کربلا کی دوپہر اَلاَمَانُ وَالحَفِیظ

یُوں کربلا کی دُھوپ تھی گردو غُبار میں
ہو جس طرح کفن کی سفیدی مزار میں

اکبر کا جسم پیاس کی حدّت سے گرم ہے
جنگل تمام دِل کی حرارت سے گرم ہے

دامن پھٹے پڑے تھے نشانوں کے جابجا
ٹکڑے چمک رہے تھے سنانوں کے جابجا

علی اکبر باپ کی خدمت میں

بے پناہ زور کا حملہ تھا۔ دشمنوں کو ہوش نہیں تھا اُن کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ شبیرؑ کے چاند نے شام کے بادلوں کا سینہ چیرتے ہوئے گھوڑے کی عنان موڑ لی۔ اور چشمِ زدن میں اِمام عالی مقام کے حضور پہنچ گئے۔

اِبنِ حیدرؑ کے دربار میں ہدیہءِ سلام پیش کیا اور عرض کیا! اَبّا حضور کاش دو گھونٹ پانی مِل جاتا تو میں اِن درندوں کو ختم کر کے دم لیتا۔

شبیرؑ نے سرد آہ بھر کر فرمایا بیٹا! پانی تو اَب حوضِ کوثر پر ہی ملے گا۔ آپ کو یہ فرض بغیر پانی پیئے ہی اَدا کرنا ہے۔

علی اکبر کا پیغام بھن کے نام

علی اکبرؑ نے سرِ نیاز جھکایا اور واپس مُڑ گئے دل میں کِسی کی یاد نے انگڑائی لی تو رُخِ اَنور مدینہ منّورہ کی طرف کر لیا۔ اور کہا! پیاری بہن مُجھے معاف کر دینا۔ مَیں تیرے ساتھ کیا ہوا وعدہ پُورا نہ کر سکا۔ صُغریٰ! مُجھے معلوم ہے کہ اَب تُو میرا انتظار کر رہی ہے۔ پیاری ہمشیر مَیں جانتا ہوں کہ تُو علی اصغرؑ سے ملنے کیلئے کسقدر بے چین ہے۔ مگر قُدرت کو یہی منظور تھا کہ میں تیری جُدائی کے غم کا داغ سینے میں لیکر دُنیا سے جاؤں۔

پیاری بہن! اگر تُو میرے لئے بیقرار ہے تو میرا سینہ بھی تیرے غم سے فگار ہے۔ پھر بھی میں تجھ سے معافی مانگتا ہوں، مُجھے معاف کر دینا

صُغریٰ بہن مجھے معاف کر دینا۔

اور پھر آپ میدانِ کارزار میں اُسی طرح سیفِ حیدری کے جوہر دکھانے لگے جس طرح پہلا حملہء حیدری کیا تھا۔

ہمشکلِ پیمبر حملے کر بھی رہا ہے اور حملے روک بھی رہا ہے۔ آپ پر تلواریں بھی برس رہی ہیں اور تیر بھی برس رہے ہیں۔ برچھیاں بھی اُٹھ رہی ہیں اور نیزے بھی چل رہے ہیں۔ جسمِ اقدس پر کئی زخم آ چکے ہیں۔

وہ گُلعذارِ فاطمہ خاروں میں گھر گیا
تنہا علیؑ کا لال ہزاروں میں گھر گیا

(میر انیس)

صُغریٰ کو ہوا کے ہاتھوں پیغام بھیجنے والا علی اکبر زخموں سے چُور چُور ہو چکا ہے۔ موت حیاتِ اَبدی کا پیغام لیکر آگے بڑھتی آتی ہے حیاتِ ظاہری کا دائرہ تنگ سے تنگ تر ہوتا جاتا ہے۔

مَوت بڑھتی آرہی ہے حیات سمٹتی جارہی ہے، اکبر جارہے ہیں صُغریٰ اِنتظار کر رہی ہے۔

ایدھر اَکبر تے چلّ گئیاں ظُلم دِیاں شمشیراں
اودھر بھین اُڈیکاں کر دی خط نئیں گھلّیا ویراں

ناز ک جسم جوان اکبر دا وِنھیا خُونی تیراں
چیریاں خُونی تیغاں صائمؔ نبی دیاں تصویراں
﴿صائمؔ چشتی رح﴾

رشکِ قمر گرا

حیدرؑ کا شیر زخموں کے باوجود اُسی دَم خم سے تلوار چلا رہا ہے کہ مرہ بن منقذ عبدی ملعون نے تلوار کا ایسا وار کیا کہ شبیہ رسُول لڑکھڑا کر گھوڑے سے نیچے گر گئے۔

حُوروں نے کہا! حیدر کے آفتاب کا رشکِ قمر گرا
فرشتے پُکار اُٹھے! زہرا کے نُورِ عین کا نُورِ نظر گرا

ہمشکلِ پیمبر کے چمکتے ہُوئے منّور سینے پر زخم اِس طرح معلوم ہو رہے تھے جیسے ساحلِ سلسبیل پر سُرخ جوڑے پہن کر حوُریں بیٹھی ہوں،
جیسے سنگِ مرمر پر یاقُوت ومرجان کی مِینا کاری کر دی گئی ہو،
جیسے سُورج کے چہرے پر اَفشاں چُن دی گئی ہو،
جیسے لوحِ محفوظ پر زعفران سے قُرآن کی آیات لکھ دی ہوں،
جیسے چاند پر گُلاب کھِل اُٹھا ہو، جیسے آئینے پر پُھول بکھیر دیئے گئے ہوں۔

زخم اِس شکل سے آتے تھے نظر سینے میں
جس طرح پھول بچھا دیتے ہیں آئینے میں

سخت امتحان

اور پھر عمرؐ و بن سعد اور شمر کی مکروہ آوازیں فضا میں اُبھریں۔ حسینؑ جوان بیٹے کی لاش اُٹھالو۔ ابھی یزید کی اطاعت نہ کرنے کا مزہ اور بھی چکھنا پڑے گا۔

اِمامِ عالی مقام آگے بڑھ آئے، بڑا سخت اِمتحان تھا، بڑا مشکل وقت تھا، اِنتہائی آزمائش و اِبتلا کی گھڑیاں تھیں۔ ابھی آپ نے قدم اُٹھایا ہی تھا کہ جنابِ زینبؑ خیمہ سے چیختی ہُوئی باہر نکل آئیں۔ آپ کی فریاد پر کربلا کا ذرّہ ذرّہ فریاد کرنے لگا۔ آپ نے آگے بڑھ کر بہن کا ہاتھ پکڑ لیا۔

پیاری بہن! صبر کرو اور واپس خیمے میں تشریف لے جاؤ۔ تُم علیؑ کی دختر ہو علیؑ کے حوصلے سے کام لو، تُم فاطمہ کی بیٹی ہو فاطمہ کا صبر دکھاؤ۔ جاؤ میری ہمشیر حُسینؑ کو نئے اِمتحان میں نہ ڈالو میری تو پہلے ہی کمر ٹُوٹ چکی ہے جنابِ زینب روتی پڑتی واپس چلی گئیں۔

اِمام حُسینؑ جوان بیٹے کی لاش پر پہنچے۔ صُبح سے لاشیں اُٹھا رہے تھے مگر یہ ہمشکلِ پیمبر کی لاش ہے، شبیہ مصطفیٰ کی لاش ہے۔ اِنتہائی مشکل اِمتحان ہے

جنابِ خلیلؑ سے بھی زیادہ مشکل جب اُن پر بیٹے کی لاش اُٹھانے کا وقت آیا تو بیٹا سامنے مسکرا رہا تھا اور مینڈھا ذبح ہو چکا تھا۔ مگر امام عالی مقام کے سامنے جوان بیٹا خُون میں لت پت پڑا ہے۔

آزمائش کی گھڑی

کس قدر شدید آزمائش کی گھڑی ہے۔ صبر کے دامن کو بھی داغدار ہونے سے بچانا ہے اور شبیہہِ مصطفےٰ کی لاش کو بھی اُٹھانا ہے۔ جوان بیٹے کی میّت کو اٹھانا ہے اُمنگوں اور آرزوؤں کے جنازہ کو اُٹھانا ہے۔ کیسے اُٹھاتے کمر تو ٹوٹ چکی تھی۔ کمائی تو لُٹ چکی تھی، ارمان تو اُجڑ چکے تھے۔ جان تو نکل چکی تھی، زور تو ختم ہو چکا تھا زینب کے گھر کی روشنی تو شام کے اندھیروں نے چھین لی تھی۔

قوّت تھی جس کی دِل کو اُسی کا ہے دِل پہ داغ
جو گھر کی روشنی تھا وہ تھا بُجھ چکا چراغ

دستِ الَم سے جیبِ قَبا تار تار ہے
ٹُوٹی ہُوئی کمر ہے کلیجہ فِگار ہے
(میر انیس)

امام عالی مقام کے دل پر گزرنے والی کیفیّت کو کس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔

گھر جس شکستہ دِل کا لُٹے اُس سے پُوچھیے
اکبر سا لال جس کا چُھٹے اُس سے پُوچھیے

تصویر مصطفی خون میں ڈوب گئی

اٹھارہ سال جس بُوٹے کو آرزوؤں کا پانی دے کر پالا تھا وہ تو کٹ چُکا ہے جسے بڑھاپے کا سہارا بننا تھا وہ عصا تو ہاتھوں سے چھوٹ چکا ہے۔ آنکھوں کا نُور چِھن چُکا ہے۔ بینائی کیسے کم نہ ہوتی۔ راحتِ جاں نے تو دم توڑ دیا ہے راحت کہاں سے آتی۔ تصویرِ مُصطفےٰ تو خُون میں ڈُوبی ہوئی ہے دُنیا اندھیر کیوں نہ ہو جاتی۔

کاہش ہے جان کے لئے رشکِ قمر کا داغ
روزِ سیاہ دِکھاتا ہے نُورِ نظر کا داغ

(میر انیس)

پیری کا جو عصا تھا وہ ہاتھوں سے چُھٹ گیا
اِک عُمر کا ریاض ضعیفی میں لُٹ گیا

راحت کہاں کہ راحتِ جانِ پدر نہیں

بینائی کیوں نہ کم ہو کہ نُورِ نظر نہیں

تصویر مٹ گئی جو رِسالت پناہ کی
دُنیا اَندھیر ہو گئی آنکھوں میں شاہ کی

بہرکیف! قافلہ سالارِ عشق اور مرکزِ پُرکارِ عشق اِمتحان گاہِ عشق میں اپنی آرزوؤں کا لاشہ اُٹھانے کے لئے آگے بڑھے اور

جُھک کر کبھی کی آہ کبھی دِل کو سنبھالا
بِسمل نے تڑپتے ہُوئے بِسمِل کو سنبھالا
(مِیر مُونس)

امام کی دُعا

اور پھر پیکرِ صبر ورضا اور مجسّمۂ تسلیم واستقامت نے جوان بیٹے کی خاک وخون میں لتھڑی ہُوئی لاش کو کندھوں پر اُٹھالیا۔ اُٹھایا پر اُٹھایا نہ جاتا تھا بارگاہ خداوندی میں عرض کیا:۔

الٰہی میرا یہ نذرانہ قبول فرمالے۔

حسینؑ کے گھر میں سب سے پیاری چیز یہی تھی جو بصدِ عجز وخلوص

پیش کررہاہوں۔

یا اللہ تُو نے مُجھ سے امانتیں مانگی تھیں میں واپس کررہاہُوں۔ میرا نام اَمینوں میں لکھ لینا۔

اَے اَحکم الحاکمین مُجھے میرے ناناؐ کے حضور سُرخرو کردینا۔

یا اللہ میری مَاں فاطمہؑ کی رِدائے صبر پر داغ نہ آنے دینا۔

یا اللہ مُجھے اور بھی صبر و اِستقامت عطا فرما یہ دُعا کرتے ہُوئے شہیدوں کے سَردار لاشہ اکبرؑ کو لے کر پاکدامنوں کے خیمہ کے اندر پہنچ جاتے ہیں۔

جدوں لاش اکبردی خیمے چہ آئی
سکینہ نے روروکے پائی دوہائی

ہٹو اگوں مینوں وی ویکھن تے دیو
کیویں سہرے لا میرا ویر آگیا اے

تک وِیرن دے لاشے تائیں تڑپ گئی ہمشیرہ
اِک تے گل اخیری کرلے بھین لُٹی دیا وِیرا

قیامت کی گھڑی

جنابِ سکینہ بھائی کی لاش سے چمٹ جاتی ہیں اور بھائی کی لاش سے مل مل کر چہرہ خُون آلود کر لیتی ہیں۔ جنابِ اُمّ لیلیٰ نے جوان بیٹے کا لاشہ دیکھا تو کلیجے پر ہاتھ رکھ کر بے ہوش ہو گئیں۔ جنابِ زینبؑ بھتیجے کی لاش پر گری ہُوئی فریاد و فغاں کر رہی ہیں۔ جنابِ شہر بانو الگ تڑپ رہی ہیں۔ بیمار عابد کو بُخار کی تیزی اور شدّت پیاس نے بیہوش کر رکھا تھا۔ پاکدامنوں کی دردو اَلم میں ڈوبی ہُوئی فریاد نے بے ہوشی کے جال کو توڑ دیا۔

بڑی مُشکل سے اُٹھ کر بیٹھ گئے اور جوان بھائی کا لاشہ دیکھا تو ہائے اکبر کہہ کر تڑپنے لگے امام عالی مقام نے آگے بڑھ کر تسلی دی۔ جنابِ زین العابدین نے باپ کی طرف دیکھا تو آنسو آ گئے۔

سُرخ سُرخ آنسو بالکل خُون کے قطرے۔ یُوں مَعلوم ہوتا تھا جیسے کلیجہ کٹ کٹ کر آنکھوں کے راستے بہنے لگا ہو۔

اِمام عالی مقام نے دستار کے پلڑے میں بیٹے کے آنسو جذب کیے تو کپڑے پر بھی جنابِ سجّاد کے آنسوؤں کے سُرخ دھبے آ گئے۔ خُدا ہی جانتا ہے کہ اِمام عالی مقام نے بیٹے کی آنکھوں سے بہنے والے خُون کا صدمہ کس طرح برداشت کیا ہوگا۔

آپ نے بیٹے کو سہارا دے کر لٹایا، پاکدامنوں کو صبر کی تلقین فرمائی

اورعلی اکبرؑ کی لاش کو دفن کر دیا۔

اِنا للّٰہ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ

یارب کسی کا نخلِ تمنّا قلم نہ ہو
سب دکھ ہوں پر فراقِ پسر کا الم نہ ہو

حضرت علی اصغرؑ کی شہادت

کون اندازہ کرسکتا ہے اس المناک منظر کا اور کون قلمبند کرسکتا ہے اُس دردناک نظارے کو کہ اِدھر تو امام عالی مقامؑ کے ساتھی ایک ایک کر کے داغِ مُفارقت دیتے جارہے ہیں۔ اور ان شہدا کی لاشوں کے ٹکڑے میدان جفا میں بکھرے پڑے ہیں اور دُوسری طرف محمدؐ مصطفےٰ کی بہو بیٹیاں اِس ہولناک اور وحشت ناک نظارے کا پردوں کی اوٹ سے مشاہدہ کررہی ہیں ان کی مصیبت کا تصّور کرتے ہوئے بھی دل تڑپ جاتے ہیں۔ بدن کا رُواں رواں کانپ اُٹھتا ہے اور آنکھیں اشک بار ہوجاتی ہیں۔

اِمام عالی مقام کی کیفیّت

اور پھر محمد عربیؐ کے نواسے کے دِل کی کیفیّت کو کس طرح بیان کیا جاسکتا ہے جس کے ساتھی بھی ایک ایک کر کے بچھڑتے جارہے ہیں۔ اور جس کو پردہ نشینوں کا بھی غم ہے۔ جن کی دَبی دَبی چیخیں اور سسکیاں خیموں سے بار بار اُبھرتی ہیں اور کربلا کی فضاء کو غم آلود کر کے دَم توڑ دیتی ہیں۔

خیمہ کا اندرونی منظر

خیمہ کا اندرونی منظر میدانِ کربلا سے بھی زیادہ رقت انگیز اور دردناک ہے۔ تمام بیبیاں زاروقطار رو رہی ہیں اور حسرت ویاس سے ایک دوسری کا منہ دیکھ رہی ہیں۔ سیدہ زینب الگ تڑپ رہی ہیں، جنابِ اُمّ لیلیٰ اور جنابِ شہربانو الگ فریاد و فغاں کر رہی ہیں۔ سب کے لب سوکھے ہوئے اور رو رو کر آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے ہیں جنابِ شہربانو نے ایک ننھا سا بچہ ہاتھوں پر اُٹھایا ہوا ہے اور اس بچے کی حالت یہ ہے کہ:۔

تھا فرطِ غم سے ننھا سا منکا ڈھلا ہوا
باندھے ہوئے تھا مٹھیاں اور منہ کھلا ہوا

جنابِ اُمّ لیلیٰ اُس کو دامن سے ہوا دے رہی تھیں اور جنابِ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا اپنی خشک زبان پر اُنگلی پھیر پھیر کر اُس کے لبوں پر پھیر رہی تھیں۔

ماں کی اِلتجاء

اِمام عالی مقام نے ننھے سے پھول کو اِس طرح مرجھایا ہوا دیکھا تو شدتِ غم سے آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ۔ پھر جذبات پر قابو پاتے ہوئے فرمایا! خدا آپ سب کو صبر کی توفیق عطا کرے، مجھے کیوں بلایا ہے ؟

جنابِ شہر بانو نے عرض کیا یا امام !ایک طرف میرے زین
العابدین کو شدّت کا بُخار چڑھا ہوا ہے اور وہ جب بُخار کی بیہوشی میں پانی کا
سوال کرتا ہے تو ہم سب تڑپ کر رہ جاتی ہیں ،اور دُوسری طرف اس ننھی سی
جان کا یہ عالم ہے کہ شدّتِ پیاس سے بار بار بیہوش ہو رہا ہے۔

میں اپنے غیور سرتاج کی غیرت کا مقام سمجھتے ہُوئے بھی یہ التجاء
کروں گی کہ آپ اِس بچے کیلئے دو گھونٹ پانی کا ضرور انتظام فرمائیں۔

چلو سے زیادہ تو یہ پیاسا نہ پئے گا (میر مونس)

اِمام عالی مقام نے فرمایا !اُے میری رفیقۂ حیات کاش تُو مجھے اِس
اِمتحان میں نہ ڈالتی میں نے تو آج تک کسی کے آگے دستِ سوال دراز ہی
نہیں کیا۔ پھر میں کس طرح قومِ اشقیا سے پانی مانگ سکوں گا ، مُجھے تو سوال
کرنے کا طریقہ ہی نہیں آتا ، میں تو سخی ابنِ سخی ہُوں ۔ہم تو دوسروں کے
سوال پورے کرنے اور سائلوں کی جھولیاں بھرنے کے لئے دُنیا میں آئے
ہیں اور پھر ان اَدنیٰ اور شقی القلب لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا تو میرے
لئے نہائت دشوار ہے۔

جنابِ رباب ہاتھ جوڑ کر کھڑیں ہو گئیں اور کہا !سرتاج میں جانتی
ہُوں کہ آپ سخی ابنِ سخی ہیں اور اِس لئے ہی آپ کے درِ اقدس پر سائل بن کر
کھڑی ہُوں۔ آپ نے کبھی کسی سائل کا سوال مُسترد نہیں فرمایا میں آپ کو
خُدا اور رسول کا واسطہ دیتی ہوں ،جنابِ علی شیرِ خُدا کا صدقہ مانگتی ہوں اور

جنابِ زہرا بتول کی ردا کا صدقہ مانگتی ہوں، مجھے محروم نہ فرمانا اے گلِ ریاضِ بتول اور شمع ءِ شبستانِ رسول مجھے مایوس نہ کرنا۔ میں اپنے لئے نہیں، بیمار عابد کیلئے نہیں، بناتِ بتول اور پیاس سے کی شدّت سے تڑپتی ہوئی سکینہ کیلئے نہیں صرف اور صرف اِس بچّہ کیلئے ایک گھونٹ پانی مانگتی ہوں۔

آپ اِسے گود میں اُٹھا کر لے جایئے اور دُشمنوں سے فرمادیجئے کہ ہم اپنے لئے نہیں مانگتے صرف اِس دم توڑتے بچّہ کے لئے دو گھونٹ پانی دے دو اس نے تو تمہارا کوئی نقصان نہیں کیا۔ جنابِ زینب وکلثوم اور جنابِ اُمِّ لیلیٰ نے بھی رو کر جنابِ رُباب کی تائید کی۔

بیٹی کی اِلتجاء

حضرت سکینہ کے ہونٹ خشک ہو رہے تھے اور وہ خود بھی پانی کے ایک گھونٹ کے لئے بیتاب ہو رہی تھیں۔ حضرت سکینہ کا گلا بھی خشک اور زبان بھی خشک تھی شدّتِ پیاس سے آنکھیں اُبلی پڑی تھیں اور بار بار غش آرہا تھا۔ مگر ہمّت کر کے آگے بڑھتی ہیں اور والدِ گرامی کے قدموں پر سر رکھ دیتی ہیں۔ گلے پر ہاتھ پھیر پھیر کر گلا صاف کر کے بمشکل تمام یہ عرض کرتی ہیں۔

ابّا جان! امّی سچ کہتی ہیں، پھوپھی ٹھیک کہتی ہیں میں اپنے لئے پانی کا سوال ہرگز نہ کروں گی آپ میرے ننّھے ماں جائے کیلئے دو گھونٹ پانی مانگ لائیں۔ جس کے بھیّا قاسم اور اکبر پانی کے بغیر شہید ہو گئے۔ وہ پانی

کیا مانگے گی، مُجھے نہیں آپ میرے اصغر چاند کو ایک گھُونٹ پانی پلا دیں اسے خُوش دیکھ کر میری پیاس خُود ہی بُجھ جائیگی۔

بچّی کی گفتگو نے اِمامِ مظلوم کو لرزا کر رکھ دیا اور پھر آپ نے ٹھنڈی آہ بھر کر معصوم کو گود میں لیکر بارگاہِ ایزدی میں عرض کیا۔ یا اللہ! مُجھے ناموسِ محمد نے تیرا واسطہ دے کر مجبور کر دیا ہے۔ یا اللہ تُو نے مُجھے دُوسرں کا سائل بننے سے محفوظ رکھا ہے۔ یا اللہ مُجھے اِستقامت نصیب فرما اور آپ اپنے خیمے سے باہر آ گئے۔ اَصغر کو دونوں ہاتھوں پر اُٹھایا ہوا تھا۔

اَصغر تھا اُیسے سبطِ پیمبرؐ کی گود میں
قُرآں ہو جیسے ہاتھ میں قُرآں لئے ہوئے
(صائمؔ چشتیؒ)

پھر آپ ننھے اَصغر کے لبوں پر اُنگلی پھیرتے ہوئے اِس طرح مخاطب کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں اَے غُنچہ دہن اَے میرے پیا سے
بتلاؤ مُجھے کیا میں کہوں اہلِ جُفا سے

کُھلتی ہی نہیں میری زباں فرطِ حیاء سے
میں نے تو جو مانگا ہے وہ مانگا ہے خُدا سے

اَدنیٰ سے سخی مانگے یہ دُستور نہیں ہے
اَب صبر کرو نہر کہیں دُور نہیں ہے

معصوم کو پانی دے دو

اور پھر آپ آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتے ہُوئے آگے بڑھ رہے ہیں یزیدی فوج اپنے اپنے مقام پر رُک جاتی ہے۔ ہر شخص اِمام عالی مقام کا اس اَنداز سے میدان میں آنا حیرت سے دیکھ رہا ہے، شدّت کی گرمی ہے، آگ برساتی ہُوئی زجسموں کو جُھلتی جا رہی ہے ننّھا سا پھُول اور بھی مُرجھایا جاتا ہے آپ نے اُس پر دامن کا سایہ کیا ہُوا ہے۔

شاہ روکتے ہیں دھوپ کو دامانِ عَباء سے
ٹھُنڈا ہُوا جاتا ہے بَدَن گرم ہَوا سے

﴾انیس﴿

اِمام عالی مقام کے ہاتھوں میں معصوم علی اصغر کو دیکھ کر رضوانِ جنت ایک دُوسرے کو یوں کہتے تھے۔

وہ دیکھو اُدھر شہِ والا کے پسر کو
خُورشید نے ہاتھوں پہ اُٹھایا ہے قمر کو

فرشتے دیکھ رہے ہیں

حُوریں اور فرِشتے دَم بخود ہو کر اِس منظر کو دیکھ رہے ہیں کہ دیکھیں فاطمہؑ کا لال کس طرح سوال کرتا ہے یہ سب کیلئے اَنوکھی بات تھی۔ جس نے کبھی سوال نہیں کیا تھا وہ سوال کرنے کے لئے جا رہا ہے، جو کوثرؔ اور سلسبیل کے چشموں کا مالک ہے وہ ایک گھونٹ پانی اُن سے طلب کرنے جا رہا ہے جو اُس کے جوان بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں اور بیٹوں کو خُون میں نہلا چکے ہیں۔

پیکرِ سخاوت نے سوال کیا کرنا تھا تصویرِ شہادت کے خاکہ کو مکمل فرمانا تھا۔ خُدا تعالیٰ کی امانت کو دربارِ خُداوندی میں واپس کرنا تھا، خدا تعالیٰ نے اَمانتیں واپس مانگی تھیں شبیر بصد خلوص و نیاز پیش کر رہے تھے۔ آپ علی اَصغر کے لئے بھی پانی کا سوال کر کے بھی کسی کا سوال پُورا کر رہے تھے۔ جنابِ زینب کا سوال، جنابِ رُباب کا سوال، جنابِ اُم لیلیٰ کا سوال جنابِ سکینہ کا سوال۔ سخی ابنِ سخی تھا سخیہ کا بیٹا تھا کیسے سوال رد کرتا اُن کا سوال تو پُورا کر دیا مگر خُود سوال کرنا کب آتا ہے۔ سوال کرنے کے عادی ہوتے تو یزیدیوں سے پانی ضرور حاصل کر لیتے۔ مگر حُسینؑ تو صرف اور صرف خُداوندِ ذُوالجلال کے سائل تھے۔ آپ قومِ اشقیا سے ذرا ہٹ کر رُک جاتے ہیں علی اصغر کو دامن میں چھپایا ہوا ہے اور فرماتے ہیں۔

اِن پھول سے رُخساروں کے کملانے کو تو دیکھو
گہوارے سے مَیداں میں چلے آنے کو تو دیکھو

اِن سُوکھے ہوئے ہونٹوں کے مرجھانے کو تو دیکھو
غش آنے کو اور سانس اُلٹ جانے کو تو دیکھو

ناحقّ ہے عداوت تمہیں نازوں کے پلے سے
پھر دو گے تو پانی بھی نہ اُترے گا گلے سے

صدائے سروش

صدائے سروش آئی، حسینؑ! اپنے معصوم کو دامن کی ہوا دے لو اِس کے خشک ہونٹوں پر اپنی خشک زبان پھیر لو، اِس کی جبین کو بوسہ دے لو، اِس کی گردن چوم لو، اِس سے پیار کر لو، اِس کو سینے سے لگا لو تیرے دُشمن شریف نہیں حسینؑ! یہ بدمعاش لوگ ہیں بے ضمیر اور بے حیاء لوگ ہیں، بے غیرت اور بدفطرت اِنسان ہیں۔ یہ نہیں جانتے کے جنگوں میں عورتوں اور بچوّں کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ یہ غیرت مند دُشمن ہوتے تو تیری اہلبیت پر پانی کبھی نہ بند کرتے۔ اب بھی یہ آبِ شیریں کے بدلے تیرے معصوم اصغر کو زہر کی آب دیے ہوئے تیر کا تحفہ دیں گے۔ علی اصغر کے سینے پر اپنا ہاتھ رکھ

دو تا کہ اس کی بیقراری ختم ہو جائے۔ تیرے دشمنوں کے سینہ میں بُغض اور کینہ کی غلاظت ہے اور تیرے لال کا سینہ تیری ہی طرح طیّب وطاہر اور پاک ہے۔

اِس ننّھے سے کُرتے کے تَلے چاند سا سینہ
سینہ نہیں اِک دُرِ نجف کا ہے نگینہ

اَب خُون میں یہ ڈُوب کے یاقُوت بنے گا
جس جھُولے میں یہ پلتے تھے تابُوت بنے گا

ملعون کا تیر

صدائے سرفروش کے ساتھ ہی یزیدیوں کے لشکر سے شِمرِ ملعون کی آواز آئی۔

سُن کر یہ سُخن کہنے لگا شمرِ بد اختر
اچھّا یہ بہانہ ہے کہ ہو خُود پیاس سے مضطر

(میر مونس)

ہم سمجھے کہ حِیلے سے طَلب کرتے ہو پانی
بچّے کے وسیلے سے طَلب کرتے ہو پانی

(انیس)

شمر نے کہا ہمیں معلوم ہے کہ تمہارے ساتھ کافی بچے ہیں اب تم ایک ایک کو ایسے ہی اُٹھا کر لے جاؤ گے اور پانی حاصل کر کے اپنی پیاس بجھا لو گے۔ مگر یہ تمہارا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ ہم تمہیں ایک گھونٹ پانی بھی نہیں دے سکتے اور پھر اپنے سپاہیوں کو تیر کا اِشارہ کر دیا۔

ملعون و مردود حُرملہ نے زہر میں بُجھا ہوا تیر چلّے پر چڑھایا اور پھر سَنسناتا ہوا تیر شیر خوار بچّہ کی گردن کے پار ہو کر امام مظلوم کے بازو کو بھی زخمی کر گیا۔

زخمی جگر لعینوں نے توڑا حسینؑ کا
بچّہ بھی شیر خوار نہ چھوڑا حسین کا
(مرزا تعشق)

اِمام مظلوم نے ایک ہاتھ سے معصوم کو سنبھالا اور دُوسرے ہاتھ سے تیر کا پھل اس کی گردن سے کھینچ کر نکال دیا۔ باپ نے بیٹے کی گردن سے تیر کس طرح کھینچا ہوگا۔ یہ محسوس تو کیا جا سکتا ہے مگر الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ تیر کا پھل کھینچا تو خُون کی دھار امام کے چہرے کی طرف گئی۔ آپ نے اس خُون کو چہرے ہر ہی مل لیا اور اصغر نے بے آواز ہچکی لیکر دم توڑ دیا۔

اصغر کی ہچکی آخری گرچہ تھی بے صدا
پھر بھی زمین و آسماں کے دل دہل گئے

ننھے سے پھول پر یہ ظُلم وسِتم دیکھا تو کائنات لرز اٹھی،
آسمان کی چیخیں نکل گئیں زمین کانپ اٹھی
فرشتوں کے سینے چر گئے، حُوروں کے کلیجے کٹ گئے۔
عرش تھرتھرا اُٹھا آبِ کوثر نے ننّھے پیاسے کی آمد دیکھی تو پارے کی
طرح تڑپنے لگا اور جوش میں آ کر کناروں سے بہ نکلا،
اِنسانیت لرزنے لگی، معصومیّت کی شہ رگ کٹ گئی۔

جدا صغر دے نازک حلقوں چھٹا خون فوارا
حُوراں تڑفیاں جنّت اندر کنب گیا جگّ سارا

صدقے صبر تیرے توں صائم سیّد شاہ اسوارا
جان دِتّی پر آن ناں دِتّی حیدرؑ دے دلدارا
(صائم چشتیؒ)

اِمام عالی مقام نے معصوم شہزادے کی لاش کو ہاتھوں پر اُٹھایا ہوا ہے اور بارگاہِ ایزدی میں دُعا کرتے ہیں۔ بارِالٰہا! میری یہ معصوم قربانی قبول فرما یااللہ یہ معصوم بھی ذوقِ شہادت سے سرشار تھا۔ خُداوندا! تیرا شکر ہے کہ اسے بھی سرفرازی حاصل ہوگئی۔

الٰہی یہ تیرا احسان ہے کہ تُو نے مجھے صبر واِستقامت کی دولت سے

نواز رکھا ہے، الٰہی یہ ننھا شہید تیری امانت تھی۔ یہ چل کر میدان میں نہیں آ سکتا تھا۔ میں نے اِسے ہاتھوں پر اُٹھا کر تیرے دربار میں پیش کر دیا ہے۔ یا اللہ! حُسینؑ کی طرف سے یہ ننھی نظر قبول فرما لے۔

شہ لاش کو ہاتھوں پہ اُٹھا کر یہ پُکارے
صَد شُکر کہ تُو نے میرے سب کام سنوارے

اَے بارِ خُدا خلق سے اصغر بھی سدھارے
کُچھ اَور سِوا نذر نہ تھا پاس ہمارے

یہ ہے پسرِ صاحبِ معراج کا ہدیہ
مقبول ہو اس بندۂ محتاج کا ہدیہ
(انیسؔ)

آپ اِسی طرح شکرِ خداوندی کرتے ہُوئے واپس ہونے لگے تو قومِ اشقیا کی طرف سے آواز آئی۔

کیا اَب بھی بہانے سے پانی حاصل کرنے آؤ گے؟ اَب تو تُمہارے بچہ کی پیاس بُجھ چکی ہوگی۔

کہتے تھے عُدو غیر ہے کیوں حال تُمہارا
سیراب ہُوا یا کہ نہیں لاَل تُمہارا

امام کامیاب ہو گئے

آپ کیا جواب دیتے آپ تو اپنے اِمتحان کا پرچہ پُوری کامیابی سے حل کر چکے تھے۔ ان ملعونوں کے طعنوں کو آپ کیا اہمیّت دے سکتے تھے۔ جب تک دُنیا میں اِنسانیّت کا نام باقی رہے گا دُنیا یزید اور ابنِ زیاد کے بھیجے ہُوئے وحشی درندوں پر ضرور لعنت برساتی رہے گی اور ان کے انسانیّت سوز مظالم اور درندگی کو وحشت و بربریّت کی اِنتہا کا نام دیتی رہے گی۔

اِمام عالی مقام ننّھے اصغر کی لاش کو اُٹھائے ہُوئے خمیدہ گردن چلے آرہے ہیں، خیموں کے قریب آئے تو فِضّہ کنیز کو علی اصغرؑ کا اِنتظار کرتے دیکھا۔ وہ آگے بڑھی کہ ننّھے کو گود میں اُٹھا کر لے جاؤں۔ مگر

لاش اس کی دکھا کے شہِ مظلوم پُکارے
فِضّہ تو بس اَب جا علی اصغر تو سدھارے

کہہ دینا یہ بانو سے کہ پیاسے گئے مارے
ہم ساتھ ہیں اب ان کے یہ ہیں ساتھ ہمارے

تا حشر نہ چونکیں گے نہ اب روئیں گے اصغر
آرام سے پہلو میں میرے سوئیں گے اصغر

(انیس)

فضہ یہ دردناک خبر سن کر اندر کو دوڑی اور امام مظلوم خیموں کے باہر کھڑے سوچ رہے ہیں کہ اب اصغر کو اس حالت میں اندر بھیجا گیا تو کیا ہوگا ناموسِ محمد تو اس انتظار میں ہوں گی کہ اصغر پانی پی کر آ رہے ہیں۔

لہو میں غرق کھڑے تھے کمر جھکائے ہوئے
پسر کی ننھی سی میت گلے لگائے ہوئے

لہو بھرا ہوا دامن اسے اڑھائے ہوئے
کفن کی فکر میں منہ خیموں کو پھرائے ہوئے

(دبیر)

تو اسی عالم میں خیموں کے اندر سے درد والم میں ڈوبی ہوئی چیخوں کی آوازیں آ جاتی ہیں۔ فضہ تڑپتی ہوئی پھر باہر آئی۔ امام عالی مقام کی گود

سے شہزادے علی اصغر کا ننھا سا لاشہ اُٹھایا اور اندر لے گئی۔ اور پھر معصوم کو خون میں ڈوبا ہوا دیکھ کر پاکدامنوں کا جو حال ہُوا وہ بیان سے باہر ہے۔ آپ بھی اندر تشریف لے گئے۔ جا کر دیکھا تو حضرت سکینہؓ نے علی اصغر کی لاش کو سینے سے چمٹایا ہُوا ہے اور فریاد پر فریاد کئے جا رہی ہے۔ سیّدزادیاں یہ حالت دیکھتی ہیں تو اور بھی بیقرار ہو جاتی ہیں۔

لاش اصغر دی ویکھ سکینہ غم دے نعرے لاوے
اصغر اصغر کردی جاوے گھڑی گھڑی غش آوے

چک گودی وچ لاش ویرن دی تڑفے تے کرلاوے
رو رو دھی سیّد دی صائم عرش نوں رونا پاوے

(صائم چشتی)

ننھی سی قبر

امام عالی مقام نے سینے پر ضبط و تحمّل کی سِل رکھ کر پاکدامنوں کو صبر کی تلقین فرمائی اور لاشہ علی اصغر کو گود میں اٹھا کر باہر آ گئے۔

اصغر دے لاشے نوں سیّد جد دفناون آیا
پاٹ گیا دھرتی دا سینہ خون فلک برسایا

آخر وار حسینؑ اصغر نوں گھٹ کلیجے لایا
صدقے لال میرے اج جگ توں ٹرچلیوں ترہایا

شکوہ کریں نہ سوہنیا پانی کیوں نہیں اساں پلایا
دادی کول نہ دسیں جا کے جو جو حال وہایا

لائق نہیں سی اصغر تیرے بے دیناں دا پانی
جگ رویگا سن سن صائم تیری درد کہانی

امام عالی مقام علی اصغر کو دفنانے کے لئے گرم گرم ریت کو کبھی ہاتھ سے کبھی تلوار سے ہٹا کر ننھی سی قبر تیار کر لیتے ہیں!

وہ اپنے چاند کو جب خاک میں چھپانے لگے
جگر تڑپنے لگا، ہاتھ تھر تھرانے لگے

(صائم چشتی)

آپ تصور ہی میں علی اصغر سے باتیں کرتے ہیں۔ اے میرے چاند!

اِس وقت کلیجہ کا کِسے حال سُناؤں

اَے چاند تُجھے خاک میں کِس طرح ملاؤں

ہاتھوں سے میرے خاک گرائی نہیں جاتی

صُورت تیری مٹّی میں مِلائی نہیں جاتی

فرمایا کہ ڈر ڈر کے نہ رونا عَلی اصغر

ہم آتے ہیں آرام سے سونا عَلی اصغر

اِمام عالی مقام نے جب کربلا کے اس ننّھے شہید کو سُپردِ خاک کیا اس وقت سُورج کی گرمی دَم بہ دَم بڑھتی جارہی تھی۔ ریت آگ کے انگاروں کی طرح گرم ہوچکی تھی۔

اِمام مَظلوم اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ پڑھ رہے تھےاور قبر شہید کو اشکوں کی بارش سے ٹھنڈی کررہے تھے۔

تتّی ریت ہیٹھاں جد سیّد اصغر نُوں دفنایا

تڑفیاں حُوراں جنّت اندر عرش دا دِل تھرّایا

کرہنجواں دی بارش شاہ نے قبر تے مینہ برسایا

کوثر مار اُچھالا صائم چشمیوں باہر آیا

قاصدِ مدینہ

اَصغر ، اکبر ، قاسم ایدھر لگ گئے ربّ دے لیکھے
چَک چَک اڈّیاں صغریٰ اودھر راہ وِیراں دا ویکھے
ایدھر بابل لال اپنے دی ڈھیری پیا بناوے
وِچ خیالاں اوہ اَصغر دا جُھولا پئی جھلاوے
(صائم چشتی)

حضرت علی اصغر کو دفن کرنے کے بعد امام عالی مقام اب خود ہی میدانِ کارزار کا رخ کرنے والے ہیں۔ اس لئے کہ اب آپ کو روکنے والا کوئی بھی نہیں۔ تمام ساتھی ایک ایک کر کے آپ پر فدا ہو چکے ہیں۔ آپ نے ایک نظر میدان کارزار کو دیکھا۔ پشت پر ویران جلے ہوئے خیمے ہیں۔ اہلِ بیت کے دو بڑے خیمے ہیں جن میں چیخوں اور آہوں کی صورت میں زندگی کے کچھ آثار نظر آتے ہیں۔ سورج کی تپش میں مزید اضافہ ہو چکا ہے۔ آپ نے خیال کیا کہ خیمے کے اندر جا کر اہلِ بیت کو آخری وصیّت کر کے دربارِ خداوندی میں حاضر ہو جاؤں۔

قاصد کی آمد

ابھی آپ نے یہ خیال فرمایا ہی تھا کہ خیموں کی طرف رُخ کیا ہی تھا

کہ سامنے ریت کا ایک بگولا سا اُٹھتا ہوا نظر آیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بگولے کے اندر ایک ناقہ سوار نظر آیا۔ آپ کو بھی شائد اُسی کا انتظار تھا اس لئے کہ کربلا کی خُونی تصویر میں یہ خاکہ خالی تھا۔ اس نے اُونٹ کو بِٹھایا اور آپ کے قدموں کو بوسہ دیا اور پھر میدانِ کارزار کو دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

وہ اِنتہائی مایوسی کے عالم میں آپ کو دیکھے جا رہا تھا۔ آپ نے خاموشی کو توڑتے ہُوئے فرمایا۔ دوست ہم نہیں جانتے کہ تُم کون ہو اور کس مقصد کے تحت یہاں رُکے ہو۔ اگر کوئی کام ہے تو بتاؤ ورنہ خُدا حافظ۔ مُجھے دُشمن بار بار آواز دے رہے ہیں اور پھر خیموں کی طرف بڑھنے لگے تو وہ شخص پکار اُٹھا، یا امام! میری بات سُن لیجئے۔

قاصد سے گُفتگو

آپ رُک گئے تو اس نے کہا کہ حضور میں آپ کی بیٹی کا قاصد ہوں آپ جب مکّہ معظّمہ سے کُوفہ روانہ ہوئے تھے تو مَیں وہاں موجود تھا۔ حج کرنے کے بعد مدینہ منوّرہ میں زیارت رسولؐ کرنے کے لئے حاضر ہوا تو وہاں میں نے ایک پردہ نشین بچّی کو دیکھا جو روضۂ رسولؐ ساتھ روضۂ بتول کے باہر رو رہی تھی۔ لوگ جا کر اس کے رونے کی وجہ پوچھتے اور پھر اس کا سوال پوچھ کر واپس آجاتے۔

ایک دن میرے دِل میں خیال آیا کہ اس بچّی سے پوچھوں کہ اسے

کیا ضرورت ہے۔شائد میں ہی اس کے کام آسکوں۔اور پھر جب میں نے پوچھا کہ بیٹا کیا بات ہے آپ اس طرح روتی کیوں ہیں اور آپ کون ہیں؟

مَعصُومہ کے رونے کی وجہ

معصومہ نے میری بات سُنی تو اور زیادہ رونے لگیں اور فرمایا۔''یا عم میں صُغریٰ بنتِ حسینؑ ہوں''میرے ابا جان مکہ معظمہ سے کوفہ تشریف لے گئے تھے۔یہ مجھے چچا عبداللہ بن جعفر نے بتایا تھا۔کوفہ گئے ہوئے بھی انہیں کئی روز ہو چکے ہیں اور ان کا خیریت نامہ نہیں آیا میں بیمار تھی اِس لئے وہ مجھے چھوڑ کر مکہ معظمہ چلے گئے تھے اور وہیں سے کوفہ چلے گئے ہیں مجھے ان سے بچھڑے ہوئے چھ ماہ کا عرصہ ہو گیا ہے۔چچا جان!میرا دِل ڈوب ڈوب جاتا ہے۔میرے ابا جان نے فرمایا تھا کہ ہم تمہیں جلد اپنے پاس بلوالیں گے

میرے پیارے بھائی جان علی اکبر نے میرے ساتھ پکا وعدہ کیا تھا کہ میری پیاری بہن تجھے میں خود آ کر لے جاؤں گا

مگر نہ ابا جان نے کسی کو لینے کے لئے بھیجا ہے اور نہ ہی بھائی جان علی اکبر ابھی تک آئے ہیں۔

چچا!میں بے حد اُداس ہو گئی ہوں مجھے ننھے علی اصغر کی یاد بہت ستاتی ہے میں نے اس کے لئے کئی جوڑے کپڑے سی کر رکھے ہوئے ہیں۔اس کے خالی جھولے کو جھلاتی رہتی ہوں۔

صُغرٰیٰ کا پیغام

یا عمّ! اگر آپ نے کُوفہ کی طرف جانا ہو تو میرا خط میرے ابّا جان کے نام لے جائیں۔ بس میرا صرف یہ کام ہے۔ اِس کام کے عِوض میں آپ کو کئی چیزیں پیش کر دوں گی اور پھر وہ لڑکی حُجرے کے اندر چلی گئی اور میرے روکتے روکتے ایک ایک کر کے کئی چیزیں اُٹھا لائی۔ جِن میں کُچھ برتن اور ایک جائے نماز تھا۔ ایک دو کپڑے کی چادریں تھیں اور ایک پوٹلی کے میں چند چھوٹی چھوٹی چیزیں اور سکّے وغیرہ بندھے ہوئے تھے۔

میں نے بچّی کو دلاسہ دیتے ہُوئے کہا لاؤ بیٹی اپنا خط مُجھے دے دو۔ میں اسی طرف کا رہنے والا ہوں۔ میں تُمہارا خط ضرور پہنچا دوں گا۔ اور یہ اپنی چیزیں اُٹھا لو۔ میں اہلبیت رسول کا خادم ہُوں اور یہ ہی کیا کم سعادت ہے کہ میں ابنِ رسولؐ کی بیٹی کا قاصد بن کے جاؤں بچّی بضد تھی کہ یہ سامان تُم ضرور لے لو۔ تُم یہ سامان تھوڑا سمجھ کر نہیں لے رہے۔ یہ سامان دیکھنے میں تھوڑا لگتا ہے لیکن بہت قیمتی سامان ہے بابا۔ اِس میں میری دادی فاطمہؑ کے ہاتھوں کی کئی چیزیں ہیں۔

یہ تھوڑا سا سامان قبول کر لو۔ میرے بابا کو جب تُم میرا یہ خط دو گے تو وہ تُمہیں اور بہت بھی مال و دولت دیں گے۔ میرے ابّا جان بہت سخی ہیں وہ تو سائلوں کو ویسے ہی بہت کُچھ دے دیتے ہیں تُم تو اُن کی بیٹی کے قاصد بن کے

جاؤ گے۔ پھر تُمہاری تو بہت ہی قدر کریں گے اِس کے علاوہ ہم تُمہارے حق میں دُعا بھی کریں گے اور اپنے نانا جان سے جنّت بھی لے کر دیں گے۔ اس معصُومہ نے دردوفراق کی اور بھی بہت سی باتیں کی تھیں جن کے بیان کرنے کی مُجھ میں طاقت نہیں۔ میں نے منّت سماجت کر کے سامان واپس کر دیا تھا اور یہ خط لے کر آپ تک پہنچا ہُوں۔ میں نے دُور سے اس طرف فوجوں کو دیکھ لیا تھا اس لئے رَاستہ بدل کر ادھر آیا تھا کہ دیکھتا جاؤں یہ لشکر کِدھر جا رہا ہے۔ مگر یہاں آکر دیکھا تو آپ کو اِس حال میں پایا۔

جنّت میں لے کر جائیں گے

اِمام عالی مقام نے ٹھنڈی سانس بھر کر فرمایا لاؤ میری بیٹی کا خط مُجھے دے دو۔ میری بیٹی نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ میرے ابّا جان تُمہیں بہت کُچھ دیں گے۔ اَب تم ہمیں مِلے ہی اُیسے عالم میں ہو کہ ہم تُمہیں دُنیاوی مال سے وہ کُچھ نہیں دے سکتے جو تُمہارا حق بنتا ہے۔ البتہ ہم اپنی بیٹی کا دُوسرا وعدہ ضرور پُورا کریں گے کہ تُمہیں جنّت میں اپنے ساتھ لیکر جائیں گے۔ پھر بھی ٹھہرو، ہمیں اہلِ بیت کے خیموں سے جو میسّر آسکا تُمہیں لا کر دے دیتے ہیں۔

امانت لے لیں

قاصد نے سُنا تو چیخیں نکل گئیں۔ عرض کیا یا اِمام! میرے لئے وعدہء آخرت ہی بہت بڑی دولت ہے۔ خُدا کے لئے اپنی یہ امانت بھی لیتے

جائیے۔ پھر وہ کجاوے سے ایک چھوٹی سی پوٹلی نکال لایا آپ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ عرض کی اس میں علی اصغر کے کپڑے ہیں۔

اِمام مَظلوم نے کانپتے ہُوئے ہاتھوں سے پوٹلی سنبھالی اور دِل ہی دِل میں کہا صغریٰ بیٹی! اَب تیرے اصغر کو کیسے یہ تیرا تُحفہ پیش کیا جائے۔ اصغر کی ننّھی سی قبر قریب ہی تھی آپ نے وہ پوٹلی اس پر رکھ کر فرمایا! اَصغر بہن کا تحفہ قبول کرلو۔ اور پھر وہ کپڑے اور خط لے کر خیموں میں تشریف لے گئے۔

بہن کے شکوے

خط کیا تھا تلوار تھی جو بیک وقت سب کے دِلوں پر پھر رہی تھی

شکوے ہی شکوے،

شکائتیں ہی شکائتیں،

دَرد ہی دَرد،

فِراق ہی فراق۔

ابّا جان سے شکوے

پُھوپھی سے شکوے،

امّی سے شکوے،

علی اکبر سے شکائتیں

سجّاد سے شکوے،

اصغر کی یادیں

سکینہ کے سلام ۔ ایک ایک لفظ دِلوں کو چیرتا جا رہا تھا، ایک ایک جُملے پر چیخیں بلند ہو رہی تھیں ۔ پیکرِ تسلیم و رضا اِمامِ مظلوم کی آنکھوں میں بھی اشکوں کا سیلاب آ گیا تھا ۔ درد و فراق کے آنسو بہے جا رہے تھے ۔ دُکھے ہُوئے دِل کے آنسو، گرم گرم اور آتشیں آنسو، بیٹی کے غم سے غم آلود آنسو ۔

دسّو سوچ کے اُمّت دے جے ہتھوں ہووے قتل اِمام تے کی ہندا
اصغر تائیں دفناوَندیاں آجاوے چھٹّی اصغر دے نام تے کی ہُندا

پئے بچاوَندا جے اکبر دی لاش تائیں شکویاں بھریا سلام تے کی ہُندا
گھلئیے صُغرا دے قاصد نوں موڑ ساتّم دسکے حالت تمام تے کی ہُندا

حضرتِ عباسؑ کی شہادت

ناموسِ محمد کے خیموں کا محافظ اور پرچم حسینی کا حامل عباسؑ علمدار حق وباطل کی اِس جنگ میں کئی بار حصّہ لے چکا ہے۔ یزیدی فوج کا ریلا جب میمنہ کی طرف بڑھتا ہے تو حضرت عباسؑ پرچم لہراتے ہوئے اُسے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ اگر مَیسرہ کی طرف یزیدیوں کا دباؤ بڑھتا ہے تو اُس طرف شیر کی طرح بڑھتے ہیں اور زورِ حیدری کے جوہر دِکھا کر کُچھ کو کاٹ دیتے ہیں اور کُچھ کو بھگا دیتے ہیں۔ شیطانی فوجوں نے کئی بار اہلبیتِ اطہار کے خیموں کی طرف بڑھنے کی کوشش کی مگر وہاں تو عباسؑ کا پہرہ تھا۔ اللہ کے شیر کے شیر کا پہرہ، شبیر عَلَیہِ السَّلام کے علمبر دار کا پہرہ، جو بھی آگے بڑھتا یا کٹ جاتا یا پیچھے ہٹ جاتا۔

غازی عبّاس امام کے قدموں میں

اِمام عالی مقام کے تمام ساتھی اپنی جانوں کی نذریں دربارِ خُداوندی میں پیش کر کے سُرخرو ہو چکے ہیں۔ اب خُود عزمِ جہاد

کرنے والے ہیں۔علمدارِ حسینؑ آگے بڑھے سپہ سالارِ اعظم کو سلامی پیش کی اور عرض کیا۔اے شہنشاہِ مملکتِ تقدس وطہارت! ابھی غلام موجود ہے خیموں کی حفاظت کا فریضہ ادا ہو چکا ہے اب مجھے فدا ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔امام عالی مقام نے آخری ساتھی کو بھی میدان جنگ میں جاتے دیکھا تو آنکھوں میں آنسوؤں کا سمندر موجزن ہو گیا۔آپ نے فرمایا "رَضِینَا بِالقَضَا" ہم تقدیر پر راضی ہیں۔

غازی عباس میدان میں

حضرت عباسؑ نے امام عالی مقامؑ کے دستِ اقدس کو چوما اور میدان میں آگئے۔ایک کے مقابلہ میں ایک کیا آتا یزید کی پوری فوج کانپ رہی تھی۔آپ شیر کی طرح گرج رہے تھے۔

زورِ یداللّٰہی پورے جاہ وجلال کے ساتھ ظہور میں آچکا تھا۔

قوتِ خیبر شکن پورے جلال وجبروت کے ساتھ ظاہر ہو چکی تھی۔

جلالِ حیدری پوری شوکت وتمکنت کے ساتھ میدان میں جلوہ افروز ہے۔

وقت کے مرحبوں اور عنتروں کی روحیں کانپ رہی ہیں۔

علمبردارِ حسینؑ حسینی پرچم کو لہراتا ہوا جدھر سے گزرتا ہے کشتوں کے پشتے لگا دیتا ہے۔

آپ کی تلوار کی کاٹ کا عالم ہے۔

لوہے کی سپر کاٹ کے دستانے میں پہنچی
دو کر کے سپر خود کے پیمانے میں پہنچی

ہل کر سر و گردن سے چلی شانے میں پہنچی
شانے سے بڑھی رُوح کے کاشانے میں پہنچی

سرکش کا لہو خاک پہ برسا دیا اُس نے
تب نکلی کہ جب خانۂ تن ڈھا دیا اُس نے

برسی جدھر کو رُخ کیا ۔ جس پر پڑی ! پڑی
غوطے لگا رہی تھی لہو میں گھڑی گھڑی

چوٹیں جو دشمنوں پہ پڑی تھیں کڑی کڑی
کٹ کے ہر زرہ کی جدا تھی کڑی، کڑی

تلوار تھی کہ قوّتِ پروردگار تھی
کُشتوں سے باغیوں کی زمیں لالہ زار تھی

غازی کا حملہ

عَلمدارِ حسینؑ کا حملہ اِس قدر زوردار تھا کہ دُشمنوں کو سَر پیر کا ہوش نہ رہا چلوں پہ تیر چڑھے کے چڑھے رہ گئے۔ یُوں مَعلوم ہوتا تھا جیسے بکریوں کی صفوں پہ شیر نے چڑھائی کر دی ہو۔ سب اپنی اپنی جانیں بچانے کے فِکر میں ایک دُوسرے پر گر رہے تھے۔ اگر کوئی حوصلہ کر کے تیر چلا بھی دیتا تو ہاتھ کانپ جانے کی وجہ سے خطا ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی اَفسانہ نہیں بلکہ اس مجاہد کی جُرأت کی داستان ہے جس کے باپ نے درِ خیبر کو اُکھاڑ کر ایک ہاتھ پر اُٹھا کر اُس کی ڈھال بنالی تھی اور پھِر اس دروازہ کو چالیس مجاہدینِ اِسلام جُنبش بھی نہ دے سکے۔

ہاں ہاں یہ اُسی قاتلِ مَرحب و عَنتَر کا بیٹا عبّاس علمدارؑ ہے جو اکیلا دُشمنوں کی صفیں دَرہم بَرہم کر رہا ہے۔

امام کی زیارت

آفتاب آگ بَرسا رہا تھا، زمین جل رہی تھی۔ تین دن کی پیاس ہے۔ جسم پسینہ میں شرابُور ہے۔ مگر حُسینی مجاہد اس شان سے حملہ کر رہا ہے جیسے ابھی تازہ دَم ہو کر آیا ہے۔

لڑتے لڑتے خیال آیا آخری بار ابن رسولؐ کی زیارت کرلوں۔

گھوڑے کو مہمیز لگائی اور حق وصداقت کا پرچم بلند کرتا ہوا بارگاہِ امامؑ میں آ گیا

شہ کو سلامی پیش کی فاطمہؑ کے لال کی زیارت کرلی تو بدن میں ایک نئی قوت

پیدا ہوگئی۔ نیا جوش اور نیا ولولہ پیدا ہوگیا۔

واپس ہونے لگے تو خیموں سے صدائے العطش بلند ہوئی۔ آپ

خیمہ کی جانب بڑھے۔ بی بی سکینہ نے کہا چچا دو گھونٹ پانی پلادو۔

رو رو کردی عرض سکینہ چاچا کرم کماویں
نال تریہہ دے مرچلی آں پانی گھٹ پلاویں

کی دساں یا حضرت اپنے غم دی درد کہانی
اکھیاں چوں وی رو رو سارا مک گیا اے پانی

اِکدا اُودر نہیں مٹ دا اُتوں ہور مصیبت پیندی
اتھروو وی نہیں اوندے نہیں تے جیبھ گلی کرلیندی

علم تیرے دیاں خیراں ہوون من سوال اج میرا
چاچا یاد حشر تک رکھ ساں میں احسان اہیہ تیرا

جنابِ عَلمدارؑ نے بچّی کی یہ حالت دیکھی تو تڑپ کر رہ گئے۔ خیمے کے ستون کے ساتھ مشکیزہ لٹک رہا تھا۔ آپ نے خشک مشکیزے کو اُتار کر زمین کے ساتھ لٹکا دیا۔ جھک کر بچّی کے سَر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا۔ بیٹا میں تُمہارے حکم کی تعمیل کرتا ہوں میرا انتظار کرو چچّا اب واپس آئے گا تو اپنی بیٹی کے لئے پانی لے کر ہی آئے گا۔ اور پھر آپ حُسینی پرچم لہراتے ہُوئے اسی طرف حملہ آور ہو گئے جس طرف فرات تھا۔ اُس طرف فوجوں کا زور بھی زیادہ تھا اور پہرہ بھی سخت تھا۔ مگر علیؑ کا لالؑ اِس طرح فوجِ یزید سے گزر رہا تھا جس طرح بادلوں کا سینہ چیر کر بجلی گذرتی ہے۔ آپؑ نعرۂ شبیرؑ لگا رہے تھے اور فوجِ اشقیاء کو درہم برہم کرتے جا رہے تھے تلوار حیدریؑ کی زد میں جو بھی آتا جہنّم میں پہنچ جاتا۔

لگایا نعرۂ شبّیر اور سُوئے فرات آئے
قطع کرتے ہُوئے اَشرار کا دَورِ حیات آئے

سپاہی فوجِ دشمن کے جو غازی سے اُلجھتے تھے
وہ تیغِ تیز کے ہاتھوں جہنّم میں پہنچتے تھے!

کٹے کائی کی صُورت سامنے سے بُزدلے دُشمن
ہوئے فِی النّار خنجر سے گلے جتنے مِلے دُشمن

سپاہِ شام پر غالب اُمیرِ کائنات آیا
دِلاور تیغ زن عبّاس غازی تا فرات آیا

(حسن رضا)

آپ ساحلِ فرات پر پہنچے تو گھوڑے کو نہر میں داخل کر دیا۔ تھوڑا سا جُھکے اور مشکیزہ کو پانی سے بھر کے ڈور سے اچھی طرح مُنہ بند کر لیا۔

پانی حاصل کر کے یُوں معلوم ہوا جیسے پُوری کائنات پر قبضہ ہو گیا ہو ذہن میں خیال آیا نواسۂ رسولؐ کی بیٹی پانی دیکھے گی تو کتنی دُعائیں دے گی۔ خُدا کرے کہ یہ پانی اس تک پہنچ جائے۔ وہ کتنی شدّت سے میرا انتظار کر رہی ہو گی۔

گھوڑے کی وفاداری

آپ جلد اَز جلد پانی لیکر پہنچ جانا چاہتے تھے کہ گھوڑے کا خیال آ گیا۔ یہ بیچارہ بھی تین دن کا پیاسہ ہے۔ آپ نے لگام ڈِھیلی چھوڑ دی گھوڑے نے پانی پر مُنہ رکھا اور پھر بڑی بے نیازی اور رعنائی سے گردن اُوپر اُٹھالی۔ صابروں کا گھوڑا تھا کیسے پانی پی لیتا۔ کوفی انسان تھے مگر بے وفا تھے۔ یہ

جانور تھا مگر باوفا تھا۔ بے وفا اِنسان باوفا جانوروں سے بدتر ہوتا ہے۔ اصحابِ کہف کا کُتّا وفادار تھا۔ وہ جنّت میں جائیگا۔ یزید نے خُدا اور اس کے رسولؐ سے بے وفائی کی تھی وہ اور اس کے ساتھی جہنّم کا ایندھن بنیں گے۔

بے جان مٹّی پھولوں کی ہم نشینی سے خُوشبودار ہوگئی۔ صابروں کا گھوڑا صابروں کے ساتھ رہ کر صابر ہوگیا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ میرے سوار نے پانی نہیں پیا۔ اُس کے جذبۂ وفاداری نے اُسے سکھادیا تھا کہ جب تک مالک پانی نہیں پیئے گا ہرگز پانی نہیں پینا۔

اشارا اَسپِ تازی کو کیا پانی کے پینے کا
پیاسا گرچہ تھا گھوڑا تھا واقِف پر قرینے کا

لگا جب مُنہ سے پانی ہونٹوں تک جِس دم تَری آئی
ہٹالی خُود ہی سطحِ آب سے گردن بہ رَعنائی

تھا مرکب رازداں بے شُبہ ہمدرد اِس کو کہتے ہیں
جمالِ ہمنشیں دَر مَن اَثر کَرد اِس کو کہتے ہیں
(حسن رضاؒ)

پیاسوں کی یاد

جنابِ علمدارؑ نے خیال کیا کہ ایک گھونٹ پانی پی لوں تو تلوار زیادہ چلا سکوں گا۔ آپ نے چلّو میں پانی بھر لیا۔ منہ تک لائے تو تشنہ لبوں کی یاد آ گئی۔ ابنِ رسولؐ کی یاد آ گئی۔

ابنِ رسولؐ کی پیاس یاد آ گئی۔ سکینہؑ کا تڑپنا یاد آ گیا۔ پاکدامنوں کے خشک ہونٹ یاد آ گئے۔ بیمار عابد کا جلتا ہوا سینہ سامنے آ گیا۔ علی اصغرؑ کا ستا ہوا معصوم چہرہ یاد آ گیا۔ "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه" پڑھا اور پانی زمین پر پھینک دیا۔

پانی ایسے لگا جیسے زہرِ ہلاہل ہو۔ تشنہ لبوں نے دِل کو گھائل کر دیا۔

نبی کے خانداں والے پیاسے یاد آتے ہیں
پڑھا لاحول پانی ہاتھ سے سارا گراتے ہیں

تصوّر سامنے اصغر کو لایا تو تڑپ اُٹھے
سکینہ کا تڑپنا یاد آیا تو تڑپ اُٹھے

خیال آیا جنابِ اکبرو قاسم کی پیاسوں کا
جنابِ زینبِ کُبریٰ کا حیدر کے نواسوں کا

خیال آیا جنابِ فاطمہؓ کا لال پیاسا ہے
میں کیوں پانی پیؤں پیاسا محمدؐ کا نواسہ ہے

یہ سوچا تو اُسی لمحے پلٹ عباسؑ آتے ہیں
لبِ دریا پہ جا کر بھی وہ لے کر پیاس آتے ہیں
(صائم چشتیؒ)

فرات سے واپسی

حیدر کا شیر جس شان وشکوہ سے ساحلِ فرات پر پہنچا تھا اسی جلال وجبروت اور مجاہدانہ کرّوفر کے ساتھ واپس آرہا ہے۔ راستے میں یزیدی فوج اسی طرح حائل ہے عمر وابنِ سعدؔ پکار اُٹھا۔ ساتھیو! بُزدلی نہ دکھاؤ۔ اگر یہ پانی لے جانے میں کامیاب ہوگئے تو پھر ان پر قابُو نہ پاسکو گے۔ علیؑ کے ان دونوں بیٹوں عباسؑ اور حُسینؑ نے پانی پی لیا تو یہ تمہیں گاجر مُولی کو طرح کاٹ کے رکھ دیں گے۔ ابھی وقت ہے پُورے زور سے حملہ کردو۔ اور اس اکیلے کو پانی پینے سے پہلے ہی زیر کرلو۔

مُسلسل عَمرو ابنِ سعد محوِ شورِ و شیون تھا
برابر مُبتلا اِس فکر میں اِس غَم میں دُشمن تھا

لئے جاتے ہیں پانی مَشک میں عبّاس دریا سے
اگر پانی سے اَب بھی ہوگئے سیراب یہ پیاسے

تو رُوحِ تازہ پھر آ جائیگی اَبنائے حَیدر میں
نئی قُوّت اُبھر آئیگی پھر سبطِ پیمبر میں

پھر ان سے یہ شکستہ فَوج ہر گز لڑ نہ پائے گی
سپاہِ شام سَر پر پاؤں رکھّ کر بھاگ جائے گی

بار بار غیرت دِلانے پر فَوج یزید کے کُچھ حواس درست ہُوئے اور انہوں نے چوطرفہ حملہ کر دیا۔ ابنِ حیدر اکیلا ہے اور اس پر تیروں۔ تلواروں، نیزوں، بھالوں اور بَرچھیوں کی بارش چاروں طرف سے ہو رہی ہے۔ آپ پُوری جوانمردی اور بہادری سے لڑتے ہُوئے مُسلسل آگے بڑھ رہے ہیں۔ جو بھی تلوار کی زد میں آتا ہے کٹ جاتا ہے۔

پانی کوتو پہنچنا ہی نہیں تھا۔ امام عالی مقام کا امتحان تو مکمل ہی اسطرح ہونا تھا کہ آپ پیاس سے تڑپتی ہوئی اہلِ بیت کے سامنے تین دن کی پیاس لے کر ہی حوضِ کوثر پر پہنچیں۔

دیکھنا تو یہ ہے کہ ساقیٔ حجاج حضرت ابُو طالبؓ کے پوتے ساقیٔ کوثر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور سقائے سکینہ حضرت عباس کے جذبات کیا تھے آپ کا اندازِ خدمت گُذاری کیا تھا آپ کے دِل میں اہلِ بیت رسول صلّی اللہ عَلَیہِ وَآلِہ وسلّم کا مقام کیا تھا آپ کے سینے میں حُسین عَلَیہِ السّلام کی عظمت کے نقُوش کیا تھے ذرا تصور تو کریں اس دردناک منظر کا کہ اپنے دونوں بازو کٹ کر زمین پر گرے پڑے ہیں دونوں شانوں سے خُون کے فوارے چھُوٹ رہے ہیں۔ ایسی حالت میں تو اِنسان غم سے ہی مر جاتا ہے۔ مگر حضرت عباس کو اپنے بازُو کٹ جانے کا غم نہیں سکینہ کی پیاس کا غم ہے اپنے اس وعدے کا غم ہے جو سکینہ کو پانی پلانے کا کر کے آئے تھے۔

آس بھی ٹُوٹ گئی

پانی لے کر پہنچنے کی آس بھی ٹُوٹ چکی ہے اور سیفِ حیدری بھی چھُوٹ چکی ہے اور کٹے ہُوئے بازوؤں کیساتھ گِری ہوئی ہے اہلِ بیت کے پانی نہ پی سکنے کا بھی غم ہے اور امام عالی مقام کے اکیلے رہ جانے کا بھی صدمہ ہے خالی مشک اسی طرح دانتوں میں دَبی ہُوئی ہے کہ سامنے سے کسی شقی

بازو کٹ گئے

علمبردار کا گھوڑا ابھی بڑھ رہا ہے اور دشمن کا گھیرا ابھی بڑھ رہا ہے۔
آپ پوری شدّت سے مصروف جنگ ہیں کہ عقب سے نوفل نامی لعین نے
آپ کے داہنے بازو پر بھرپور حملہ کر دیا۔

آپ کا بازو کٹ گیا۔ خون کا فوّارہ پھوٹ نکلا آپ نے بائیں ہاتھ
سے تلوار سنبھالی اور چند قدم لڑتے ہوئے آگے بڑھ آئے۔ اب چہرہ پر جلال
پہلے سے بھی بڑھ چکا ہے۔ تلوار برابر چل رہی ہے کہ کسی شقی نے پیچھے سے بایاں
بازو بھی کاٹ دیا۔

اب شہزادۂ رسول کے علمبردار نے دونوں بازو کٹے ہوئے ہیں پانی
کی مشک بھی نیچے گری ہوئی ہے اور تلوار بھی نہیں چل سکتی۔

سکینہ کی پیاس یاد آ گئی،

دل خون ہو کر رہ گیا۔

جسم سے شرارے پھوٹ نکلے اپنی بے بسی پر رونا آ گیا اور ایک
تجویز سامنے آ گئی۔ سقّائے سکینہ نے مشک کو دانتوں میں اٹھا لیا۔

اِس منظر کو خود ہی سمجھنے کی کوشش کرو۔ قلم میں تو طاقت نہیں کہ اس
نظارہ کی تصویر کشی کر سکے۔

آپے ای سوچو شباب دے وِچّ عالم
وقتِ نزع جے ڈُھکے تے کی ہُندا

قبضہ جنہاندا ہووے سمندراں تے
پانی اونہاں لئی مُکّے تے کی ہُندا

بچّے وِلکن ترہائے تے دودھ اودھر
مانواں تسّیاں دا سُکّے تے کی ہُندا

کچھّو بازو کٹوا عبّاس صائمؔ
مشک دنداں نال چکّے تے کی ہُندا

(صائم چشتیؒ)

مشک دانتوں میں دبالی

آپ نے دانتوں میں لیکر حسینی پرچم کو گلے سے لگایا اور پھر دانتوں میں مشک اٹھا کو کر اُس سے پرچم کو بھی سہارا دیا اور چند قدم مزید آگے بڑھ آئے۔ دشمنوں کی طرف سے ایک تیر سنسناتا ہوا آیا اور مشکیزہ میں پیوست ہو گیا اور پانی کربلا کی تپتی ہوئی زمین نے جذب کر لیا۔

القلب کا تیر آتا ہے اور آپ کے سینۂ بے کینہ میں پیوست ہو جاتا ہے۔

تیر سینے کے آر پار ہو چکا ہے، بازو ساتھ ہوتے تو شائد کھینچ بھی لیا جاتا۔ مگر اَب تو بازو بھی ساتھ نہیں اور شبیرؑ بھی دُور ہیں حیدر کے لال کے سینے سے تیر کون کھینچتا۔ وہاں تو تیر چلانے والے تھے۔

شھادت

آپ کو پُوری طرح بے بس دیکھ کر قومِ اشقیا کا حوصلہ بڑھ گیا اور بڑھ بڑھ کر غازی علمدار کے کٹے پھٹے سینے پر تلواروں کے وار کرنے لگے۔ آپ شہید ہو گئے تو پھر بھی باز نہ آئے اور جسمِ نازنین پر تلواریں برساتے رہے، بزدل کہیں کے، جب حیدری شیر تلوار لیکر سامنے آیا تھا تو لومڑیوں کی طرح چھپتے پھرتے تھے۔ اَب وہ شہید ہو گیا ہے تو اُس کی لاش پر تلواریں برسا کر اپنا جوش ٹھنڈا کرتے ہیں۔ کینہ توز اور کمینہ اِنسان آدابِ دُشمنی سے بھی واقف نہیں ہوتا۔

اِمام عالی مقام نے حضرتِ عباسؑ کی یہ حالت دیکھی تو گھوڑا دُوڑاتے فوراً وہاں پہنچ گئے۔ چند لمحوں کی تو بات تھی حضرت عباسؑ تو ساحلِ فرات سے حوضِ کوثر کے کنارے پر پہنچ چکے تھے۔

اِمام عالی مقام کو سامنے آتے دیکھا تو یزیدی لاشہء عباسؑ سے پیچھے ہٹ گئے۔ آپ نے فرمایا ظالمو! تم نے میرے بھائی کی لاش پر تلواریں

چلائی ہیں خدا تمہیں کبھی سُرخروئی نصیب نہ کرے۔

لُوٹا اَجل نے شیرِ الٰہی کے باغ کو
بھائی کے دِل سے پُوچھے بھائی کے داغ کو
(میر مونس)

شہید اعظم کی شہادت

ناقہ سوار جا چکا ہے۔ صُغریٰ کا قاصد افسانۂ کرب و بلا میں دردِ غم کی آخری سُرخی بھر کر نظروں سے اوجھل ہو چکا ہے۔ میدان صاف ہو چکا ہے۔ اب کوئی نہیں جو محمدِ عربی کے نواسے پر نثار ہونے کے لئے آگے بڑھتا فاطمہ کا لال، صابروں کا شہنشاہ، شہیدوں کا امام، مجاہدوں کا تاجدار، دوشِ رسول کا راکب، امامِ مظلوم حسینؑ ابنِ حیدرِ کرارؑ اکیلا رہ گیا ہے۔ قہر و غضب کی گرمی پڑ رہی تھی اور

اِس دُھوپ میں کھڑے تھے اکیلے شاہِ اُمم
نہ دامنِ رسول ہے نہ سایۂ علم

علی اکبرؑ بھی جا چکا ہے، قاسم بھی شہید ہو چکا ہے، عباس علمدارؑ بھی کٹے پڑے ہیں۔ اب تو عون و محمد جیسا کوئی بچہ بھی نہیں جو آگے بڑھ کر امام مظلوم کو تلوار ہی پکڑا دیتا۔ ایک بیٹا ہے وہ بھی بُخار سے جل رہا ہے۔ لُٹی پُٹی سیّدانیاں ہیں اور وہ بھی تین دن کی پیاسی ہیں۔ زندہ ہیں مگر زندگی ان کے حال پر رو رہی ہے۔

شمر کی للکار

شمر کی آواز آئی۔ حُسینؑ آگے بڑھو۔ اُب کس کا انتظار ہے۔ اب تُمہارے لئے جان ضائع کرنے والا کوئی باقی نہیں۔ اُب سہارے نہ تلاش کرو اور مَیدان میں نکل آؤ۔

اِمام مظلوم نے شمر کی مکروہ گُفتگو سُنی تو خُون کھولنے لگا۔ آپ نے مَیدان کی طرف گھوڑے کا رُخ کیا اور پیچھے مُڑ کر اہلِ بیت کے خیموں کو اُداس اُداس نظروں سے دیکھ کر فرمایا، خُدا حافظ!

پردے کے پیچھے ایک دَبی دَبی چیخ نکلی یا امام رُک جایئے۔ یہ آواز جنابِ شہر بانو کی تھی۔ آپ نے فرمایا شمعِ شبستانِ رسولؐ۔ اَب اس غریب الوطن مُسافر کو کسی نئے اِمتحان میں نہ ڈالنا جو زندگی اور مَوت کی سرحدوں پر پہنچ چکا ہے۔

میں تُم سب کو خُدا کے سپرد کرتا ہوں۔ میرے صِرف چند سانس باقی ہیں۔ مُجھے یقین دلا دو کہ تُم میرے بعد بھی پُورے پُورے صَبر واِستقامت کا ثبوت دو گی۔ اَیسی حالت میں میں اپنی ہمشیر کا سامنا نہیں کر سکتا۔ اسے میرا سلام کہہ دینا۔ جناب شہر بانو کا کلیجہ مُنہ کو آ گیا اور عرض کیا میرے سرتاج گھوڑے سے اُتر کر میری صرف ایک بات سُن لیں۔ میں آپ کو خاتونِ قیامت کا واسطہ دیتی ہوں۔

خون کے آنسو

کربلا کا دُولہا ماں کے نام کا واسطہ ردّ نہ کر سکا۔ آپ گھوڑے سے اُترے اور خیمے میں آ گئے۔ سیّدہ شہر بانو آپ کو بیمار بیٹے کے سامنے لے گئیں آپ آگے بڑھے بیمار کو شدّت بخار نے بیہوش کر رکھا تھا۔ حضرت سجّاد بیمار تو پہلے ہی تھے مگر جب سے اکبرؑ کا لاشہ دیکھا ہے کلیجہ خُون ہو کر رہ گیا ہے۔ جسم انگارہ بن چکا ہے، سینہ چھلنی ہو گیا ہے اور دِل ٹُوٹ چکا ہے۔ تپ لرزہ سے جسم پر رعشہ طاری ہے۔ یُوں معلوم ہوتا ہے جیسے بوٹی بوٹی کانپ رہی ہو۔ صُبح سے نقاہت اور کمزوری کی وجہ سے بیمار کا رنگ زعفران کی طرح زرد تھا۔ لیکن لاشہ اکبر کو دیکھنے کے بعد جو بخار چڑھا اُس نے چہرے کو کُندن کی طرح سُرخ کر دیا ہے۔ یوُں معلوم ہوتا تھا جسم کا سارا خُون سمٹ کر رُخساروں میں جمع ہو گیا ہو۔ بدن کی ساری حرارت چہرے میں سمٹ آئی ہو۔ امام عالی مقام نے بیٹے کی یہ حالت دیکھی تو اپنے جگر کی چوٹیں یاد آ گئیں۔ دِل ہی دِل میں بیمار کو مخاطب کر کے فرمایا!

دو اجازت تو کلیجے سے لگالوں رخسار
سینک لوں چوٹ جگر کی اِن انگاروں پر

اور پھر آپ نے بیمار بیٹے کے جسم پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ فاطمہؑ

کے لال کا ہاتھ تھا۔ ہاتھ کا لمس مِلتے ہی بیمار نے آنکھیں کھول دیں۔ باپ کے یاس والم میں ڈوبے ہُوئے رُخِ انور کو دیکھا تو ماہئ بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔غم کی آگ میں جلتی ہُوئی جھیلوں میں رُوانی آ گئی۔آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے سُرخ اور آتشیں آنسو۔

ابّا کی حالت دیکھ کر آنسو نکل پڑے
دیکھا گیا نہ یاس میں عالم نگاہ کا

امام زین العابدین کو تسلّی

اِمام عالی مقام نے بیٹے کے سُرخ آنسو پہلے بھی دیکھے تھے اب دوبارہ بیٹے کا کلیجہ کٹتے دیکھا تو آپ کا کلیجہ بھی کٹنے لگا۔جگر پر چُھریاں چلنے لگیں۔

گو قصر سے چشم تک آئے تھے چھاؤں میں
لیکن پڑے تھے آبلے اشکوں کے پاؤں میں

سلطنتِ صبر و رضا کے تاجدار نے دِل کو سنبھالا۔ بیمار کو تسلی دی۔ گُذرے ہوئے حالات سے آگاہ کیا اور فرمایا بیٹا بابا سے آخری مُلاقات ہے تمام ساتھی اپنی منزل پر پہنچ چکے ہیں اور اب تیرے باپ کو میدان

میں طَلب کیا جا رہا ہے۔ بیٹا! اَب میرا وقت آ چُکا ہے۔ تھوڑی دیر بعد ہم اس دُنیا سے جا چُکے ہوں گے۔ میرے چاند اللہ تعالیٰ تُمہیں بہت جلد صحت یاب فرمائے۔ مجھے اَب جانے دو۔ دُشمن بار بار بلا رہے ہیں۔

حضرت سجّاد کی عرض

جناب سجّاد نے باپ کی جنگ کو تیاری کا سُنا تو تڑپ اُٹھے۔ بُخار کی شدّت کو جذبات کی شدّت نے دبا دیا۔ عرض کی ابّا جان آپ کا عابد ابھی زندہ ہے۔ ابّا جان پہلے مُجھے خُود پر فِدا ہو لینے دیں پھر آپ کی باری آئے گی۔ میں بُخار سے بھی جنگ کروں گا اور دُشمنوں سے بھی لڑوں گا۔ حَیدری خُون تھا مچل گیا۔ بُخار کی حدّت میں جلالِ حیدری کی شدّت بھی شامل ہو گئی۔ لرزہ اور بھی بڑھ گیا جسم اور بھی زور زور سے کانپنے لگا۔ علیؑ کا پوتا لاٹھی ٹیک کر اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

امام عالی مقام کا جواب

شبیّرؑ پکار اُٹھے میرے چاند، بیٹھ جاؤ۔ نہیں تو گر جاؤ گے۔ باپ تیری محبّت اور تیرے جذبے پر قُربان، تُو نے حقِّ فرزندی ادا کر دیا ہے۔ زین العَابدین تیرا اس شہادت میں پُورا پُورا حصّہ شامل ہے۔ مگر تُم شہید نہیں کئے جاؤ گے۔ میرے لَال تُمہیں ابھی زندہ رہنا ہے

نَسلِ شبّیر چلانے کے لئے

اُولادِ مصطفٰے کو قائم رکھنے کے لئے

خاندانِ نبوّت کی بقاء کے لئے

پردہ نشینوں کی حِفاظت کے لئے

شہیدوں کی لاشوں کے ٹُکڑے جمع کرنے کے لئے

شہیدوں کے لاشے دفنانے کے لئے

ہاتھوں میں بیڑیاں اور پاؤں میں زنجیریں پہننے کے لئے

خُون کے آنسو بہانے کے لئے تمھیں ابھی زِندہ رہنا ہے۔ میرے لال تم اِس امتحان میں برابر کے شریک ہو، تمھیں اِن شہادتوں سے اتنا ہی حصّہ مِلے گا جتنا علی اکبرؑ کو مِلے گا، جِتنا قاسم کو ملے گا، جِتنا عبّاس اور عون و محمد کو ملے گا، جِتنا مسلم کو اور اُن کے بیٹوں کو ملے گا جِتنا مُسلم کے بھائیوں کو ملے گا، جِتنا عباسؑ کے بھائیوں کو ملے گا۔

باپ تُم پر خوش ہے میرے چاند۔ میں اس لئے تُم پر خوش ہوں کہ تُجھ میں باپ کا جذبہ موجود ہے، عزمِ شبّیری کی حرارت مَوجود ہے، تجھے تو مُجھ سے بھی زیادہ صدمے برداشت کرنا ہیں۔ تُو زِندہ بھی رہے گا اور خُون کے آنسوؤں کی برسات بھی کرتا رہے گا۔ خُدا حافظ میرے لال میری طرح صَبر و استقامت سے زندہ رہنا۔ اپنی پُھوپھی کو تسلّی دینا، اپنی اُمّی کو صبر کی تلقین کرنا۔ خُدا حافظ میرے بیمار بیٹے خُدا حافظ!

حضرت زین العابدین نے باپ کے ارشادات سُنے تو اور شدّت

سے رونے لگے، اپنی بیماری پر رونا آ گیا، اپنی بےبسی پر رونا آ گیا۔ خُون کے آنسو گرتے جا رہے ہیں، جسم بَید کی طرح لرزتا جا رہا ہے اور غَش آتا جا رہا ہے۔ امام عالی مقام ابھی وہیں تھے کہ زَین العابدین پھر بے ہوش ہو گئے۔

آپ بیمار کے سر پر ہاتھ پھیر کر اُٹھے، مُڑ کر دیکھا تو وہاں کُچھ اور ہی منظر بنا ہوا تھا۔

بیبیوں کی حالتِ زار

سیّدہ زینب کے سر سے چادر اُتری ہوئی ہے، بال بکھرے ہوئے ہیں، نظر پتھرائی ہُوئی ہے، آنسُوؤں کے دو موٹے موٹے قطرے پلکوں پر آ کر ٹھہرے ہُوئے ہیں۔ حضرت شہر بانو کا رنگ اس طرح زرد ہو چکا تھا جس طرح خُون کا ایک قطرہ بھی موجود نہ ہو۔ جنابِ اُمّ لیلیٰ کے سامنے سکینہ بیہوش پڑی ہے اور اپنے سَرتاج کو دیکھ دیکھ کر روتی جا رہی ہیں۔

اِمام عالی مقام جنابِ زَین العابدین سے اِتنے زیادہ محوِ گفتگو تھے کہ اپنے پیچھے برپا ہونے والی قیامت کو نہ دیکھ سکے۔ اَب جو دیکھا تو دِل پر ہاتھ رکھ لیا۔

کوئی بات بھی کرتا تو آپ جواب بھی دیتے، خاموش فریادوں کا کیا جواب تھا۔ آنسوؤں کے سیلاب کو کس طرح روکا جاتا۔ باہر کی آگ ہوتی

بُجھا بھی لیتے۔ سینوں کی آگ کو کیسے ٹھنڈا کرتے۔ دُشمن کی فوج ہوتی تو تلوار بھی چلاتے حسرت بھری نِگاہوں کا مقابلہ کیسے کرتے۔

گھُٹے جاتے تھے دِل ضبطِ فغاں سے
بنے جاتے تھے نالے ہچکیاں سے

امام تڑپ گئے

صابروں کا اِمام بھی یہ منظر دیکھ کر تڑپ کر رہ گیا۔ حوصلہ کر کے آگے بڑھے بہن کی گری ہوئی چادر کو اُٹھایا اور علیؑ کی بیٹی کا سر ڈھانپ دیا۔ جناب سکینہ کو گود میں لیا علی اکبر کے خُون سے لتھڑے ہوئے سکینہ کے چہرے کو اپنے عمامے سے صاف کیا۔ آنکھوں میں پڑی ہوئی ریت کو عمامے کا پلڑا پھیر پھیر کر نکالا۔ بکھرے ہوئے بالوں کو انگلیوں سے دُرست کیا اور فرمایا!

بابا سے مِل لو

سکینہ ہوش میں آؤ۔ بابا کی آخری زیارت کر لو۔ پھر ساری عُمر بابا کا چہرہ دیکھنے کے لئے ترس جاؤ گی۔ بیٹی سکینہ اُٹھو جلدی کرو۔ آخری مُلاقات کر لو۔ آخری بار بابا کے سینہ سے تو لپٹ لو۔ پھر تو تمہیں بھی صغریٰ کی طرح ساری زندگی رو رو کر اور تڑپ تڑپ کر ہی گذارنا ہے۔ اُٹھو بیٹا! اب بابا بھی علی اکبر کے پاس جا رہا ہے۔ آپ دامن سے پنکھا بھی کر رہے ہیں اور بیٹی سے گفتگو

بھی کر فرما رہے تھے۔ جلد ہی معصومہ نے آنکھیں کھول دیں۔ خُود کو بابا کی گود میں دیکھا تو لپٹ گئی۔ تین دن کی پیاسی بچّی تین دن کے پیاسے باپ کے گلے مل رہی ہے۔ بابا کی گود میں کچھ سکُون مِلا تو بچّی پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگی آپ نے تسلّی دے کر فرمایا۔ صبر کرو میری بیٹی تو صابروں کی اَولاد ہے۔ مُجھے دُشمن پکار رہے ہیں۔ تو بیہوش تھی اور میری خواہش تھی کہ تُو مُجھے آخری بار گلے مل لے۔ اَب مُجھے جانے دو افسوس کہ تُم تھوڑی دیر بعد یتیم ہو جاؤ گی۔ مگر صابرہ بن کر رہنا تو حسینؑ کی بیٹی ہے۔

غموں کے طوفان

اِمام عالی مقام دُوسروں کو صبر کی تلقین فرماتے جا رہے ہیں لیکن اپنے سینے میں غم کے ہزاروں طُوفان اُٹھے ہُوئے ہیں جن کو اپنی قُوّتِ صبر سے دبا رکھا ہے۔

چلا کرتی ہیں اُن کے دِل میں لاکھوں آندھیاں غم کی
بظاہر جن کے چہروں پر غُبارِ غم نہیں ہوتا

سکینہ نے اَب داغِ یتیمی کو سر پر دیکھا تو فریاد پر فریاد کرنے لگی۔ ابّا کے پاؤں سے لپٹ لپٹ کر اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر عرض کرتی ہے۔ بابا سارا گھر اُجڑ چکا ہے اب آپ تو نہ جائیں۔ آپ کے بغیر تو ہم مر جائیں گے بابا۔

بابا آپ نہ جائیں۔ نہ جائیں میرے ابّا جان نہ جائیں۔ آپ چلے گئے تو میں بابا کس کو کہوں گی بابا!۔ مُجھے بیٹی کون کہے گا میرے بابا۔ مجھے اپنی ڈھال بنالو ابا جان! آپ پر چلنے والی تلوار پہلے سکینہ پر چلے گی آپ نہیں ہوں گے تو زِندگی عذاب بن جائے گی۔

بچّی کی فریاد سُنی تو اِمام عالی مقام کا دِل بھر آیا۔ آنکھیں تو پہلے ہی آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں پیار کا سومہ بہہ نکلا۔ شفقتِ پدری کا چشمہ رَواں ہوگیا۔ صبر تو کرنا ہی تھا۔ اور یہ صبر ہی تو تھا اور صبر کسے کہتے ہیں۔ صبر کا دامن چھوڑ دیتے تو اب بھی یزید کی اطاعت کر کے زندگی بچا سکتے تھے۔

فرض ادا هو رها هے

یہی تو چیز تھی جس نے ملائکہ سے اَشرف کر دیا۔ باپ کی محبّت کا جذبہ بھی موجود ہے، شفقتِ پدری سے سینہ بھی مَعمور ہے۔

اَولاد کی محبّت بھی دِل میں طُوفان برپا کر رہی ہے مگر فرض بھی اَدا ہو رہا ہے۔ جیسے بھی ہو سکا آپ نے روتی تڑپتی بچّی کو پاک دامنوں کے حوالے کر کے صبر کی تلقین فرمائی۔

آخری بار ہمشیرہ کی پتھرائی ہُوئی نظروں کا نظارہ کیا اور نظریں جُھکا لیں۔ حضرت شہر بانو اور جناب اُمّ لیلیٰ کی طرف دَرد میں ڈُوبی ہوئی آنکھوں سے دیکھا۔ دیگر بیبیوں کو الوداعی سلام کہا۔

شہادت کا دولھا

اِمامِ مظلوم خیمے سے نکلنے لگے تو جناب زینبؑ کی حالت بدل گئی۔ دردوغم میں ڈوبی ہوئی اِمام مظلوم کی ہمشیر پر پھر دخترِ علیؑ کا رُوپ آ گیا۔ آپ لرزتی اور کانپتی ہوئی اُٹھی تھیں مگر اَب صبر واِستقامت کا پیکر بن چکی تھیں۔ آپ نے فرمایا بھیّا جسم سے ہتھیار اُتار دیں میں آپ کو خود شہادت کا دُولہا بناؤں گی۔ مجھے اپنا فرض پُورا کر لینے دیں پھر مَیدان میں تشریف لے جائیں اور پھر آپؑ نے جنابِ رسول کریمؐ کا عمامہ اپنے دوپٹے سے صاف کر کے بھائی کے سر پر رکھّا۔

قبائے رسول پہنائی کپڑوں کی گٹھڑی کو کھولا اور اس سے ایک پڑکا نکالا۔ یہ بنتِ رسول کا دوپٹہ تھا۔

وہ بنتِ رسول کے بیٹے کی کمر سے باندھ دیا جنابِ جعفر طیار کا نیزہ اور جناب سیّد الشہداء امیر حمزہؓ کی ڈھال پُشت انور پر سجائی۔ بھیّا حسنؑ کی زِرہ پہنا کر ہاتھوں میں ذُوالفقارِ حیدری تھما کر کہا۔

ناموسِ رسولؐ کے محافظ باہر چلو تاکہ میں آپؑ کی رکاب تھام کر گھوڑے پر سوار کراؤں۔ نانا مصطفےٰؐ معراج کو گئے تھے تو آپ کے گھوڑے کی رکاب جبرئیل نے تھامی تھی۔

میرے ابّا جان جنگ کو جاتے تو ان کی رکابیں بھائی حَسن اور آپ

تھامتے تھے۔علی اکبرؑ جنگ کو جانے تو ان کی رکاب کو عَلمدار نے سہارا دیا اب آپؑ جانے لگے ہیں تو اہلبیت کا کوئی مَرد موجود بھی نہیں اِس لئے یہ فریضہ بھی علیؑ کی بیٹی ادا کرے گی۔

آپ نے فرمایا نہیں بہن! میں آپ کا یہ فَرمان نہیں مان سکتا۔ حُسینؑ کی غیُرت یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کی زندگی میں اس کی ہمشیر پَردے سے باہر نکلے۔ آپ سیّدہ کی بیٹی ہیں۔ میرے بعد جو آپ کا حال ہونا وہ تو میں دیکھ رہا ہوں مگر اَبھی حسینؑ زندہ ہے۔

بیٹی کا بابا کو روکنا

اور پھر آپؑ باہر نکل آئے اور گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ آپؑ نے گھوڑے کو چلانا چاہا مگر وہ ہِل نہیں رہا تھا۔ آپ نے نگاہیں جُھکا کر دیکھا تو جناب سکینہ گھوڑے کے پاؤں سے لپٹی ہوئی تھیں۔ آپؑ نے فرمایا بیٹی! ان مَعصومانہ کوششوں سے باپ کے دِل پر چُھریاں نہ چلاؤ۔ سکینہؓ میں تیرے دِل میں لگی ہوئی آگ کے شُعلے دیکھ رہا ہوں۔ مگر کیا کروں مُجھے میرا فرض پُکار رہا ہے۔ صبر کرو سکینہ تم صابروں کی بیٹی ہو۔ پھر آپؑ نے گھوڑے سے اُتر کر بڑی مُشکل سے بچّی کو خیمے میں پہنچا کر جناب اُم لیلیٰ کے سُپرد کیا اور دُعا دے کر گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ جناب فاطمہؑ کی بہوؤں نے اپنا اُجڑتا ہُوا سہاگ کس طرح دیکھا تھا یہ قلم میں طاقت نہیں کہ بتا سکے۔

مَوت سے مکالمہ

اِمام عالی مقام نے گھوڑا میدان کی طرف پھیرا تو پیچھے سے آواز آئی شبیرؑ پیچھے پلٹ جاؤ، میں مَوت ہوں۔

امام عالی مقامؑ نے فرمایا۔ مَت فِکر کرو میں بھی حق و صداقت کی صوَرت ہوں۔

آواز آئی! میں طُوفان ہُوں۔

فرمایا! میں چٹّان ہُوں۔

آواز آئی! میں تقدیر ہُوں۔

فرمایا! میں شبیرؑ ہُوں۔

آواز آئی! میں خُون ہُوں۔

فرمایا! میں دین کا ستُون ہُوں۔

آواز آئی! میں تلوار ہوں۔

فرمایا! میں سراپا ایثار ہوں۔

آواز آئی! میرا کام خُون بہانا ہے۔

فرمایا! میرا کام دین کو بچانا ہے۔

آواز آئی! میں خُونی ڈَین ہُوں۔

فرمایا! میں حُسین ہُوں۔

آواز آئی! تو لہولُہان ہو جائے گا۔

فرمایا! میرا امتحان ہو جائے گا۔

آواز آئی! تو کٹ جائے گا

فرمایا! ظُلم کا بادل چھَٹ جائے گا۔

آواز آئی! میں اَجل کا تیر ہوں

فرمایا! میں نبی کی تَصویر ہوں۔

آواز آئی! تیرا سِینہ فگار ہو جائے گا۔

فرمایا! دین کا بیڑا پار ہو جائے گا۔

آواز آئی! میں بڑی سخت ہوں

فرمایا! میں حیدرِ کرارؑ کا لَخت ہوں۔

آواز آئی! میں تُجھے فنا کر دوں گی۔

فرمایا! مُجھے بقاء مِل جائے گی۔

آواز آئی! زِندگی کا رشتہ ٹُوٹ جائے گا

فرمایا! نانے کا دین قیَد سے چُھوٹ جائے گا۔

آواز آئی! تیرا گھر بَرباد ہو جائے گا۔

فرمایا! نانے کا دین آزاد ہو جائے گا

آواز آئی! تو پیاسا ہے۔

فرمایا! میرے ہاتھ میں کوثر کا کاسہ ہے۔

آواز آئی! تو اکیلا ہے۔

فرمایا! میرا خُدا بھی اکیلا ہے۔

آواز آئی

حُسینؑ

یہ جان بڑی چیز ہے جان بچا لو
فَرمایا مُجھے حکم ہے قُرآن بچا لو
(صائم چشتی)

شبیرؑ ہُوں اَبرو پہ نہ بل ڈالوں گا
اِس قیدِ علائق کو کُچل ڈالوں گا

کیا مَوت سے ڈَر مَوت کی سختی کیسی
مَیلی ہے یہ پوشاک بَدل ڈالُوں گا
(نقش)

شِمر سے گُفتگو

اور پھر علیؑ کا شیرؑ جلالِ حَیدری کی تصویر بَن کر ہزاروں دُشمنوں کے سامنے پہنچ گیا۔

شمر نے کہا موت سے ڈر گئے تھے جو اتنی دیر کر دی تھی؟

فرمایا! ایسی کوئی بات نہیں۔

شمر نے کہا! ہمشیر سے مشورہ کر رہے تھے کہ یزید کی اطاعت کر کے جان بچالوں۔ اگر یہ مشورہ تم کر چکے ہو ہمیں اب بھی قبول ہے کہ تم اطاعت یزید کرلو! ہم تمہیں امان دیتے ہیں۔

فاطمہ کا لال غضبناک ہوگیا۔ چہرے پر خون اتر آیا۔ آنکھوں میں قہر کے آثار پیدا ہو گئے۔ آپ نے فرمایا نا ہنجار خاموش ہو جا۔

چتکبرے کتے! اگر مجھے جان بچانا ہوتی تو میں قاسم کی زندگی بچاتا، علی اکبر کی جوانی بچاتا، عباس علمدار کی جان بچاتا۔

بیوقوف! اگر مجھے جان بچانا ہوتی تو علی اصغر معصوم کی جان بچاتا، عون و محمد کی معصوم زندگیاں بچاتا۔ پسران عقیل و علی کی جانیں بچاتا، اپنے وفادار ساتھیوں کی جانیں بچاتا۔

احمق کے بچے! محمد مصطفےٰ کا سارا باغ ویران کر لینے کے بعد بھی محمد مصطفےٰ کے باغی اور خدا کے دشمن کی اطاعت کر لینے کا مشورہ دیتا ہے۔

اور پھر آپ نے عمر و سعد کو مخاطب کر کے فرمایا۔ سعید باپ کے شقی بیٹے تو بھی سن لے! ہم نے اپنے خطبہ میں تم سب کو بتا دیا تھا:۔

ہمارا حق پہچانو! ہم اہلبیت رسول ہیں نبی علیہ السلام کی بیٹی کے بیٹے ہیں اور اس وقت ہمارے سوا دنیا میں کسی نبی کی بیٹی کا بیٹا موجود نہیں! اور

یہ بھی بتایا تھا کہ میرے سر پر عمامۂ رسول ہے اور دیکھ یہ میری کمر میں خاتون قیامت کا پڑکا ہے۔ یہ ڈھال سیّد الشہداء امیر حمزہ کی ہے۔ یہ نیزہ جعفر طیّار کا ہے۔ یہ تلوار حیدر کرار کی ہے۔ مگر تم میری بات کب سنتے ہو۔ تمہیں تو حکومت کرنے کے نشہ نے اندھا اور بہرہ کر دیا ہے۔ بدنصیب ظالمو! تم نے دینا بھی تباہ کر لی ہے اور آخرت بھی برباد کر لی۔

حق و صداقت کی جنگ

شمر نے کہا ہم نے تمہارا وعظ سننے کے لئے نہیں بلایا۔ دل کی کوئی حسرت ہے تو نکال لو پھر نہ کہنا مقابلہ کا موقع نہیں دیا گیا۔ کوفیوں کا خیال تھا کہ اَب حُسینؓ میں لڑنے کی ذرا بھی سکت نہیں ہوگی تین دن کا پیاسا ہے اور پھر صبح سے آنکھوں کے سامنے پورا خاندان کٹوا تا رہا ہے۔ لاشیں اُٹھا اُٹھا کر کمر دوہری ہوگئی ہے۔ اَب کیا مقابلہ کرے گا۔

اُن کے ایک آدمی ابنِ سنان نے بڑھ کر وار کیا آپ نے وار خالی دے کر ایسا نیزہ مارا کے سینے کے آر پار ہوگیا۔ عمرو نے اپنا آدمی یوں کٹتا دیکھا تو عام حملے کا حکم دے دیا۔ وہ لوگ چاہتے تھے کہ جلد از جلد امام عالی مقام کا کام تمام کر کے فتح کے شادیانے بجاتے ہوئے ابنِ زیاد کے پاس پہنچ جائیں۔ یزید سے انعام حاصل کریں۔ ابنِ زیاد سے شاباش وصول کریں۔ علی کے اکیلے شیر پر ہزاروں دشمنوں نے حملہ کر دیا تھا۔ سینکڑوں تلواریں

بیک وقت ایک دُوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔ یزیدیوں کے نیزے اپنے ہی نیزوں میں اُلجھ رہے تھے۔

امامِ عالی مقام پر برسنے والے تیران کے اپنے گھوڑوں کو بھی زخمی کر رہے تھے۔ حَیدر کا شیر ذُوالفقارِ حیدری کو مَیدان میں اِس طرح کو مَیدان میں اس طرح گردش دے رہا تھا جَیسے سینکڑوں بجلیاں بیک وقت کوند جاتی ہوں تلوار کی کاٹ تھی یا بجلیوں کا رَقص جو کُفر کے نشمین کو جلا دینے پر تُل گئی ہوں ابن حیدر کی تلوار جلال حیدری کی تصویر اور **لَا سَیفَ اِلّا ذُوالفِقَار** کی تفسیر بنی ہوئی تھی۔ سخت دوپہر ہو چکی تھی۔ زمین آگ اُگل رہی تھی۔ آسمان آگ برسا رہا تھا۔ مَیدانِ کربلا میں چلنے والی بادِ سَموم اِس قدر گرم تھی جیسے آگ کے شُعلوں کو چاٹ چاٹ کو آ رہی ہو۔ اور تیغ امام بھی گرم ہو چکی تھی۔ جس کو چُھو جاتی اُسے آگ لگا دیتی اور وہ آگ آگ پکار کرتا واصلِ جہنّم ہو جاتا۔

کیا جنگ میں تھی تیغ شہنشاہِ زمن گرم
سرگرم، ہوا گرم، زباں گرم، دہن گرم

پڑجاتا تھا سایہ بھی تو ہوجاتے تھے تن گرم
مرنے پہ بھی خُونخواروں کے تھے زخمِ بدن گرم

ظاہر تھا جلالِ شہِ عالم کا نمونہ
آنچ اس کی دکھاتی تھی جہنّم کا نمونہ
(میر مونس)

شمشیر چل رہی تھی؛ شبیّر بڑھ رہے تھے؛ شریر کٹ رہے تھے؛ زمین کانپ رہی تھی؛ آسمان لرز رہا تھا؛ میدان ہل رہا تھا؛ خون برس رہا تھا؛ فضا کا سینہ دھڑک رہا تھا؛ شریروں کی فوج کی تعداد بائیس ہزار ہے؛ شبّیر اکیلا ہے مگر

فِی النّار کفر ہو گیا۔ مردود جل گئے
لیکن نہ ذو الفقار کے ابرُو سے بل گئے

ایک بد بخت نے اشارہ کیا حسینؑ ادھر دیکھو وہ فرات کا ٹھنڈا پانی چمک رہا ہے مگر تمہیں اس سے ایک قطرہ پینا بھی نصیب نہیں ہوگا اور تم پیاسے ہی قتل کر دیئے جاؤ گے۔ امام عالی مقام نے فرمایا اللہ تمہیں پیاسا ہی قتل کرے گا پھر وہ فوراً الطَعش الطَعش پکارنے لگا۔ پانی بھی پیئے جا رہا تھا مگر پیاس اور زیادہ بھڑکتی جاتی تھی۔ آخر پیاسا ہی مر گیا آپ جدال وقتال کرتے ہوئے بھی یہ ارشاد بار بار دہرا رہے تھے۔ جفا کار ظالمو! تم میرے قتل پر جمع ہو چکے ہو۔
یاد رکھو خدا کی قسم میرے قتل کے بعد کسی کو قتل نہیں کرو گے جس کا قتل

میرے قتل سے زیادہ خدا تعالیٰ کی ناراضگی اور ناخوشی کا باعث ہو۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں حسینؑ مگر تم وہ بدلہ پانے والے ہو جو تمہارے خواب و خیال میں بھی نہیں۔ اللہ تم میں پھوٹ ڈال دے گا تمہارا خون بہائے گا اور پھر تم پر عذابِ اُلیم مسلط کر دے گا میرے ایک قتل کے بدلے تم لاکھوں قتل ہو جاؤ گے مگر میرے خون کا انتقام ابھی باقی رہے گا۔

آپ ایک دفعہ زبردست جدال وقتال کرتے ہوئے ساحلِ فرات پر بھی پہنچ گئے مگر آپ تو پانی کو دیکھنا بھی نہیں چاہتے۔

سَو دُکھ ہیں مگر شکوۂ اَعدأ نہیں کرتے
تکلیف میں رُاحت کی تمنّا نہیں کرتے

پانی کی طَلب سیّدِ وَالا نہیں کرتے
رَغبت سے نَظر جانبِ دَریا نہیں کرتے

صَدمہ ہے کہ عبّاس یہاں قَتل ہُوا ہے
سقّائے سکینہ کا یہاں خُون بہا ہے

پیاسے ہی امتحان دینا ھے

پانی تو پینا ہی نہیں تھا۔ علی اصغر کے پیاسے چلے جانے کے بعد پانی کیا پینا تھا۔ جس کا علی اکبر پیاسا شہید ہو۔ جس کے بُخار میں جلتے ہُوئے عابد کو ایک گھونٹ پانی نہ مل سکا ہو، جس کی معصوم سکینہ پانی کے بغیر تڑپ رہی ہو، جس کے گھر والیاں پانی کے ایک ایک قطرے کو ترس رہی ہوں جس کی ہمشیر سُوکھ کر کانٹا بن چکا ہو وہ پانی کیا پیتا۔ پانی تو پینا ہی نہیں تھا صرف دُشمنوں کو بتانا مقصود تھا کہ فُرات شبیر کی زد میں ہے فرات ہی کیا اگر آپ چاہتے تو کوثر کا چشمہ کناروں سے بہتا ہوا کربلا کے میدان میں آجاتا مگر آپ کو تو پیاسے ہی امتحان دینا تھا۔

یہ تمام مصیبتیں، تمام بلائیں اور تمام دُکھ درد تو آپ کے اختیاری تھے۔ آپ نے تمام مصائب و مشکلات کا مشاہدہ کر کے اُن کو قبول کیا تھا اور پُوری پُوری رضا مندی سے ہر مُصیبت کو برداشت کرنا گوارا کیا تھا پھر آپ کو شکوہ کیا کرنا تھا۔

اس بلائے عظیم کو برداشت کر کے ہی تو تکمیل ذِبحِ عظیم ہونا تھی۔ جنوں کا سردار ''زعفر'' حضرت علی کے ہاتھوں پر مُسلمان ہُوا تھا۔ اُس نے خود آکر درخواست پیش کی حضور والا میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے ساتھیوں کی تعداد انتہائی قلیل ہے اور دُشمن بہت زیادہ ہیں۔ مجھے حُکم فرمایا جائے کہ میں

آپ کے دُشمنوں کو چند لمحوں میں تہس نہس کر دوں۔ مگر آپ نے اُس کی درخواست مُسترد فرمادی جنّوں کا سردار ہی کیا آپ خُود امام الاولیاء اور محمد عربی کے نواسے تھے ذرا سا اِشارہ فرمادیتے تو فوجِ یزید ملیا میٹ ہو جاتی مگر آپ کو تو اِمتحان دینا تھا طُغیان وسرکشی سے مُقابلہ کرنا تھا ورنہ کربلا میں کتنے ہی ایسے واقعات رُونما ہو چکے تھے۔ کہ جو بھی جنابِ شبّیر کے مُنہ سے نکلا وہ ہو کر رہا کسی نے آگ کا طعنہ دیا تو وہ آگ میں جل گیا۔ کسی نے قطعِ نسل کا طعن کیا تو اُس کی نسل قطع ہوگئی کسی نے پانی کیلئے تمسخر کیا تو وہ پیاسا مر گیا۔

ان سب واقعات کا ماحصل یہی تھا کہ اگر اِمام مظلوم چاہتے تو وہ ان بلاؤں کا بیک جنبشِ لب خاتمہ فرما سکتے تھے مگر ایسا کرنے سے نانا کے لئے شہادتِ جلیلہ کے منصب کا اِہتمام کس طرح ہوتا۔

آپ کو تلوار بھی چلانا تھی اور شہید بھی ہونا تھا۔ آپ کا منصب یہی تھا کہ آپ کو مجاہدانہ شہادت نصیب ہوتی۔ بے بسی کی شہادت کا رنگ اتنا گہرا کیسے ہو سکتا تھا۔ اگر آپ قُوّتِ روحانی سے فوجِ یزید کو ختم کر دیتے تو آپ کو شہیدِ اعظم کون تسلیم کرتا اور اگر آپ تلوار نہ اُٹھاتے تو آپ کو مُجاہدِ اعظم کون مانتا۔ بہر صُورت دنیا کو یہ بھی دیکھنا تھا اور تاریخ میں یہ بھی آنا تھا کہ ناموسِ رسالت کے اکیلے محافظ نے خُدا اور رسول کے بائیس ہزار دُشمنوں سے مردانہ وار مقابلہ کیا اور یہ مقابلہ جاری ہے۔

محمدِ عربی کا ستارہ اکیلا ہے، جہنّم کے شرارے ہزاروں ہیں فاطمہؑ کالال اکیلا ہے، ہندہ کے پوتے کے ساتھی ذرّوں کی طرح لاتعداد ہیں مدینے کا چاند اکیلا ہے اور شام کے بادل تہہ بر تہہ اُمڈتے چلے آتے ہیں حیدرِ کرّار کا شیر اکیلا ہے اور دُنیا کے کُتّے ہزاروں ہیں۔

ضَیغَمِ عَلیؑ کا ظُلم کے جنگل میں گھر گیا
زَہرا کا چاند شام کے بادِل میں گھر گیا

پیکرِ جلال و جبروت

اِمام مظلوم کو جیسے جیسے بے گناہ شہیدوں کی یاد آتی جاتی ہے آپ پیکرِ جلال و جبروت بنتے جاتے ہیں۔ آپ کا چہرۂ اَقدس شدّتِ جذبات سے رُخِ وَالضُّحیٰ کا عکسِ جمیل بن کر چمک رہا ہے اِس طرح اَنوار وتجلّیات کی بارش ہوتی ہے جیسے شفق کے پردوں سے آفتاب طُلوع ہو رہا ہو۔

چہرہ تھا ایسے خون کی حِدّت سے شُعلہ دوش
سُورج کا جیسے پُھول اِک طشتِ سَحر میں ہو

آپ کے جسمِ نازنین پر جب دُشمنوں کے تیر آ کر لگتے ہیں تو آپ

اس طرح نکال کر پھینک دیتے ہیں جیسے کوئی کانٹا چبھ گیا ہو۔ محبوب جھروکوں سے جھانک کر عاشق کا دِل بڑھا رہا ہو تو پھر اِحساسِ اذیّت کہاں لذّتِ وصالِ محبوب ہو تو تکلیف کی شِدّت کیسی یہی تو شہیدوں کا اعزاز ہوتا ہے۔ یہی تو عِشق کی شان ہے کہ حُسن کو بے نقاب دیکھ کر ہاتھوں پر چُھریاں چل جائیں اور اُنگلیوں کے کٹ جانے کا پَتہ نہ چل سکے۔

اِمامِ مظلوم کے جسمِ انور پر تیروں کے کئی زخم آ چکے ہیں مگر ذُوالفقارِ حَیدری قوّتِ خَیبر شکن کا لوہا منوا رہی ہے۔ دُشمن لُومڑیوں کی طرح آگے پیچھے چھپتے ہیں مگر ذُوالفقارِ علی تو اُن پر قہرِ خُداوندی اور غَضبِ الٰہی بن کر برس رہی ہے۔ رعد کی طرح کڑکتی ہے اور بَرق کی طرح جسموں سے پار ہو جاتی ہے۔ کِسی کا سر نہیں تو کسی کا دُھڑ نہیں کِسی کا بازو نہیں اور کسی کی پنڈلی نہیں

بجلی سی جو گِر کر وہ صفِ جنگ سے نِکلی
فریاد کی آواز دِلِ سنگ سے نِکلی

اَسوار کے سَر پر جو پڑی تنگ سے نِکلی
سینے میں اُتر آئی عَجَب رنگ سے نِکلی

چھوڑا جسے مقتل میں لہُو چاٹ کے چھوڑا
پایا جسے اُس تیغ نے سَر کاٹ کے چھوڑا

سَر اُڑ رہے تھے چلتی تھی سن سے جو ذُوالفقار
چلتے تھے وار تیغِ دو پیکر کے بار بار

ڈھالوں کو روکتے تھے جو مردُود نابکار
بجلی کی طرح کوندتی تھی تیغِ شُعلہ بار

مرتے تھے ڈر سے ڈُوب کے ناری فرات میں
غُل تھا کہ آگ لگ گئی کشتِ حیات میں

بازو کسی کا تن سے جُدا تھا کسی کا سر
دو تھا بشکل کوئی گردن سے تا کمر

کوئی تڑپ رہا تھا اِدھراور کوئی اُدھر
نازل تھا اُن پہ قہرِ خُدائے بزرگ تر

آفت کی تیغ تھی تو۔ قیامت کا ہاتھ تھا
گویا کہ عزرائیل چُھری لئے ساتھ تھا
(انیس)

تیغ امام چل رہی ہے

تیر چل رہے ہیں، تلواریں برس رہی ہیں، نیزے ٹکرا رہے ہیں حَیدر کا شیر کبھی نعرۂ تکبیر لگاتا ہے اور کبھی نعرۂ حیدری لگا کر رَجز پڑھتا ہوا مجاہدانہ شان سے دُشمنوں کی صَفوں کی صَفوں کو اُلٹ رہا ہے۔ تیغِ امام چل رہی ہے دُشمن جہنم میں جا رہے ہیں

عُمر وسعد برابر اپنے سپاہیوں کو غَیرت دِلاتا جا رہا ہے۔ سپاہِ یزید بڑھ بڑھ کر حَملے کر رہی ہے مُحمّد کا نواسہ تین دِن کا پیاسا اپنے فرائضِ مَنصبی کو پُورا کر رہا ہے ذُوالفقارِ حَیدری کی عصمت کا تحفّظ بھی ہو رہا ہے اور فرائضِ ذبحِ عظیم کی تکمیل کا بھی وقت قریب آتا جاتا ہے۔ کربلا کے دُولہا کے رُخِ منوّر کی تابانیوں سے ریت کے ذرّے چمک رہے ہیں جیسے آفتاب زمین پر اُتر آیا ہو۔

ضَو تھی یہ نُور وحُسنِ رِسالت مآب کی
ذرّوں سے جھپکی جاتی تھی آنکھ آفتاب کی
(تعشق)

عارض کی ضَو سے دیدۂ انجم جھپک گئے
نِکلا جو آفتاب تو ذرّے چمک گئے

(انیس)

اِمام مظلوم کے جسمِ انور پر تیروں، تلواروں، نیزوں اور برچھیوں کے بے شُمار زخم آ چکے ہیں۔ زخموں سے خُون بہہ بہہ کر فاطمہ کے لال کا لباس سُرخ ہو چکا ہے۔ تصویرِ مُصطفیٰ کے ساتھ ساتھ قبائے مُصطفیٰ بھی تار تار ہو چکی ہے۔

بے چین رُوحِ سیّدِ لَولاک ہو گئی
تیغوں سے مُصطفیٰ کی قباء چاک ہو گئی

گھوڑے کی زِین بھی خون حُسین سے رنگین ہو چکی ہے اور گھوڑا بھی گردن سے لیکر پاؤں تک تیروں تلواروں سے چھلنی ہو چکا ہے۔ مگر شبیر کا مرکب تھا پیکرِ استقامت بن کر سوار کا ساتھ نبھا رہا تھا۔ صابروں کی سواری بھی صبر و شُکر کا کامل نمونہ پیش کر رہی تھی۔

اِمام مظلوم کے جسمِ انور سے خُون بہت زیادہ نکل چکا ہے نقاہتِ جسمانی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جاتی ہے مگر قُوتِ عزم واعتماد اور ایمان ویقین پورے جاہ جلال کے ساتھ مصروفِ کارزار ہے اِمام الانبیاء صلّی اللہ عَلَیہِ وآلِہ وسلّم صبح سے میدان کربلا میں تشریف لائے ہوئے ہیں اور اِمام عالی مقام کے

ساتھیوں کا مُقدّس خون ایک شیشے میں جمع فرماتے جارہے ہیں تاجدارِ انبیاء کا نُورانی جسم گردوغبار سے اَٹا پڑا ہے۔ دستارِ اَقدس پر ریت کی تہیں جمی ہوئی ہیں۔ رِیش مبارک کے بال بکھرے ہوئے اور غُبار آلود ہو چکے ہیں۔

امتحان ختم ہونے والا ہے

اِمام الانبیاء صُبح سے نواسے کا اِمتحان ملاحظہ فرمارہے ہیں۔ خُون کا شیشہ ہاتھوں میں پکڑا ہوا ہے اور نوَاسے کے مقدّس خون کا اِنتظار ہے اور اب یہ انتظار ختم ہونے والا ہے کربلا کے دُولہے کے لئے جنّت سنواری جاچکی ہے حُوریں صَف بہ صَف فاطمہ کے لال کے اِستقبال کے لئے ایستادہ ہوچکی ہیں چشمہء کوثر تین دن کے پیاسے کے لئے بار بار جوش میں آکر کناروں کے اُوپر سے بہہ نکلتا ہے

جبریل ہاتھوں میں ذبحِ عظیم کی سَند لئے بڑی شدّت سے انتظار کر رہا ہے کہ وَارثِ ذبحِ عظیم آجائے تو یہ تُحفہ اسے پیش خدمت کروں تمام ملائکہ صُف بہ صف محمّدِ عربی کے نَواسے کا اِنتظار کررہے ہیں۔

کہ ایک مَردود و ملعون کا تیر آکر اِمام مظلوم کے حلق میں پیوست ہو جاتا ہے۔ حلقومِ حُسین سے خُون کا فوارہ اُبل پڑا آپ نے دستِ اَقدس آگے بڑھا دیئے اور خُون کو چلو میں لے کر آسمان کی طرف اُچھال دیا۔ امین صادق پورے خلوص کے ساتھ اپنی جان کی امانت بھی بارگاہ خداوندِ قُدّوس میں پیش

کر رہا ہے نانا جان نے بھی اپنے عظیم ذبیحے کا خُون شیشے میں ڈال لیا اور اب نواسے کے آخری سجدہ کا اِنتظار ہے۔

خُونِ اِمام آسمان کی طرف اُچھلا تو فرشتوں نے اُٹھا کر اُفق پر پھینک دیا اور پھر وہ خُون مقدّس اُفق سے شَفق بن کر اُبھر آیا جو قیامت تک شَفق کی سُرخی بن کر نمودار ہوتا رہے گا اور مُحمّد عربی کے نَواسے کے بے گناہ قتل کی گواہی دیتا رہے گا۔

جدّ توں سید مظلوم شہید ہویا شَفق صُبح دی اوہدوں توں رَتّی ہوگئی
گُلستانِ مُحمد دیاں غُنچیاں تے نھیری اوہ چلّی پتّی پتّی ہوگئی

گرم اکبر جوان دا خُون ڈُلّا ریت کربلا دی ہور تتّی ہوگئی
ایدھر زَہرا دا بُجھیا چراغ صائم اودھر گل سی کُفر دی بتّی ہوگئی

(صائم چشتی)

آپکو اِس دردناک حالت میں دیکھا تو شمر نے خیموں کو لُوٹنے کا اعلان کر دیا۔ اِمام مظلوم نے فرمایا! ظالمو بے غیرتی کی یہ اِنتہا تو نہ کرو۔ ناموس مصطفےٰ کو لوٹنا چاہتے ہو! اور پھر وہ رُک گئے۔ امام مظلوم کے حلق کا خُون منہ کے راستے بھی جاری ہے اور اِسی حالت میں زُرعہ بن شریک ملعون ومردود نے آپ کے بائیں شانے پر تلوار چلا دی۔ اِمام مظلوم کا بایاں بازو لٹک رہا تھا اور دائیں ہاتھ میں تلوار تھامی ہوئی تھی کہ سنان بن انس مردود و

ملعون نے آپ کے سینۂ اقدس پر نیزے کا وار کر دیا اور نیزہ سینہ کے پار ہو گیا۔ اِمام مظلوم حق جہاد ادا کر چکے ہیں۔ سارا جسم ماہِ انور سے بدل کر گلاب کا پُھول بن چکا ہے

دیدار الٰہی کا وقت قریب آگیا

دیدارِ الٰہی کا وقت قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ اِمام الانبیاء صَلّی اللہ علیہ وآلِہٖ وسلّم غیوّر نواسے کو بارگاہِ خُداوندی میں پیش کرنے والے ہیں۔ وصال کی گھڑیاں اور بھی قریب آجاتی ہیں سنان بن انس حرامی نے سینۂ منوّر میں کھبا ہوا نیزہ کھینچا تو قُرآن رحلِ زین سے نیچے گر پڑا ۔ فاطمہ کا لال گرم گرم ریت میں مل گیا۔

حال یہ ہے کہ۔۔۔

تیغوں سے بند بند جُدا تھا جناب کا
شیرازہ کُھل گیا تھا خُدا کی کتاب کا

جنابِ زینب نے بھائی کو گھوڑے سے گِرتے دیکھا تو بیتاب ہو کر خیموں سے نکل آئیں آپ فریاد پر فریاد کرتی اور دوڑتی ہوئی مظلُوم برادر کی طرف آرہی تھیں۔

دیکھا تو جان اہلِ حرم کی نِکل گئی
غم کی چُھری کلیجۂ زینب پہ چلّ گئی

چہرے کا رنگ اُڑ گیا صُورت بدل گئی
اُمڈا تھا دِل کہ اشکوں کی ندّی اُبل گئی

چلاّئیں یارسول بلاؤں کو رَدّ کرو
یا شیرِ کردگار پسر کی مدد کرو
(میر مونس)

انسانیت سنبھل گئی

اِمام مظلوم گھوڑے سے گرے تو گرتی ہوئی اِنسانیت سنبھل گئی ۔فاطمہ کالال خون میں ڈُوب گیا تو اِسلام کی ڈوبی ہوئی کشتی کنارے پرپہنچ گئی ۔اِمام مظلوم کیا گرے کُفر کی دیوار کولرزہ آگیا۔ جبر وتشدّد کے محلّات پرلرزہ طاری ہوگیا۔ خُون حسینؑ کی سُرخ لکیر نے حق وباطل کی حدّوں میں امتیاز کردیا۔

رلیاں ریت وچ بوٹیاں پیردیاں پر، نہئیں حقّ وچ باطل رلاون دتا
نانے پاک دی پاک دستار اُتّے ماسہ داغ حُسین نہیں اون دتا

رخ اُمت دا نانے دی شَرع ولوں ذرا جِناں حُسینؑ نہیں بھون دتا
مَرکزِ عشق دی لاش دے ہوئے ٹکڑے صَائم مرکز نہیں ٹکڑے بناوُن دتا

(صائم چشتی)

سَجدۂ شبّیری

قُرآن ناطق گرا پڑا ہے اور شمر نے گردن پر پاؤں رکھا ہوا ہے۔ سنان بن انس شور مچا رہا ہے کہ اس کا سر کاٹ دو۔ امام عالی مقام اٹھا ہونے کے لیے زور لگا رہے ہیں۔

آخری سجدہ کرنے کے لیے آخری قوت صرف کر رہے ہیں۔ آپؑ نے کہا شمر میری گردن سے پاؤں اُٹھا لے تا کہ میں اپنے ربّ کے حضُور میں آخری سجدہ کر لوُں اور پھر آپ نے اِس حالت میں بھی زورِ یداللّٰہی سے اپنا رُخ بدل کر سرِ نیاز کو بارگاہِ خُداوندی میں رکھ دیا۔

اِسلام کے دامن میں بس دو ہی تو چیزیں ہیں
اک ضَرب یدُاللّٰہی اِکّ سجدۂ شبّیری

یہی سجدہ نیارتھا جس نے انسان کو کرّمنا بنیِ آدم کا تاج پہنا کر فرشتوں سے اشرف اور تمام مخلوقات سے ممتاز کر دیا۔ شمر گردن پر خنجر پھیر رہا

ہے اور سجدہ محبت ادا ہو رہا ہے اور ملائکہ کی صفیں کربلا کے شہنشاہ کو سلامی پیش کر رہی ہیں۔ پھر سنان ابنِ انس نے اُس سرِ انور کو جسم سے جدا کر دیا جسے رسولوں کے سردار بوسے دیا کرتے تھے۔ فاطمہ کا لال اپنے امتحان میں پوری کامیابی کے ساتھ پاس ہو کر بارگاہ رب جلیل میں پہنچ گیا۔ وصلی الله تعالیٰ عَلیٰ جدّہِ الکریم وعَلَیْہِ وَاَصحَابِہٖ وَالنّصار واَبنائہ وَاخوانہ وازواجہ واَھل بیتہ وعِترتہٖ وبِناتِہٖ۔

میرے بابا کو کوئی ذبح کیے جاتا ہے
کا کلیں پکڑے سرِ پاک لئے جاتا ہے

یزید کے خونخوار کُتّوں نے شبّیر علیہ السّلام کا سَر کیا قلم کیا پُوری اِنسانیت کا سر قلم کر دیا۔ حقّ واِنصاف کا سر قلم کر دیا اور پھر آپ کے کٹے ہُوئے سرِ انور کو نیزے پر چڑھا کر بلند کر دیا۔

مورّخ لکھتے ہیں کہ اسلام میں یہ پہلا سر تھا جسے نیزوں پر بلند کیا گیا یہ بحث تو اس کتاب کے دُوسرے حصّے میں ہوگی کہ آپ کر سرِ انور کاٹ کر نیزوں پر بلند کرنے والے مُسلمان بھی رہ گئے تھے یا کافروں سے بھی بدتر تھے۔

البتہ اس بات کو قلم انداز نہیں کیا جا سکتا کہ امام عالی مقام کا سرِ انور

جسم سے علیحدہ ہو کر بھی سر بلند و سرفراز ہی رہا۔

اور اس سرفرازی کا اظہار بھی دشمنان دین اور ظالموں کے ہاتھوں سے ہوا۔ جنہوں نے اس سر اقدس کو جسم سے علیحدہ کیا تھا۔

سر شبیر نے نیزے پر بلند ہو کر یہ حقیقت مکمل طور پر واضح کر دی کہ حق ہمیشہ سر بلند ہی رہتا ہے۔ صداقت کو ہمیشہ سرفرازی نصیب ہوتی ہے جو زبان سے اقرار نہیں کرتے وہ عملی طور پر دنیا کے سامنے حسین علیہ السلام کی سر بلندی کا اظہار کر رہے تھے۔ سرفرازی تو نواسۂ رسول کی ملکیت تھی۔

پھر یزیدیوں نے راکب دوش رسول کے لاشہ اقدس پر گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے۔ لعنت ہو خدا کی اور فرشتوں کی ان ملعونوں پر۔

خیمے جلادئیے

جس نے بچایا خلق کو دوزخ کی آگ سے
افسوس اس کی آل کے خیمے بھی جل گئے
(صائم چشتی)

ادھر گلستان فاطمہؑ کا ایک ایک پھول بکھر چکا ہے اور ادھر یزیدیئے جشن فتح منا رہے ہیں۔ آفتاب کی تمازت بھی کم ہوتی جا رہی ہے اور شام غریباں بھی نزدیک آتی جا رہی ہے۔ آگ برسانے والی دھوپ بھی غم حسینؑ میں افسردہ ہو کر زرد ہو چکی ہے۔

آتش جو دھوپ کی تھی وہ افسردہ ہوگئی
لاشوں کا بوجھ تھا کہ زمیں مردہ ہوگئی
(میر مونس)

جناب زینبؑ بھائی کی لاش کو کپڑے سے ڈھانپ کر واپس آ گئیں ازواج حسینؑ کا جو حال ہوا وہ بیان سے باہر ہے۔ جن کا سہاگ اجڑ گ جائے، جن کی تمناؤں کا خون ہو جائے، جن کے بیٹے خاک کی ڈھیری بن جائیں، جن کے شیر خوار بچوں کے جھولے خالی ہو جائیں، جن کی ہری بھری

گود خالی ہو جائے، جن کے سر کی ردا چھن جائے ان کا درد کون بیان کر سکتا ہے۔ جن کی حرمت کا محافظ چلا جائے، جن کے سر کا دوپٹہ اتر جائے ان کا حال کیسے لکھا جا سکتا ہے۔

اهل بیت پر ظلم

عصر کا وقت ہو چکا ہے۔ کوفیوں کے چند لٹیرے شمر کی معیت میں آگے بڑھے تمام اہلبیت کو ایک خیمے میں جمع کر کے باقی خیموں کو آگ لگا دی آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے اور آل رسول کے دل ڈوب رہے تھے۔ شیطان کے ساتھی مال غنیمت اکٹھا کر رہے تھے۔ وہ اس ارادے سے آئے تھے کہ شبیر کے گھر سے بہت مال ملے گا۔ مگر وہاں تو صرف اللہ کا نام تھا۔ فاطمہ کے بیٹے سے دنیا کا مال ومنال کیا ملتا۔ مایوس ہوئے تو کپڑے اکھٹے کرنے شروع کر دیئے۔ جناب سکینہ کے کانوں کی بالیاں کھینچنے لگے۔ بچی نے احتجاج کیا تو تھپڑ مار دیا۔

اس سے بڑھ کر ظلم وستم کی داستان اور کیا ہوگی۔ کتنے بے حیا تھے وہ ہاتھ جو حسینؑ کی بچی پر اٹھے۔ کتنے بے غیرت تھے وہ ہاتھ جو علیؑ کی پوتی پر اٹھے۔ کتنا سنگدل اور ملعون تھا وہ شخص جس کا طمانچہ سکینہ کے منہ پر پڑا۔

جس ہاتھ سے تھپڑ پڑا وہ ہاتھ بد کردار تھا
عارض سکینہ کے نہ تھے تاریخ کا رخسار تھا

خیموں کا محافظ

اب ایک بیمار کی باری تھی ۔ بے ہوش زین العابدین کو شمر نے پورے زور سے گھسیٹا کہ بیمار نے آنکھیں کھول دیں۔ سر پر ظالموں کو دیکھا تو سمجھ گئے کہ ان خیموں کا محافظ بھی شہید ہو چکا ہے۔ شمر نے ساتھیوں کو کہا کہ اس کو سر بھی قلم کر دو جناب سجاد سنبھل کر اٹھنے لگے تو علی کی بیٹی کو جلال آ گیا۔ جناب زینب نے غضب میں آ کر فرمایا۔ بے غیرت انسانو! کچھ تو شرم کرو۔ اب بیمار کو بھی قتل کر دو گے۔ آؤ پہلے ہمیں قتل کر لو۔ پھر اسے قتل کر لینا۔ بات یہیں تک پہنچی تھی کہ عمر وسعد بھی آ گیا۔ اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اب لوٹ کھسوٹ ختم کر کے یہاں سے چلے جاؤ اور بیمار کو قتل نہ کرو۔

اہل بیت ایک ہی خیمے میں پڑے ہوئے اپنی حالت زار پر رو رہے تھے کہ شام کا وقت ہو جاتا ہے اور پھر نماز مغرب کی ادائیگی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

شامِ غریباں

اب شامِ غریباں آتی ہے درد والم میں ڈوبی ہوئی شام،

خونِ شہیداں میں لت پت شام،

افسردہ اور نڈھال شام،

لٹی پٹی اور کٹی پھٹی شام،

تڑپتی اور پھڑکتی شام،

اندھی اور کالی شام،

غمگین اور الم ناک شام،

گھٹی گھٹی چیخوں والی شام،

دبی دبی آہوں والی شام،

خون کے آنسو برساتی شام،

جاں سوز وس دلدوز شام،

سوز وگداز میں لپٹی ہوئی شام،

فریاد کرتی ہوئی شام،

نوحے سناتی ہوئی شام،

مرثیے پڑتی ہوئی شام،

سنسان اور ویران شام، حیران و پریشان شام۔

شام کالی شام ،اندھی شام ،خوف انگیز شام
بے ضیاء، بے نور، وحشتناک، عبرت خیز شام

شام خونی شام، سونی شام، ظلمت بار شام
خونچکاں، خونریز، خوں انگیز اور خونخوار شام

قہر آگیں، ماتمی، غمگیں، بلااندوز شام
پر الم، پر درد، پرغم، پرنم وپر سوز شام

ڈوبتے سورج کی قاش گرم سے لپٹی ہوئی
یوم عاشورہ کی لاش گرم سے لپٹی ہوئی

(سیماب)

یزیدی اپنے مرداروں کو دفن کرنے کے بعد اپنے پڑاؤ میں شام فتح منا رہے ہیں۔ اور خاندان رسول کی لٹی پٹی شہزادیاں ایک بیمار کے سرہانے بیٹھی اپنی حالت پر رو رہی ہیں۔

پیاسوں کو چوتھی رات ہوگئی اب تو بھوک پیاس کا احساس ہی ختم ہو چکا ہے۔ کہتے ہیں کہ غم کے وقت بھوک زیادہ لگتی ہے مگر غم کی بھی تو کوئی حد ہوتی ہے۔ صبح عاشورہ آئی تھی تو ان پاکدامنوں کے ساتھ کتنے لوگ تسلیاں

دینے والے تھے۔

تسلی کون دیتا ھے

مگر اب تو ایک بھی نہیں، کون سہارا دیتا کربلا کے وحشتناک جنگل میں کون تسلی دینے آتا۔ اپنا وطن ہوتا، اپنا شہر ہوتا، اپنا گھر ہوتا تو کچھ ڈھارس بھی بندھتی۔ مگر یہاں تو نہ وطن اپنا ہے، نہ شہر اپنا ہے اور نہ گھر اپنا۔ گھر سے کوئی باہر گیا ہو تو اس کے انتظار میں ہی وقت گذر جاتا ہے۔ مگر یہاں کون آتا، کس کا انتظار کیا جاتا، علی اکبر کا؟

ان کا خون میں ڈوبا ہوا لاشہ تو گرم ریت کے نیچے دفن ہے۔

عباس علمدار کا؟ ناموس محمد کے پہرے دار کا؟ پہرے دار کی تو لاش کے بھی کئی ٹکڑے ہو چکے ہیں۔ اس کے بازو الگ کٹے پڑے ہیں۔ سر الگ کٹا پڑا اور سینہ الگ پھٹا پڑا ہے۔

پھر کس کے انتظار میں وقت کٹتا، کس کا راستہ دیکھا جاتا، قاسم کا؟ وہ تو علی اکبر کے پہلو میں تیروں تلواروں سے چھلنی ہو کر دفن ہو چکا ہے۔ انہیں کسی کا بھی انتظار نہیں اور نہ کسی نے آنے کا تھا۔

ھاشمی شھزادے سو گئے

ہاشمی شہزادے سوئے پڑے تھے۔ جناب عبدالمطلب کے چھوٹے بڑے اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ جناب ابوطالب کی ساری اولاد کٹ چکی

تھی۔ کربلا میں جتنے ہاشمی شہید ہوئے وہ سب جناب ابو طالب کی اولاد تھی۔ اور اس مقدس اولاد کے تو ٹکڑے بکھرے پڑے تھے

خدا کے سوا کوئی نہیں

پھر سیدزادیوں کا حال کون پوچھتا۔ ان کے غم کی کہانی کون سنتا، ان کا دل کون بہلاتا۔ وہ کس کو دیکھ کر غم غلط کر لیتیں عون ومحمد کو؟ مگر وہ تو ماں کی فرمانبرداری کا حق ادا کر کے ریت کے نیچے دبے پڑے تھے۔ علی اصغر کو؟ وہ تو کوثر کے چشمہ پر پانی پینے گیا ہوا ہے۔ کوئی نہیں! خُدا کے سوا کوئی نہیں جو اس لٹے پٹے خانماں بربادوں کا حال پوچھتا۔

ایک اور امتحان

ان کے سامنے تو ایک اور امتحان کھڑا تھا۔ انہیں شہیدوں کی لاشوں کا پہرہ دینا تھا۔ ان کی زندگی کا سہارا، ان کی تمناؤں کا مرکز، ان کے دکھوں اور دردوں کا مداوا حسین بھی نانا کے حضور پہنچ ہے۔

اس کا چہرہ ہی سامنے ہوتا تو زیارت سے کچھ قرار آجاتا۔ مگر سر تو کوفیوں کے پاس تھا۔ اس المناک شام سے بڑھ کر نہ کوئی شام دنیا میں آئی ہے۔ اور نہ آئے گی۔

ہُو کا عالم اور غضب کا سناٹا ہے، کانوں میں شائیں شائیں کی آواز ایسے آتی ہے، جیسے ریت کے ذرات رو رہے ہوں، جیسے زمین فریاد کر رہی ہو

آہ! وہ جاں سوز منظر الامانُ والحذر
بے سرو مجروح لاشیں شعلہ افشاں ریت پر

کوئی ان پر ماتمی تھا اور نہ کوئی نوحہ خواں
صرف تنہائی مجاور، بے کسی تھی پاسباں

ریت کے ذروں سے اک فریاد نکلی ناگہاں
نوحہ گستر، نوحہ زن، نوحہ طرازونوحہ خواں

آہ! اس جنگل میں مہمانِ حجازی لُٹ گیا
شام کے میدان میں مکے کا غازی لُٹ گیا

رات سر پر آ گئی ہے، بیمار کراہ رہا ہے، بی بی سکینہ فریاد کر کے اس طرح خاموش ہو چکی ہیں جیسے موت کی آغوش میں پہنچ چکی ہوں ساری پاک دامنیں رو رو کر اپنا دامن تر کر رہی ہیں۔ نیند کس کو آنا تھی بس جیسے بھی رات کٹتی رات کاٹنا تھی مگر رات تو کٹ ہی نہیں رہی تھی۔ جیسے جیسے گذر رہی تھی طویل ہوتی جا رہی تھی۔ جنابِ زینب کئی بار جا کر بھائی کا بغیر سر کے لاشہ چوم آئی ہیں۔ کبھی خیمے میں آ کر بیمار کو دیکھ لیتی ہیں اور کبھی بھائی کے لاشہء اقدس

پر پہنچ جاتی ہیں۔ رات آدھی سے زیادہ ڈھل چکی ہے چاند شہیدوں کی لاشوں کے چاند جیسے ٹکڑوں پر اپنی کرنیں نچھاور کر رہا ہے۔

جناب زینب نے دیکھا کہ ذرا دور ہٹ کر دو سائے سے نظر آتے ہیں آپ نے وہیں سے آواز دی آگے نہ آنا ایک پردہ نشین اپنے بھائی کی لاش پر پہرہ دے رہی ہے۔ آواز آئی بیٹی ہم غیر نہیں ہیں ہم بھی تیرا پہرہ ہی دیکھنے آئے ہیں۔

جناب زینب نے پہچان لیا کہ یہ تو میرے بابا علی کی آواز ہے۔ تسلی کے لئے دوبارہ آواز دی۔ آپ کون ہیں بابا! پہلے بتا لو پھر آگے بڑھنا۔ آواز آئی بیٹی ہم آگے نہیں آئیں گے۔ میری غمزدہ بیٹی صبر کرو میں تیرا باپ علی ہوں اور یہ تیری ماں فاطمہ بنتِ رسول ہیں۔ ہم تمہارا پہرہ دیکھنے کے لئے ہی آئے ہیں۔ جنابِ زینب نے بیقرار ہو کر آواز دی۔

امی جان! آواز آئی جی بیٹی! ماں قربان کیا بات ہے؟

امی جان آپ رُک کیوں گئے آگے آ کر میرے نازوں کے پالے کا لاشہ تو دیکھ لو مجھے دلاسہ تو دے جاؤ۔

آواز آئی بیٹی میں آگے نہیں آ سکتی۔

جنابِ زینب نے پھر آواز دی ابا جان! آواز آئی ہاں بیٹی میں موجود ہوں۔ عرض کی ابا جان آپ صبح کیوں نہیں آئے؟ جب آپ کا گھر لٹ رہا تھا اس وقت آپ کہاں تھے؟

آپ اُس وقت کیوں نہیں آئے جب اصغر نے تیر کھا کر دم توڑا تھا ؟جب علی اکبر کی لاش کو اٹھاتے وقت میرے بھائی کی کمر دوہری ہورہی تھی ؟جب قاسم کی جوانی لوٹی گئی ؟جب عباس کے بازو قلم کیے گئے ؟جب عون ومحمد کو قصابوں نے ذبح کیا؟ جب پسران عقیل وجعفر شہید ہوئے؟ بابا آپ کو اُس وقت آنا تھا جب تیرے حُسین کا تیروں اور تلواروں سے سینہ چھلنی ہوا تھا۔ بابا آپ اُس وقت کیوں نہ آئے جب میرے بھائی کے گلے میں تیر پھنسا ہوا تھا؟ میرے بابا میں تو اُس وقت بھی آپ کی دہائی دیتی رہی۔ المدد المدد ابا جان! پکارتی رہی ہوں۔

میرے اچھے ابا جان! آپکو اس وقت آنا چاہیے تھا۔ جب تیرے حُسین نے شمر کے پاؤں تلے دبی ہوئی گردن کو موڑ کر آخری سجدہ کیا تھا۔

میرے بابا! ہم لٹ گئے ہیں تو آپ آئے ہیں۔ آپ کا باغ اُجڑ گیا ہے تو آپ آئے ہیں۔ ہماری ردائیں چھن گئی ہیں تو آپ آئے ہیں۔ آپ کی بہوؤں کا سہاگ اُجڑ گیا ہے تو آپ آئے ہیں۔ سکینہ یتیم ہوگئی ہے تو آپ آئے ہیں۔ اور پھر حضرت زینب کا حلق سوکھ کر کانٹا ہوگیا۔

دوسری طرف سے آواز آئی بیٹی! ہم اس وقت بھی آئے تھے۔ تمہاری امی بھی ساتھ تھیں اور تمہارے نانا بھی ساتھ تھے۔ ہم نے تمہارا پورا اِمتحان اپنی آنکھوں سے دیکھا، تمہارے نانا حضور شہیدوں کے خون کو بوتل میں جمع کرتے رہے ہیں۔ گھوڑوں کی ٹاپوں سے اُڑنے والی دھول سے

تمہارے نانا کی زلفیں اَٹ گئی تھیں۔ بیٹا ہم نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میرے بیٹے حسین نے ویسا ہی امتحان دیا ہے جیسا اُن کے نانا حضور کی خواہش تھی۔

بیٹی تم نے اپنا حق پورا پورا ادا کر دیا ہے تم سب نے مجھ اور بنت رسول کو اللہ تعالی کے حضور میں سُرخرو کر دیا ہے۔ تمہاری امی تمہاری قربانیوں سے پورے طور پر مطمئن ہے۔ تیرا بھائی، بھتیجے اوران کے تمام ساتھی ہمارے پاس پہنچ چکے ہیں۔ وہ سب بھی خوش ہیں ان کا امتحان بہت سخت تھا وہ بہت تھکے ہوئے تھے۔ سخت پیاسے تھے اس لئے اب جنت میں آرام کر رہے ہیں

بیٹی! ابھی تمہارے صبر کا اِمتحان باقی ہے۔ تم بنتِ رسول کے دودھ کی لاج رکھو گی۔ صابر و شاکر بن کر رہنا میری بیٹی۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ خُدا حافظ اور پھر آواز آنا بند ہو گئی۔ جنابِ زینب کے دل کو کافی اطمینان حاصل ہو گیا تھا اور پھر باقی رات بھی گذر گئی۔

اسیرانِ اہلبیت کوفہ میں

صبح ہوئی تو فوج یزید نے اہل بیت مصطفٰے کو پابند سلاسل کرلیا۔ عابد بیمار کو باوجود ان کی نقاہت وکمزوری اور شدت کے بخار کے زنجیریں پہنادیں گئیں۔ اسیران آل رسول جب شہیدوں کی لاشوں کے قریب سے گذرے تو فریاد وفغاں اور آہ بقا کا وہ شور ہوا کہ زمین وآسمان لرز کر رہ گئے۔ جناب زینب سلام اللہ علیہا نے مدینہ منورہ کی طرف رخ کر کے اس طرح فریاد کی کہ سننے والوں کے سینے چاک ہو گئے۔ آپ اپنے نانا جان کو یوں صدا پر صدا دے رہی تھیں۔

واحمد آہ یارسول اللہ

یارسول اللہ اپنے حسین کو دیکھیں اس کا کیا حال ہو گیا ہے۔ نانا جان آپ کی پشت کا سوار ریگستان میں کٹا پھٹا پڑا ہے۔ تیرا حسین خاک و خون میں لتھڑا پڑا ہے۔

آہ! یارسول اللہ۔ سلام ہو یا محمد .... دیکھیں آپ کے حسین کا سارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہے تیری بیٹیاں قیدی بن چکی ہیں۔ ہوا ان پر مٹی پھینک رہی ہے۔

سانوں پتہ کی ویر دی لاش جس دم
چھڈ کے ترُ دی اے بھین تے کی ہندا
درد منداں دے دلاں نوں پچھ جا کے
چھم چھم برسن جے نین تے کی ہندا

پُچھو عابد نوں اکھاں دے سامنے جے
کڑیاں پھوپھی نوں پین تے کی ہندا

پُچھو زہرا نوں خنجر دی دھار تھلے
جدوں تڑفے حسین تے کی ہندا

شمر اور عمر وسعد وغیرہ نے چند لوگوں کو اسیروں کے قافلہ کے ساتھ

روانہ کر دیا۔ خولی ملعون امام عالی مقام کا سر اقدس نیزے پر چڑھا کر قافلہ کے آگے آگے جا رہا ہے۔

کملی والے دی سب آل کربل دے وچ
لکھیاں ازلی تحریراں دے کم آ گئی

مٹی کربل دی خاک شفا بن گئی
جدتوں روشن ضمیراں دے کم آ گئی

شام ولے سی ٹریا جدوں قافلہ
اگے اگے سی سید دا سر جا رہیا

اپنے پروار قیدی نوں ویہندا رہیا
اوہدی راکھی اسیراں دے کم آ گئی

راستے میں ایک شخص ملا جو سورہ کہف کی تلاوت کر رہا تھا جب اس نے یہ آیت پڑھی

ام حسبت ان اصحاب الکھف الرقیم
کانو من آیا تنا عجبا

روانہ کر دیا۔ خولی ملعون امام عالی مقام کا سر اقدس نیزے پر چڑھا کر قافلہ کے آگے آگے جا رہا ہے۔

کملی والے دی سب آل کربل دے وچ
لکھیاں ازلی تحریراں دے کم آگئی

مٹی کربل دی خاک شفا بن گئی
جدتوں روشن ضمیراں دے کم آگئی

شام ولے سی ٹریا جدوں قافلہ
اَگے اَگے سی سید دا سر جا رہیا

اپنے پروار قیدی نوں ویہندا رہیا
اوہدی راکھی اسیراں دے کم آگئی

راستے میں ایک شخص ملا جو سورہ کہف کی تلاوت کر رہا تھا جب اس نے یہ آیت پڑھی

ام حسبت ان اصحاب الکھف الرقیم
کانو من آیاتنا عجبا

کیا تمہیں معلوم ہوا کہ پہاڑ کہ غار اور جنگل کے کنارے والے ہماری نشانیوں میں ایک عجیب نشانی تھے۔

سر اقدس سے آواز آئی؛

یا تا لی القرآن اعجب من قصۃ اصحب الکھف قتن وحتمنی

اے قرآن پڑھنے والے مجھے قتل کرنا اور نیزے پر چڑھا کر لئے پھرنا اصحاب کہف کے قصہ سے بھی زیادہ عجیب ہے۔

منزل بہ منزل اسیران مدینہ کا قافلہ کوفے کی طرف بڑھ رہا ہے آگے چل کر خولی ملعون نے ساتھیوں کو قافلہ کے ساتھ چھوڑ کر اپنی سوار کو تیز کرلیا۔ وہ جلد از جلد سر امام کو ابن زیاد کے دربار میں پیش کر کے انعام حاصل کرنا چاہتا تھا۔

خولی اُجڑ گیا

وہ جب کوفہ میں داخل ہوا تو اس وقت رات ہوگئی تھی، اس لئے وہ بجائے ابن زیاد کو ملنے کے اپنے گھر آ گیا۔ سر مبارک اب اس نے نیزے سے اُتار لیا تھا اور کپڑے میں باندھ رکھا تھا۔ اپنے گھر گیا تو بیوی نے پوچھا کیا لائے ہو۔ بد بخت کہنے لگا میں نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ میں حسین کا سر کاٹ کر لایا ہوں۔

جس کا حکومت کی طرف سے اس قدر انعام ملے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گی۔ اس بیوی کا نام نوار تھا، جب اس نے سنا تو رونے لگی۔ وہ روتی بھی جا رہی تھی اور غصہ سے آگ بگولا ہو کر خولی ملعون کو برا بھلا بھی کہے جا رہی تھی وہ کہہ رہی تھی۔ خدا تجھے غارت کر دے تو نے جنت کے جوانوں کا سر کاٹا ہے خدا تجھے آگ میں جلائے، تو نے فاطمہ کے لال کا سر کاٹا ہے۔ تو ہمیشہ آگ میں جلتا رہے گا، تیرا گھر برباد ہو جائے گا۔

خولی کا خیال تھا انعام کا سن کر بیوی بہت خوش ہو گی۔ مگر خون حسین کا انتقام شروع ہو چکا تھا۔ جس گھر کو آباد کرنے کے لئے خولی بد بخت نے وحشت و بربریت کی انتہا کر دی۔ وہ گھر برباد ہو رہا تھا۔ نیک بخت بی بی نے سر اقدس کو پاکیزہ کپڑوں میں لپیٹا، خوشبو لگائی اور سامنے رکھ کر رونا شروع کر دیا۔ رات کا کافی حصہ روتی رہی تو اس پر نیند کا غلبہ طاری ہوا۔ پھر ایک دم آنکھ کھل گئی تو گھر میں نور کی بارش ہو رہی تھی۔ ان انوار کی چادروں میں لپٹی ہوئی چار عورتیں کھڑی ہیں، جیسے جنت کی حوریں اُتر آئی ہیں۔ وہ سر اقدس کو باری باری ہاتھوں میں لے کر کبھی چومتی ہیں اور کبھی سینے سے لگاتی ہیں۔

خولی کی بیوی نے بیتاب ہو کر پوچھا حضرت آپ کون ہیں، ان میں سے ایک بی بی نے جواب دیا بیٹی تم نے ہمارے بیٹے کے سر اقدس سے پیار کیا ہے اس لئے تمہیں بتا دیتی ہیں کہ ہم کون ہیں۔ میں فاطمہ بنت رسول حسین کی ماں ہوں، اور یہ میری ماں جناب خدیجۃ الکبریٰ ہیں، یہ حضرت

مریم حضرت عیسیٰ کی والدہ ہیں اور یہ جناب آسیہ ہیں۔

اُس نیک بخت نے چاہا کہ آگے بڑھ کر اُن کے قدموں کو بوسہ دے لے۔ مگر وہ ارواح منورہ سر اقدس کو بوسے دے کر غائب ہوگئیں۔ نور اسی طرح پھیلا رہا اور خوشبوئیں اُسی طرح مہکتی رہیں۔ صبح ہوئی تو خولی کی بیوی نے برقعہ اوڑھا اور دروازے سے باہر نکل گئی۔

خولی پیچھے دوڑا اور منت سماجت کی کہ یوں جیتے جی بچوں کو یتیم نہ کرو۔ مگر وہ واپس نہ آئی اور یہ کہتی ہوئی اور دور چلی گئی کہ تیرے بچے امام حسین کے بچوں سے اچھے نہیں ہیں۔

خولی کی بیوی جا چکی تھی اور اس کا گھر برباد ہو چکا تھا۔

شهید اعظم کا سر ابن زیاد کے سامنے

پھر اس نے امام عالی مقام کا سر اقدس طشت میں رکھا اور دربار ابن زیاد میں پیش کر دیا۔ ابن زیاد کے ہاتھوں میں چھڑی تھی۔ اس نے وہ چھڑی جناب امام عالی مقام کے دانتوں پر مار کر کہا۔ میں نے نہ تو اس سے زیادہ خوبصورت چہرہ آج تک دیکھا ہے۔ اور نہ ہی اس سے زیادہ اچھے کسی کے دانت دیکھے ہیں۔ جناب زید بن ارقم صحابی بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے کہا ابن زیاد ان دانتوں کو چھڑی نہ لگاؤ۔ میں نے رسول اللہ کو ان لبوں کو

چومتے دیکھا ہے۔

اس حسین کو بوسے دیتے دیکھا ہے۔اور رسول اللہ کو یہ بھی فرماتے سنا ہے کہ جنت میں وہی جا سکے گا جو میرے حسین سے محبت کرے گا۔

ابن زیاد نے سنا تو چلا اُٹھا۔غصہ میں آکر کہنے لگا بڈھے تو اگر سٹھیا نہ گیا ہوتا تو میں تجھے قتل کر دیتا۔

جناب زید بن ارقم یہ سن کر کھڑے ہوئے اور جاتے ہو کہہ رہے تھے۔اے لوگو آج سے تم غلام ہو۔تم نے فاطمہ کے بیٹے کو قتل کیا اور مرجانہ کے بیٹے کو حاکم بنایا۔وہ نیکوں کو قتل کرتا ہے اور شریروں کو غلام بناتا ہے۔تم نے خود ذلت پسند کی ہے۔خدا اُنہیں برباد کرے گا جو ذلت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔اب قافلہ اہل بیت بھی کوفہ میں پہنچ چکا ہے۔

کوفہ والوں نے خاندان نبوت کو اس طرح رسیوں میں جکڑا ہوا دیکھا تو فریاد وفغاں کرنے لگے عورتیں مرد ہر طرف رو رو کر آہ وزاری کر رہے تھے اور ہائے وائے کے نعرے لگا رہے تھے۔

بنت علی کا خطبہ

کوفیوں کی آہ وزاری اور فریاد وفغاں سُنی تو بنت علی غضبناک ہو گئیں۔فصیح عرب کی نواسی اور باب العلم کی بیٹی نے بڑا فصیح خطبہ ارشاد فرمایا اور کوفیوں کو چپ کروا دیا۔آپ نے فرمایا بدنصیب کوفیو!

روروکر اور آہ وزاری کرکر کے سچے ہونے کی کوشش نہ کرو۔ اہل بیت رسول کے خون سے دامن رنگنے والے تم خود ہو۔ حسین کا کنبہ شہید کرنے والے تم ہو۔ میرے بھائی پر تیر چلانے والے تم ہو، میرے بھائی کا گلا کاٹنے والے تم ہو۔

ہمیں قیدی بنا کر یہاں لانے والے تم ہو۔ جفا کارو! میرے بھائی کو خط لکھ کر بلانے والے تم ہو بے وفاؤ! مسلم اور اس کے بچوں کو شہید کرنے والے تم ہو۔ اہل بیت رسول کو اس رسوائی کے ساتھ بازاروں میں پھیرنے والے تم ہو۔ دولت کے لالچ میں یزید کے ہاتھوں فروخت ہو جانے والے یزیدیو اور ابن زیادیو!

ہماری بربادی کا باعث تم ہو۔ تم بکاؤ مال ہو، تم دولت کی جھنکار میں برسر بازار فروخت ہو جاتے ہو۔ تمہیں یزید کی دولت نے خرید لیا اور تم نے یزیدی مہر بن کر گلستان نبوت کو اُجاڑ دیا۔ فاطمہ کا گھر لوٹ لیا۔ پردہ نشینوں کی ردائیں چھین لیں ۔ ناموس رسول کا بازاروں میں جلوس نکال لیا، اب ہمیں روکر کیا دکھاتے ہو۔

تمہارے یہ آنسو مگر مچھ کے آنسو ہیں ہم ان سے متاثر نہیں ہوں گے۔ اور یاد رکھو اب تمہارا رونا کبھی نہیں تھمے گا اب تم روتے رہو گے۔ تمہیں اپنے بک جانے پر رونا آئے گا۔ تمہیں اپنی بد نصیبی اور بدکرداری پر رونا آئے گا۔ مگر تمہارا یہ رونا عبث اور بیکار ہوگا۔

تم نے یزیداور ابن زیاد کو خوش کر کے خدا اور رسول کو ناراض کر لیا ہے اب خدا اور رسول تم پر کبھی نہیں خوش ہو سکتے۔ تم نے خود اپنے ہاتھوں سے شمع مصطفائی کو گُل کر لیا ہے اب ہمیشہ اندھیروں میں بھٹکتے پھرو گے۔ کُوفیوں نے سیدہ کی بیٹی کی یہ حقیقت افروز تقریر سنی تو ندامت سے سر جھکا کر گھروں کو واپس ہو گئے۔

بعض کتابوں میں آپ کے خطبہ کے الفاظ اس طرح ہیں۔ آپ نے کوفیوں کو مخاطب کر کے فرمایا!

نحمده ونصلی علیٰ رسوله الکریم و آله

اے عہد شکنو! اپنی زبان سے پھر جانے والے اور اپنے الفاظ بھول جانے والے کوفیو! تم رو رہے ہو تمہاری مثال اس عورت جیسی ہے جو پہلے سوت تیار کرتی ہے اور پھر کپڑا بناتی ہے اور پھر اپنے ہی ہاتھوں سے ٹکڑے کر ڈالتی ہے۔ تمسب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہو تم میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو کذاب، بد عہد، بے وفا، ڈینگیں مارنے والا اور دل کا کھوٹا نہ ہو۔ تم لومڑیوں کی طرح کینہ ور، کینہ توز، خوشامدی، دوست نما دشمن، مکار، باطل نواز اور جھگڑالو ہو۔ یاد رکھو جو تم نے اپنی عاقبت کے لئے بھیجا ہے۔ وہ بہت برا ہے تم پر عنقریب خدا کے قہر وغضب کا عذاب نازل ہونے والا ہے۔

کذاب کوفیو! تم میرے بھائی پر گریہ اور نوحہ کر رہے ہو۔ واللہ تمہیں رونا ہی مناسب ہے۔ تم رو و اور خوب گریہ کرو۔ تمہیں رونا ہی

چاہیے۔ تمنے بہت ہی بری باتوں کی آرزو کی تھی۔ وہ آرزوئیں اب تمہارے دامن کے ساتھ چمٹ گئی ہیں۔ اور تمہارا رونا تمہارے دامن کو صاف نہیں کر سکے گا۔ تم نے نواسہء رسول کو قتل کیا ہے اُس کے خون کے داغ کے دھبے کیسے دھل سکیں گے، اُسکے قتل کا دھبہ کسطرح دُھل سکے گا۔

کوفہ والو! تمہیں معلوم ہے کہ تم نے محمد کے کس جگر گوشہ کو ٹکڑے ٹکڑے کیا ہے؟ کون سے عہد کو توڑا ہے؟ محمد کی کس بیٹی کی بے حرمتی کی ہے اور کس مقدس خون کو تم نے بہایا ہے؟ یہ تمہارا وہ جرم ہے جس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ تم سے وہ حادثہ سرزد ہوا ہے جو تمہیں عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ اور پھر آخرت کا عذاب تمہیں ذلیل وخوار اور رُسوا کرنے والا ہے اور ہاں ایسے لوگوں کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ کوئی طاقت خدا کے کاموں میں دخل نہیں دے سکتی اور نہ ہی اس کے انتقام کو کوئی روک سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب نافرمانوں کی تاک میں لگا رہتا ہے کوفیوں نے سنا تو ندامت سے گردنیں جھکا کر تتر بتر ہونا شروع ہو گئے۔

اھل بیت رسول ابن زیاد کے سامنے

اور پھر اسیرانِ کربلا کو ابنِ زیاد کے سامنے پیش کیا گیا تو ظالم نے امام زین العابدین کو دیکھ کر کہا! اس کو کیوں چھوڑ دیا ہے اسے بھی قتل کردو سیّدہ

کی بیٹی نے قتل سجاد کا سنا تو جلال آ گیا۔

جنابِ زینب نے فرمایا! ظالم! حجرۂ رسول کا آخری چراغ بھی گل کر دینا چاہتا ہے۔ کیا تم نسلِ مصطفیٰ کو دُنیا سے مٹا دینے پر تُل چکے ہو۔

آ ؤ دِل کی یہ حسرت بھی نکال لو۔ لاؤ تلواریں پہلے ہم سب کو قتل کر لو پھر اسے بھی کر لینا۔ کچھ لوگوں نے مشورہ دیا کے اس بچے کو قتل نہ کرو تو اچھا ہے۔ ابن زیاد نے پوچھا یہ عورت کون ہے؟ لوگوں نے بتایا یہ زینب بنتِ بتول ہے علی کی بیٹی اور حُسین کی بہن ہے۔ ابن زیاد نے کہا جبھی تو اتنی سخت اور تیز ہے۔

خُدا کی لعنت ہو ابن زیاد کی اس بے حیاء زبان پر جس پر آل مصطفیٰ کی شان میں گستاخی کے لفظ آئے۔ جنابِ سجاد نے فرمایا! پھوپھی جان میں اس سے بات کرتا ہوں اور پھر فرمایا کہ میں بیمار ہوں مگر علی کا پوتا ہوں حسین علیہ السلام کا بیٹا ہوں۔ تو مجھے جلادوں سے قتل نہیں کروا سکتا تجھے مقابلہ کرنا پڑے گا۔ میں تیرے ہاتھ سے تلوار چھین کر تجھ پر وار کروں گا۔ ابن زیاد باوجود شقی القب ہونے کے گھبرا گیا۔ اور پھر جناب زینب کو مخاطب کر کے بولا۔ تم قیدی بھی ہو۔ اور تمہارا لباس بھی فقیروں جیسا ہے۔ تعریف اس خدا کی جس نے تم لوگوں کو رسوائی سے ہلاک اور ذلیل وخوار کیا اور تمہارے نام کو بٹہ لگایا۔

جناب زینب سلام اللہ علیہا نے فرمایا۔ ہزار حمدیں اور تعریفیں اس

خدا کی جس نے ہمیں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کی عزت بخشی اور ہمیں پاک کیا۔ تو غلط کہتا ہے۔ رسوائی اور ذلت وخواری فاسقوں کو ملتی ہے اور بٹہ فاجروں کے نام لگتا ہے۔ ہمارے حق میں تو آیت تطہیر نازل ہو چکی ہے۔

ابن زیاد نے کہا۔ کیا تو نے دیکھا نہیں خدا نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ جناب زینب نے فرمایا۔ ان باتوں کا پتہ خدا کے حضور میں پہنچ کر چلے گا۔ میرے بھائی نے شہادت کے منصب پر فائز ہونا تھا وہ ہو گیا۔ تم لوگوں نے قاتل اہل بیت بن کر خدا کے سامنے ذلیل وخوار ہونا ہے سو تم تیار رہو۔ ابن زیاد غضبناک ہوا تو اس کے ایک ساتھی نے اس کا غصہ ٹھنڈا کر دیا کہ عورتوں کی بات کا غصہ کرنا مناسب نہیں۔

کچھ دیر بعد ابن زیاد پھر بولا۔ خدا نے تیرے باغی اور سرکش بھائی اور اہل بیت کے نافرمان باغیوں کی طرف سے میرا دل ٹھنڈا کر دیا۔ جناب زینب نے سنا تو آپ بے اختیار ہو کر رونے لگیں۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم تو نے واقعی ہمارے سردار ہی کو قتل کیا ہے۔ ہمارے خاندان کو مٹایا ہے۔ ہماری شاخوں کو کاٹ دیا۔ ہماری جڑ کو قطع کر دیا۔ اگر اس سے ہی تیرا دل ٹھنڈا ہونا تھا تو ہو گیا۔ شیطان ابن زیاد ہنسنے لگا اور ہنس کر کہنے لگا تو نے شاعری شروع کر دی۔ تیرا باپ بھی شاعر تھا مگر وہ تو بڑا بہادر اور شجاع تھا اور تم رو رہی ہو۔ آپ نے فرمایا، ظالم یہ تو میرے دل کی آگ ہے جو آنسو بن

کر بھڑک اٹھی ہے۔

قیدی قافلہ

یزید پلید کے دربار میں

اور پھر ابن زیاد نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ان سب کو اونٹوں پر اس طرح باندھ لو اور حسین علیہ السلام کے سر کو بانس کے ساتھ باندھ کر پورے کوفے میں پھیرنے کے بعد دمشق کو روانہ ہو جاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ آگے آگے یزیدی نواسہ رسول کا سر اقدس لئے جا رہے ہیں اور پیچھے پیچھے اسیران بلا کا لٹا ہوا قافلہ جا رہا ہے۔

دنیا کو غموں سے بچانے والے خود سراپا غم بن کر جا رہے ہیں۔ دنیا کو قید سے چھڑانے والے خود رسیوں سے جکڑے ہوئے ہیں۔ دنیا کو جہنم کی آگ سے بچانے والے اپنے دلوں میں غم و آلام کے بھڑکتے ہوئے شعلے دبا کر جا رہے ہیں۔ دنیا کے نجات دہندہ خود گرفتار بلا ہیں۔ اہل بیت مصطفیٰ سارا گھر بار لٹوا کر خون کے آنسو روتی جا رہی ہے۔ محمد عربی کی بیٹیاں اونٹوں کی ننگی پشتوں پر رسیوں سے جکڑی ہوئی ہیں۔ کتنا سخت امتحان ہے۔ محمد کے گھر والوں کا اور کتنی کڑی آزمائش ہے تاجدار کون و مکاں کی مقدس اہل بیت کی۔

امام زین العابدین ۔ بالکل خاموش ہو چکے ہیں۔ بس مسلسل آنسو برساتے رہے ہیں۔ سب کے دل ٹوٹے ہوتے ہیں۔ سب کی امیدیں منقطع ہو چکی ہیں۔

یزید کے نمک خوار سپاہی جب بھی کوئی پڑاؤ آتا ہے تو امام عالی مقام کے سر اقدس کو نیزے پر چڑھا کر پھراتے ہیں۔ ایسے بدبختوں پر خدا اور اس کے فرشتوں کی لعنت ہو۔

عیسائی راہب مسلمان ہو گیا

ایک پڑاؤ پر ایک عیسائی راہب نے پوچھا کہ یہ کس کا سر ہے۔ یزیدوں نے جواب دیا نواسہ رسول حسین کا۔

راہب نے کہا تم بہت برے لوگ ہو۔ کیا تم اس سر کو مجھے ایک رات کے لئے دے سکتے ہو میں اس کے عوض میں تمہیں دس ہزار اشرفیاں دینے کو تیار ہوں۔۔ لالچی تو تھے ہی لالچ دیا گیا ٹکڑا پھینکا گیا تو دنیا کے کتوں نے فوراً قبول کر لیا اور سر اقدس راہب کے حوالے کر دیا۔ راہب نے سر انور لیکر پاک صاف رومالوں میں لپیٹا۔ عنبر بار زلفوں کو خوشبوؤں میں بسایا اور گود میں لیکر ساری رات روتا رہا صبح ہوئی تو دل کی دنیا تبدیل ہو چکی تھی۔

محبت اہل بیت اپنا رنگ دکھا رہی تھا۔ جناب زین العابدین کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا اور یزیدیوں کو دس ہزار اشرفیاں گن کر دیں باقی مال

گرجا ہی میں رہنے دیا اور گرجا کو چھوڑ کر تمام عمر خدمت اہل بیت میں گزاری

دوسرے پڑاؤ پر یزیدی ان اشرفیوں کو تقسیم کرنے لگے تو وہ مٹی کی ٹھیکریاں بن چکی تھیں۔ اور ہر ٹھیکری کے ایک سمت میں لکھا تھا

ولا تحسبن الله غا فلاً عما یعمل الظا لمون

اور ہرگز اللہ کو ظالموں کے کاموں سے غافل نہ سمجھنا۔

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

جنہوں نے ظلم کیا ہے اب وہ جانے جانتے ہیں کہ کس پلٹے پر پلٹا کھاتے ہیں

یھودی نے جان دے دی

قافلہ جب بحران پہنچا تو ایک یہودی یحیٰ نامی ملا۔ اس نے سر حسین نیزے پر دیکھا تو پوچھا یہ کس کا سر ہے۔ یزیدیوں نے کہا حسین ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا۔ اس نے پوچھا کہاں سے لائے ہو۔ انہوں نے کہا کہ کربلا میں ایسے ایسے خاندان کو قتل کر کے اب اس سر کو یزید کے دربار میں پیش کریں گے۔ یحیٰ نے سنا تو مشتعل ہو گیا۔ اس نے کہا تمہیں اس فخر سے واقعہ بیان کرتے ہوئے شرم آنا چاہئیے۔

تم انتہائی بے غیرت ہو۔ اسلام لا کر بھی تم نے آل رسول کو شہید کر دیا تمہارا حشر انتہائی خوفناک ہوگا۔ یزیدی بھڑک گئے ایک نے تلوار نکال لی کے اسے قتل کر دے پھر اس نے بھی تلوار نکال لی۔ سگ یزید قتل ہو گیا۔ پھر سب نے حملہ کر دیا۔ یحیٰ نے چار اور قتل کر دیئے اور پھر خود بھی قتل ہو گیا۔

خدا جانے فتوے کی رو سے اسے مسلمان سمجھا جائے گا کہ نہیں البتہ روایتوں میں آتا ہے کہ اس شہر کے دروازہ باب الحران پر اس کا مزار مرجع خاص وعام ہے اور وہاں پر لوگوں کی دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں۔اور مزار بھی یحییٰ شہید کے نام سے مشہور ہے۔

پتھر سرخ ہو گیا

پھر موصل شہر آیا تو چند یزیدی سپاہی حاکم شہر کے پاس گئے کے ہم امیر کوفہ کے بھیجے ہوئے امیر شام کے پاس جارہے ہیں۔کربلا میں یہ عظیم معرکہ سر کر کے آئے ہیں ہمیں رات یہاں بسر کرنا ہے۔ہمارے لئے خوردونوش اور رہائش کا انتظام کریں باقی لوگ پیچھے آرہے ہیں۔حاکم شہر نے سنا تو لرز کر رہ گیا۔اور پھر اس نے شہر کے برسرآوردہ لوگوں سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ ہم ان لٹیروں کو شہر میں نہیں آنے دیں گے

چنانچہ شہر سے ایک فرسخ دور انہوں نے رات گزاری۔وہاں ایک پتھر پر سر حسین رکھا تھا وہ پتھر سرخ ہو گیا جیسے اسے خون میں ڈبو دیا گیا ہو لوگ اس پتھر کی زیارت کو دور دور سے آیا کرتے تھے اور پھر عبدالملک بن مروان نے اپنے دور اقتدار میں وہ پتھر وہاں سے اٹھوالیا۔

اسیران کربلا دربار یزید میں

بلا آخر اسیران کربلا کا قافلہ بھی دمشق پہنچ گیا اور یزید کے آدمی امام

عالی مقام کا سر اقدس لیکر بھی یزید کے شیطانی دربار میں پہنچ گئے۔ یزید تخت حکومت پر بڑی اخوت سے بیٹھا ہوا تھا کہ زحر بن قیس آگے بڑھا۔ یزید نے پوچھا کیا خبر ہے۔ اس نے کہا سب ٹھیک ہے۔

حسین اٹھارہ آدمی اہل بیت کے اور ساٹھ کے قریب حمائتیوں کے ساتھ آیا ہوا تھا۔ ہم نے اسے اطاعت امیر پر مجبور کیا لیکن اس نے انکار کر دیا ۔ پھر ہم نے انہیں صبح ہوتے ہی اس حالت میں قتل کر دیا کہ اس کے ساتھی آگے آگے بھاگتے پھرتے تھے اور چھپتے پھرتے تھے اس کے تمام ساتھیوں کے سر کاٹ کر کوفہ لائے گئے ہیں۔

اور ان کی لاشیں چیلیں اور گدھیں نوچ رہی ہوں گی۔ اور پھر اس نے کپڑے سے کھول کر سر امام آگے رکھ دیا اور بتایا کہ باغیوں کی عورتوں کو بھی رسیوں میں جکڑ کر ساتھ ہی لایا گیا ہے۔

یزید نے سرِ امام کو دیکھا تو کا مکروہ چہرہ کھل گیا اور پھر اس نے قیدیوں دربارِ میں حاضر کرنے کا حکم بھی دے دیا۔

کیسے مسلمان ہو

یزید کے دربار میں یہودیوں کا ایک عالم بھی بیٹھا ہوا تھا۔ جب اسے پتہ چلا کہ نواسہ رسول کا سر ہے تو اس نے کہا کہ تم کیسے مسلمان ہو۔ میں حضرت داؤد علیہ السلام کی سترہویں پشت سے ہوں۔ لیکن پھر بھی میری قوم

میرا اس طرح احترام کرتی ہے

جیسے میں ہی ان کا پیغمبر ہوں مگر تم نے تو اپنے رسول کی بیٹی کے بیٹے کا سر قلم کر دیا ہے۔ بتاؤ تو سہی تم مسلمان کہلانے کے حقدار کیسے ہو۔ ایک عیسائی بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا مجھے ان کے اسلام پر حیرت ہوتی ہے ہمارے گرجے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گھوڑے کا ایک سم ہے جسے ہم نے خوشبوؤں سے معطر کر کے شیشے میں سجایا ہوا ہے اور ہزاروں عیسائی ہمہ وقت اس کی زیارت کیلئے جمع رہتے ہیں۔

انہیں اس پیغمبر کی امت کہلانے کا کیا حق ہے جنہوں نے اس نواسے کو شہید کر دیا دیگر اراکین دربار میں چہ مگوئیاں کرنے لگے تو یزید مصلحت وقت کے تحت خاموش ہو رہا۔

یزید کے سامنے اسیران اہل بیت آئے تو اس نے امام زین العابدین کو مخاطب کر کے کہا۔ لڑکے تیرا نام کیا ہے۔ آپ نے فرمایا عابد ابن حسین۔ یزید نے کہا تیرے باپ نے میرا حق صلب کرنے کوشش کی، میرا رشتہ کاٹا، میری حکومت چھیننے کی کوشش کی، اس پر خدا نے اس سے جو سلوک کیا وہ تمہارے سامنے ہے۔

جناب سجاد نے بجائے جواب دینے کے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کرنا شروع کر دی۔

ما اصاب من مصیبة فی الارض ولا فی

انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبراھا ان
ذالک علی اللہ یسیر لکیلا قاسوا علی ما
فاتکم ولا تفرحو بمآ اتاکم واللہ لا یحب کل
مختال فخورا

﴿سورۃ الحدید آئت نمبر۲۲﴾

کوئی ایسی مصیبت دنیا اور تمہاری جانوں پر
نہیں آتی جو تمہاری پیدائش سے پہلے لکھی نہ ہوئی ہو یہ
بات تمہیں بتادی گئی ہے کہ تم اس چیز کا افسوس نہ کرو جو
تم سے لے لی جائے اور نہ اس چیز پر فخر کرو جو تمہیں
دی جائے۔

بنت علی کی یزید سے گفتگو

یزید نے قرآنی جواب سنا تو اسے بڑا ناگوار گذرا اور سٹپٹا کر رہ گیا امام عالی مقام کا سر اس کے آگے رکھا ہوا تھا۔ جناب زینب اور جناب سکینہ نے گردنیں اُوپر اُٹھا کر سر مبارک کو دیکھا اور پھر جنابِ زینب نے فرمایا!

اے حُسین، اے رسولِ خُدا کے پیارے نواسے، اے فرزندِ مکہ ومنیٰ اے سیّدہ النساء فاطمۃ الزاہرا کے لختِ جگر، اے دوشِ رسول کے سوار، آپ یہیں تک پہنچی تھیں کہ یزید نے پوچھا یہ کون ہے؟ جنابِ سجاد نے بتایا یہ میری پھوپھی جنابِ زینب بنتِ علی ہیں۔

یزید نے کہا! کیا حُسین یہ نہ کہتا تھا کہ میں یزید سے بہتر ہوں اور میرا باپ اس کے باپ سے بہتر ہے۔

جنابِ زینب نے فرمایا! ہاں میرے بھائی کا یہی فرمان تھا اور یہ بالکل درست ہے اور میں بھی یہی کہتی ہوں کہ میرا بھائی اور میرا باپ تجھ سے اور تیرے باپ سے بہتر تھے۔

یزید نے کہا! تیرا نانا میرے دادا سے اور تیری ماں میری ماں سے ضرور افضل ہیں مگر تیرا باپ میرے باپ سے بہتر نہیں ہے ان کا فیصلہ خدا کرے گا۔

جنابِ زینب نے فرمایا! خدا کے فیصلے سے پہلے دنیا کی آنکھیں بھی فیصلہ کر رہی ہیں۔ یزید نے اور بھی بڑھ چڑھ کر بہت سی باتیں کیں اور پھر اپنے بڑوں کا نام لیکر شعر پڑھنے لگا۔ جن کا مطلب یہ ہے۔

کاش! آج میرے خاندان کے وہ لوگ موجود ہوتے
جنہیں جنگِ بدر میں قتل کیا گیا تھا۔ تو خوش ہو کر مجھے
شاباش دیتے کہ تم نے بنی ہاشم کے بہت بڑے سردار
کو قتل کر کے بدر کے دن کا بدلہ لے لیا ہے۔

اور پھر چھڑی امام عالی مقام کے لبوں پر لگا کر کہنے لگا تو نے اسی منہ سے میری خلافت کا انکار کیا تھا۔

جنابِ زینب نے فرمایا یزید! حُسین تیری خلافت کو کیسے تسلیم کر لیتے

جبکہ اب بھی تیری باتوں سے کُفر کی محبت اور اسلام سے دشمنی کی بو آ رہی ہے تو بدر کے مقتولوں کا انتقام نواسہء رسول سے لینے کا اقرار کر رہا ہے۔ تیرے سینے میں خاندانی عداوت اور کینہ پروری کی آگ بھڑک رہی ہے جو تو نے میرے بے گناہ بھائی کو شہید کر کے ٹھنڈی کر لی ہے۔ تو نے اولادِ عبد المطلب کے ستاروں کی روشنی ختم کر کے پرانی عداوت کا بدلہ لیا ہے۔ اور پھر بڑوں کو پکار رہا ہے۔

یاد رکھ کہ وہ وقت بھی قریب آنے والا ہے کہ تو بھی ان کے پاس پہنچ جائے گا تو نے اپنے بوڑھے مقتولوں کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے خونِ حُسین بہا کر اسلاف کے کفر کے ساتھ تقرب حاصل کر لیا ہے اور اس پر یہ جرءات کے اعلان بھی کر رہا ہے۔

یاد رکھ! وہ وقت عنقریب آنے والا ہے۔ جب تجھے اس ظلم وستم کی سزا بھگتنا پڑے گی۔ میرے بھائی کا خون تیرے محلوں کی دیواروں اور تختِ حکومت پر بجلی بن کر گرے گا اور پھر تیرے لئے آگ ہی آگ ہو گی۔ مدینہ العلم کی نواسی اور بابِ العلم کی بیٹی کا خطبہ سنا تو تمام درباری سکتے میں آ گئے۔

پھر ایک شامی حرامی اٹھا اور اس نے جنابِ سکینہ کی طرف اشارہ کر کے کہا امیر یہ لڑکی مجھے دیدو۔ جناب سکینہ جنابِ زینب سے چمٹ کر پیچھے بیٹھ گئیں تو جنابِ زینب نے پکار کر کہا۔ کمینے! تیری یہ جراءت کہ ناموسِ رسول پر آنکھ اٹھاتا ہے۔

بے شرم! اس کا حق نہ تجھے ہے اور نہ تیرے امیر کو۔ یزید نے سنا تو غصے سے جل گیا اور یوں بکواس کرنے لگا کہ تم جھوٹی ہو۔ مجھے اس کا حق حاصل ہے میں اگر چاہوں تو ابھی ایسا کر سکتا ہوں۔

حضرت زینب نے فرمایا! غلط کہتے ہو تمہیں اس کا حق خدا نے ہرگز نہیں دیا کہ بناتِ رسول کو مالِ غنیمت سمجھ کر تقسیم کر دو۔ اپنا یہ حق بنانے کے لئے تمہیں برسرِ عام یہ اعلان کرنا پڑے گا کہ تم ملّتِ مصطفیٰ سے نکل گئے ہو اور تم نے دینِ محمدی کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لیا ہے۔ تمہاری پہلی گفتگو سے صاف کفر کی بو آتی ہے۔ اب یہ اعلان بھی کر سکتے ہو تو کر دو۔ یزید اور بھی غصے میں آ گیا اور آگ بگولا ہو کر کہنے لگا۔ دین سے تیرا باپ اور بھائی بھی نکل چکا ہے۔

جنابِ زینب نے جواب دیا اللہ کا دین میرے نانا، میرے باپ اور میرے بھائی نے ہی تو دنیا کو دیا ہے۔

یزید چلاّیا! اے دشمنِ خدا تو جھوٹی ہے۔

جنابِ زینب نے فرمایا! ظالم تو زبردستی حاکم بن بیٹھا ہے ظلم سے گالیاں بکتا ہے اور جبر و تشدد سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور صدائے حق کو دباتا ہے۔ بنتِ علی کی حق و صداقت کی آواز نے تختِ یزید کو لرزا کر رکھ دیا۔ اُس نے شرمندہ ہو کر گردن جھکا لی اور شامی حرامی کو غصے سے کہنے لگا دفعہ ہو جاؤ۔

یزید دربار میں جمع ہونے والے شہریوں کے چہروں کو بھی پڑھ رہا تھا

اس لئے خاموشی ہی مناسب سمجھی ۔ یزید نے بنتِ علی کی بے لاگ گفتگو سُنی تو عوام سے بھی ڈرنے لگا یہی یزید کی شکست اور اس کی موت تھی ۔

مگر تختِ حکومت کی رعونت کس طرح دبنے دیتی ۔ لوگوں کے ذہنوں کو بدلنے کے لئے پھر بھی کہہ ہی دیا ۔ میں تختِ حکومت کا مالک ہوں اگر خدا تیرے بھائی سے خوش ہوتا تو یہ بے بسی کی موت کبھی نہ مرتا ۔ خدا مجھ سے خوش ہے جس نے مجھے تخت حکومت دے رکھا ہے ۔ مجھے لاکھوں آدمیوں پر حاکم بنا رکھا ہے ۔ خدا تیرے بھائی کے ساتھ ہوتا تو ضرور اس کی مدد کرتا ۔ خدا میرے ساتھ تھا ۔

اس نے تیرے بھائی کو بغاوت اور سرکشی کی سزا دے دی میں تخت پر بیٹھا ہوں اور تیرے بھائی کا کٹا ہوا سر میرے سامنے پڑا ہے دربار میں کئی لوگوں نے اس کی نخوت اور تکبر میں ڈوبی ہوئی گفتگو کا برا منایا اور دل سے اس کے ساتھ نفرت کا اظہار بھی کیا ۔ یہی یزید کی حقیقی شکست تھی

ابھی یہ بات جاری ہی تھی کہ مسجد سے مؤذن کی آواز آئی !

اللہ اکبر اللہ اکبر اشھد ان لا الہ الا اللہ اشھدان لا الہ الا اللہ

اور جب موذن نے **اشھدان محمد رسول اللہ اشھد ان محمد رسول اللہ** کہا تو جنابِ زین العابدین نے فرمایا !

یزید اب بتاؤ کس کی حکومت قائم ہے شہر تمہارا ہے ، تخت تمہارا ہے لیکن نام میرے باپ کے نانا کا گونج رہا ہے کہ تیرے باپ کے نانا کا یا

تیرے نانا کا یا کسی اور کے نانا کا یا باپ کا۔

اب بتاؤ حقیقی حکومت تمہاری ہے یا ہماری ہے۔ دربار میں ہجوم عام ہو چکا تھا امام زین العابدین کے ان الفاظ نے بڑا گہرا اثر کیا۔

مشتعل لوگوں کی آواز آئی! حکومت حُسین کے نانا کی ہے۔ حُسین زندہ ہے، حُسین کے قاتل درندے ہیں، بے غیرت ہیں، بے حیاء ہیں غصہ میں آئے ہوئے عوام کے ہجوم پر بڑی مشکل سے قابو پایا گیا۔ یہی یزید کی شکست اور امام حسین علیہ السلام کی فتح تھی۔ حسین علیہ السلام جان دے کر زندہ ہو گئے

اور یزید حسین علیہ السلام کی جان لیکر مردہ ہو گیا تھا۔ حسین علیہ السلام کے قاتل مردہ ہو گئے تھے۔ روح اسلام آزاد ہو رہی تھی۔ مقصد حسین علیہ السلام پورا ہو رہا تھا۔

پھر جناب زینب نے ارشاد فرمایا۔ یزید! تمہاری غیرت بالکل مر چکی ہے۔ تمہیں حیاء ہوتی تو ناموس رسول کو اس طرح دربار میں طلب کر کے رسوا نہ کرتا۔ اے فتنہ گر! کیا تیرا دل ابھی تک ٹھنڈا نہیں ہوا۔ ہمارا سب کچھ لوٹ کر بھی تیری وحشت کو سکون نہیں ملا۔ گلستان فاطمہ کو اجاڑ کر بھی تیری درندگی کو صبر نہیں آیا۔

ظالم سن! میرے نانا تیرے نانا سے افضل ہیں۔ میرا باپ تیرے باپ سے افضل ہے۔ میری ماں تیری ماں سے افضل ہے۔ اولاد رسول اولاد

ابوسفیان سے افضل ہے۔ اولاد خدیجہ اولاد ہندہ سے افضل ہے۔ پھر تجھے یہ خیال کیوں نہ آیا کہ ابوسفیان کی بہو بیٹیاں تو پردے میں بیٹھیں اور محمد عربی کی بہو بیٹیاں اس طرح برسر عام تیرے دربار میں قیدی بن کر کھڑی ہوں۔

یزید عوام کی ذہنی حالت کا اندازہ کر چکا تھا۔ اور کہا کہ انہیں حرم سرا میں پہنچادو۔ ایک روایت میں ہے کہ قید خانہ میں ڈالا گیا تھا۔ اور پھر صبح نعمان بن بشیر سابقہ گورنر کوفہ کے ہمراہ اس لٹے پٹے قافلہ کو امام عالی مقام کا سر انور دیکر واپس کر دیا۔ اب یزید میں یہ ہمت نہیں تھی۔ کہ اسیروں کے ساتھ کوئی زیادتی کر سکتا۔

اس لئے کہ خون حسین علیہ السلام نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا تھا دمشق کے شہریوں کو قتلِ مظلوم کا احساس ہو گیا تھا۔ اور انہوں نے اس فعل قبیح اور مذموم حرکت سے نفر کا اظہار شروع کر دیا تھا۔ سر اقدس کے متعلق کئی روایات ہیں۔

فیصلہ کن روایت شہید ابن شہید کے حصہ دوم میں ملاحظہ فرمائیں ایک روایت ہے کہ قافلہ اہل بیت کربلا کے راستے ہی مدینہ منورہ کو واپس آیا اور کربلا میں امام عالی مقام کا لاشہ اقدس تلاش کر کے اس کے ساتھ ہی سر کو بھی دفن کر دیا گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ سر مدینہ منورہ میں لایا گیا تھا اور جناب فاطمۃ الزہرہ اور جناب حسن علیہ السلام کے درمیان دفن کیا گیا تھا۔

بہر حال یہ لٹا پٹا قافلہ سفر کی صعوبتیں برداشت کرتا ہوا مدینہ منورہ کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے۔

لٹا پٹا قافلہ دربار رسول پر

اہل بیت رسول نے جب آثار مدینہ دیکھے تو ان کی چیخیں نکل گئیں۔ مدینہ منورہ سے روانگی کا وقت یاد آ گیا۔ اس نورانی قافلہ کا ایک ایک فرد یاد آ گیا۔ قافلہ سالار کا تصور سامنے آیا تو کلیجے چر گئے۔ سینوں پر چھریاں چل گئیں، دردوالم کی دبی ہوئی چنگاریاں آہوں کی ہوا لگنے سے شعلے بن کر بھڑک اٹھیں دلوں کے سمندروں میں طوفان آ گئے، آنکھیں آبشاریں بن گئیں۔ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے کہا آہ!

یارسول اللہ، وامحمداہ یا جداہ، یا تاجدار مدینہ ہم لٹ گئے۔ آپ کا حسین علیہ السلام آپ کے نام پر قربان ہو گیا۔ یارسول میرا بھائی بچھڑ گیا، بھتیجے شہید ہو گئے۔ نانا جان! آپ جسے چوما کرتے تھے اس پر تلواریں چل گئیں۔ ظالموں نے اس کا سینہ تیروں سے چھلنی کر دیا۔

اس کے جسم کو نیزوں میں پرویا۔ اس کا بند بند کاٹ دیا۔ اس کی لاش پر گھوڑے دوڑا دیئے۔ آہ نانا جان! تیرے حسین علیہ السلام کی ایک ایک نشانی کربلا کی ریت میں چھپ گئی۔

مقدس نانا! کیسے بتاؤں کہ آپ کی گود میں کھیلنے والی زینب کے

ہاتھوں میں ظالموں نے ہتھکڑیاں ڈال دیں یارسول اللہ! ہمیں رسیوں میں جکڑ کر اونٹوں پر سوار کرایا گیا۔

جناب ام لیلیٰ اور حضرت رباب نے فریاد کی۔ اے تاجدار مدینہ، اے ہمارے آقا و مولا۔ ہمارا گھر برباد ہو گیا، ہمارا سہاگ اجڑ گیا، ہماری آرزوئیں لٹ گئیں۔ ہماری گودیں خالی ہو گئیں۔ ادھر یہ فریاد و فغاں ہو رہی تھی ادھر مدینہ منورہ کے لوگ مرد، عورتیں بچے چیختے چلاتے اور روتے تڑپتے باہر نکل آئے۔ ان کو مصیبت زدہ قافلہ کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی۔ دونوں جانب ایک کہرام مچا ہوا ہے۔

ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے آج ہی قیامت بپا ہو چکی ہے۔ لوگ اہل بیت کی سواریوں سے چمٹ چمٹ کر نالہ و شیون اور فریاد و فغاں کر رہے ہیں

ایک ہی خاندان کے چالیس افراد میں سے چند خواتین اور بیمار سجاد کو دیکھتے ہی صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اہل مدینہ کی فریادیں اور رونا تڑپنا دیکھا تو اہل بیت رسول کے دل اور زیادہ بھر آئے۔ درد اور بڑھتا گیا۔ سوز و الم میں اور اضافہ ہوتا چلا گیا۔ پھر کون کم روتا۔ سبھی مجسمہ غم بنے ہوئے تھے۔

اسی طرح نالہ و شیون بھی جاری ہے اور سواریاں بھی آہستہ آہستہ چلی جا رہی ہیں۔ چند قدم آگے بڑھے تو غم و آلام کا ایک طوفان آنکھوں کے سامنے تھا۔ مدینہ منورہ کی چند عورتوں کے ساتھ جناب صغریٰ میلا سا برقعہ

اوڑھے آگے بڑھتی ہیں اور اپنی امی کی سواری کے آگے لیٹ کر فریاد کرتی ہیں۔

امی جان !اب اپنی سواریاں میرے اپر سے گذار دو۔امی جان میرے جسم کو مسل دو۔ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دو مجھے اب زندہ نہیں رہنا۔ مجھے اب زندگی کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھوپھی جان! آپ بھی اپنی ناقہ کو میرے اوپر سے گذار دیں پھوپھی جان۔ میری زندگی ختم کر دو۔ میرا جسم پاش پاش کر دو۔

سب کچھ لٹا کر آنے والو آپ کے پہلے بھی مجھ پر بڑے احسان ہیں ایک احسان یہ بھی کر دو۔ مجھے روتی تڑپتی چھوڑ کر جانے والو۔ اب تو مجھے اکبر کے پاس بھیج دو۔ اب تو میرا اکبر مجھ کو ملا دو۔ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتی ہوں مجھے میرے بابا کے پاس پہنچا دو۔

آپ علی اصغر کو جلد ملانے کا وعدہ کر گئے تھے یا میرا اصغر واپس کر دو یا مجھے اس کے پاس بھیج دو۔ میں نے اس کے کپڑے سی کی رکھے ہوئے ہیں۔ امی جان میں نے اسے کپڑے پہنا کر دیکھنے ہیں۔

میں نے اس کے لئے کھلونے خریدے ہوئے ہیں میں اس کی امانت اسے پہنچانا چاہتی ہوں خدا کے لئے مجھے اصغر کے پاس بھیج دو۔ مجھے بھیا اکبر کی شادی میں جانا ہے۔ میں نے اپنے بھائی کو دولہا بنتے دیکھنا ہے ۔انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ واپس آکر ساتھ لے جائیں گے۔ وہ

نہیں آسکے تو میں خود ان کے پاس چلی جاؤں گی۔ان کو جنت کا دولہا بننے کی جلدی تھی۔وہ جبھی تو اپنا وعدہ بھول گئے۔لیکن میں اپنا وعدہ ضرور پورا کروں گی۔میں ان کی شادی میں ضرور جاؤں گی بھیا کی شادی میں بہن موجود نہ ہو تو شادی کا کیا مزا ہے۔وہ میرا انتظار کرر ہے ہیں۔مجھے ان کے پاس جانے دو۔میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔اور پھر جناب صغریٰ پر بیہوشی طاری ہوگئی

اب آپ خود اندازہ کریں!

یاد ویراں دی بچی معصوم تائیں
مڑمڑ آن ستاوے تے کی ہندا

چھیتی بھین نوں کھڑن دا کر وعدہ
اکبرلین نہ آوے تے کی ہندا

لا کے خواب وچ اصغر نوں نال سینے
مڑ کے اکھ کھل جاوے تے کی ہندا

پچھو صغریٰ نوں صائم جے شام ولوں

خا لی او ن کجا وے تے کی ہندا

سواریوں کو پیچھے ہٹا کر بٹھا دیا گیا۔ بیہوشی بچی کو ہوج میں لٹا کر یہ غم میں ڈوبا ہوا قافلہ دربار رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضر ہو گیا۔

روضہ اقدس پر پہنچ کر جو حالت الم نصیبوں کی ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔ چیخ وپکار کی جگہ دبی دبی آہوں اور سسکیوں نے لے لی تھی۔ مواجہ شریف کے سامنے سب نے ہاتھ باندھے ہوئے تھے اور مسلسل روتے جارہے ہیں۔

کوئی کسی کو تسلی دینے والا نہیں سبھی اپنے اپنے غم میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ دربار مصطفےٰ پر حاضری دینے کے بعد غمزدہ قافلہ شہزادی رسول جناب سیدہ فاطمۃ الزاہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کے مزار اقدس پر حاضر ہوا سب نے اپنے اپنے غم کی کہانی دربارِ بتول میں پیش کی اور پھر روتے دھوتے سبھی لوگ واپس آ گئے۔ روایات میں آتا ہے کہ اس دن میں اہل مدینہ پر جو غم طاری ہوا اس کا اثر ایک سال سے بھی زیادہ عرصہ تک ایک ہی حالت میں رہا۔ ہر شخص غم میں ڈوبا ہوا اور کھویا کھویا سا نظر آتا۔

اور یہ بھی روایت ہے کہ جناب زین العابدین نے اس واقع کے بعد پوری زندگی اشکباری میں گذاری۔ آپ کی آنکھ ۔ ہمیشہ سُرخ آنسوؤں کی ہساتِ ہوتی رہی۔

یہ درد کب مٹنے والا تھا۔

یہ زخم کب بھرنے والا تھا۔

یہ سوز کب جانے والا تھا۔

غمِ حُسین کو تو زندگی کے آخری سانس تک ساتھ نبھانا تھا یہ غم تو لامحدود وسعتوں کا حامل ہے۔

آج تیرہ صدیاں گذر جانے کے بعد بھی یہ غم اسی طرح اپنی اثر انگیزی دکھا رہا ہے جس طریقہ سے یہ ظہور میں آیا غم حُسین ہی تو غم حیات کا مداوا ہے۔

غم حُسین ہی تو گناہوں کا کفارہ اور جنت کی کلید ہے امام عالی مقام کی یاد میں چند آنسو بہا دینا سالہا سال کی عبادت سے افضل ہے۔

یہ حسین تیرا ہی کام تھا سبھی لال اپنے کئے فدا
تجھے ان ستاروں نے ڈوب کر شبِ غم کا چاند بنا دیا

﴿عطیہ شعر جناب قاری غلام رسول بی، اے﴾

سلام

اے زمینِ کربلا تیرے نصیباں نوں سلام
تیرے تے ستے ہوئے سبھناں حبیباں نوں سلام

جسدے وچ زینب نے آلاشاں نوں واجاں ماریاں
اوس اتھرو ڈوہلدی شامِ غریباں نوں سلام

سب شہیداں عاشقاں دے ہون دولہے نوں سلام
عشق! تیرے اس انوکھے فارمولے نوں سلام
تیر کھا کے جسدے وچ معصوم آکے لیٹیا
خون وچ بھجے ہوئے اصغر دے جھولے نوں سلام

مصطفیٰ دے لاڈلے حیدر دے پیارے نوں سلام
سیدہ خاتونِ جنت دے دُلارے نوں سلام
جان دے کے جس نے صائم دین زندہ کر لیا
تاریاں چنے علی دے اوس تارے نوں سلام

کربلا وچ رُل دیاں نازک سریاں نوں سلام
شام ولے جاندیاں عربی اسیراں نوں سلام
رات دن ویہندی سی صائمؔ راہ جو اکبر ویر دا
اوس ویراں وچھڑی صغریٰ دے ویراں نوں سلام



شھادتِ حُسینؑ کے اثرات

قاتلانِ حُسین کا انجام

عن ابن عباس قال راء یت رسول الله
صلی الله علیه وآله وسلم فی اطنام نصف
النهار اشعت اغبر معه قارورة فیها۔ فقلت بأبی
وامّی ایارسول الله ماھٰذا؟ قال ھذا دمُ الحُسین
واصحابه لم ازل التقطه منذ الیوم قال عمّار
فاحصینا ذالک الیوم اِفواجد ناقد قتل فی
ذالک الیوم

﴿الاستعیاب جلد ۱ صفحہ نمبر ۳۸۰﴾ ﴿البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲۰۰﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دوپہر کے وقت خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کے پاس خون سے بھری ہوئی شیشی ہے۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! یہ حُسین اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے میں اس آج صبح سے جمع کر رہا ہوں۔ عمّار کہتے ہیں ہم نے وہ دن یاد رکھا اور یہ وہی دن نکلا جس دن حُسین علیہ السلام شہید ہوئے۔

عن ام سلمة قال راء یت رسول الله صلی الله

علیہ وآلہ وسلم فی المنام وعلیٰ راسہ ولحیتہ التراب فقلت مالک؟ یارسول اللہ قال شھدت قتل الحُسین انفا

﴿البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲۰۰﴾

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کی زلفیں اور داڑھی مبارک کے بال غبار آلودہ ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ یہ کیا حال ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! کہ ہم مقتلِ حُسین میں گئے تھے۔

امام عالی مقام کی شہادت نے حور و ملائکہ اور انسانوں کے ساتھ ساتھ قومِ جنات کو بھی رُلا دیا۔ جن اور جنیاں بھی فریاد کرتی پھرتی تھیں۔

جنّات کے نوحے

قال الا مام احمد حدثنا عبد الرحمٰن بن
مهدی حدثنا ابن مسلم عن عمار قال سمعت
ام سلمة، قالت ! سمعت الجن تنوح علی
الحسین

﴿البدایہ والنھایہ جلد۸ ص ۲۰۱﴾

امام احمد بن حنبل عبد الرحمٰن بن مھدی ابن مسلم سے وہ عمار سے روائت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ام سلما سے سنا کہ امام حسین کی شہادت پر جنوں نے نوحہ خوانی کی۔ وہ رو رہے تھے اور پڑھ رہے تھے۔

ایھا القاتلون جھلا حسینا البشر و بالعذاب والتنکیل
کل اھل السماء و ید عو علیکم ونبی و مرسل و قبیل
قد لعنتم علی لسان ابن دائود
وموسیٰ و صاحب انجیل

﴿البدایہ والنھایہ جلد ۸ ص ۲۰۰﴾

دوسری روائت ابو جناب کلبی وغیرہ سے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کربلا میں موجود تھے اور ہم نے جنات کے یہ نوحے سنے۔

مسح الرسل جبینه فله بریق فی الخلود
ابواه من علیا قریش جدهٔ خیر الجلود
خرجو به و فدا الیه فهم له شر الوفود

قتلوا ابن بنت فیهم
سکنوا بہ ذات الخلود

﴿البدایہ والنھایہ جلد۸ ص ۲۰۰﴾

تاریخ الخلفاء اور ما ثبت بالسنۃ وغیرہ میں ہے کہ امام عالی مقام کی شہادت کے بعد دنیا میں سات دن اندھیرا رہا۔ دھوپ دیواروں پر پڑتی تو انتہائی پھیکی اور زرد رنگ کی ہوتی۔

کوفیوں کی فوج کے پاس زرد رنگ والی گھاس تھی وہ سب مٹی ہو گئی۔ بیت المقدس کے جس پتھر کو اٹھایا جاتا اس کے نیچے خون ہوتا۔ ابن زیاد کے مکانوں میں خون بہہ رہا تھا۔ آسمان کے کنارے سُرخ ہو گئے اور پھر یہ سُرخی ہلکی ہوتی گئی جو اب بھی شفق کی صورت میں موجود ہے۔ اور قیامت تک رہے گی۔

سُورج گہنا گیا، سات روز تک لگاتار آسمان پر ستارے ٹُوٹتے رہے۔ ایک شقی نے کربلا معلیٰ میں امام عالی مقام کی شان میں گُستاخی کی تھی۔ ایک ستارا ٹُوٹ کر آیا اور اُس کو اندھا کر گیا۔ عراقی فوج کے آدمی اپنے اونٹوں کو ذبح کر کے گوشت پکاتے تو وہ گوشت آگ کے انگارے بن جاتا۔ پھر ہمت کر کے کھانے لگتے تو وہ کڑوا ہوتا۔

عُمر لیثی کا بیان ہے کہ کُوفہ کے جس کسرِ امارت میں ابنِ زیاد کے سامنے امام عالی مقام کا سرِ مبارک رکھا ہوا تھا اُسی جگہ ابن زیاد کا کٹا ہوا سر

مختار ثقفی کے آ گے۔ اُسی جگہ پر مختار ثقفی کا سر مصعب بن زبیر کے آ گے رکھا ہوا تھا۔ اور اُسی جگہ مصعب کا سر عبدالملک کے سامنے پڑا تھا۔

جب عبدالملک کو معلوم ہوا کہ اس جگہ ایسے ہی حاکم کا سر آ تا ہے تو اس نے کسرِ امارت کو چھوڑ دیا۔

ازدیہ کا بیان ہے کہ شہادتِ حسینؑ کے بعد جب ہم صبح کو اٹھتے تو تمام برتن خون سے بھرے ہوتے۔

ابو سعید کہتے ہیں کہ دنیا میں کہیں بھی کوئی پتھر اُٹھایا جاتا اُس کے نیچے تازہ خون پایا جاتا۔ آسمان سے بھی خون برسا۔ اور جس کپڑے پر بھی پڑا کپڑا اپھٹنے تک بھی سُرخ رہا۔

خراسان شام اور کوفے کے ہر گھر میں خون ہی خون تھا۔ کوفہ میں ایک شخص نے امام مظلوم کی شان میں گستاخی کی تو وہ فوراً جل گیا۔

امامِ مظلوم کے قاتل ایسی شدید قسم کی پیاس میں مبتلا ہو گئے کہ مشکوں کی مشکیں پانی پی جانے پر بھی پیاس نہ بجھتی۔ چند لوگ ذکر کر رہے تھے کہ امامِ عالی مقام کے مقابلہ میں جس جس نے بھی حصہ لیا وہ بُری طرح مبتلائے مصیبت ہوا۔

ایک شخص نے کہا کہ غلط ہے میں بھی اُس جنگ میں موجود تھا اور مجھے کچھ نہیں ہوا۔ پچھلی رات وہ چراغ کی بتی درست کرنے لگا تو آگ نے اُس کے جسم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اور پھر آگ آگ کرتا ہوا جہنم میں پہنچ

گیا۔ اُس کا جسم لکڑی کے کوئلے کی طرح سیاہ ہو چکا تھا۔

زہری کا بیان ہے کہ اُن میں کوئی مارا گیا کوئی اندھا ہو کر مر گیا، کسی کا منہ کالا ہو گیا، کسی کی صورت مسخ ہو گئی۔

واقدی کہتے ہیں کہ ایک شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب میں ملے، آپ نے آستینیں چڑھائی ہوئی تھیں اور ہاتھ میں تلوار تھی۔ اور امام حسین کے قاتلوں میں سے دس آدمی ذبح کیئے ہوئے آپ کے سامنے پڑے تھے۔ آپ نے مجھے غضبناک ہو کر فرمایا ! تُم نے میرے بیٹے کے قاتلوں کی تعداد کیوں بڑھائی اور پھر خون کی ایک سلائی میری آنکھوں میں پھیر دی۔ جب میں بیدار ہوا تو میں اندھا ہو چکا تھا۔

سبطِ ابنِ جوزی کہتے ہیں ! جس شخص نے کوفہ سے شام جاتے ہوئے امام عالی مقام کا سرِ اقدس کپڑے میں باندھ کر گھوڑے کی گردن میں لٹکایا تھا۔ اُس کا منہ انتہائی مکروہ اور کالا ہو گیا تھا۔ لوگوں نے اُس سے پوچھا، کہ تُو تو بڑا خوب صورت تھا تجھے کیا ہو گیا ؟ تو اس نے بتایا کہ میں نے امام کے سر کو جس دن سے گھوڑے کے ساتھ لٹکایا ہے اُسی دن سے مصیبت میں مبتلا ہوں۔ دو شخص رات کو آتے ہیں اور مجھ کو اٹھا کر بھڑکتی ہوئی آگ پر لے جاتے ہیں اور پھر اس میں دھکا دے دیتے ہیں۔ میرا سر جھکتا ہے اور آگ چہرے کو جھلساتی رہتی ہے۔ پھر وہ بری حالت میں اسی عذاب کے ساتھ مرا۔

امام الانبیاء کا ارشاد ہے ! مجھے جبریل نے بتایا ہے کہ حضرت یحییٰ کے قتل کے بدلہ میں ستر ہزار آدمی قتل ہوئے تھے اور میرے نواسے کے قتل کے بدلہ میں دو بار ستر ہزار قتل ہوں گے۔ اور پھر یہ فرمان رسول پورا ہو کر رہا۔ قاتلان حسین پر قہر الٰہی اور غضبِ خُداوندی ٹوٹ پڑا تھا۔ اور وہ انتہائی خوفناک موت مر رہے تھے۔

ایک شخص کو خواب میں سرکارِ دو عالم ملے اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے آپ نے غُصے کی حالت میں اس کی طرف اشارہ کر رکھا اور وہ کہہ رہا تھا کہ میں تو حسین کے مقابلہ پر نہیں گیا تھا۔

آپ نے فرمایا ! تو میرے بیٹے کے قتل ہونے پر خوش تو تھا۔

ہم یہاں مختصر طور پر یہ سب کچھ تحریر کر رہے ہیں۔ مکمل طور پر واقعات اور ان پر بحث دوسرے حصہ میں پیش کی جائے گی تا کہ یزید کے خیر خواہوں کا پتہ چل جائے کہ خونِ حسین کا انتقام کیا ہے اور امام حسین کی شہادت کا مقام کیا ہے۔

اب اگلے ہاتھوں امام عالی مقام کے مقابلہ میں آنے والے مشہور لوگوں کا انجام بھی ملاحظہ فرمالیں۔

مندرجہ ذیل واقعات کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ امام عالی مقام کو خط لکھ کر منگوانے والوں میں ایک شخص مختار ثقفی تھا۔ یہ شخص انتہائی چالاک اور مکّار آدمی تھا۔ اور ابنِ سبا یہودی کے خاص چیلوں میں سے تھا۔

چند ایک خُفیہ میٹنگوں کے بعد اُس نے کُچھ لوگوں کو ہم خیال بنا لیا اور پھر ایک نعرہ مقرر کیا گیا کہ ہم خونِ حسین کا انتقام لیں گے۔

اُس نے لوگوں کو ایک تحریر دکھائی جو محمد بن حنیفہ برادرِ امام حسین کے نام سے تھی کہ ہم تجھے اس امر کی اجازت دیتے ہیں کہ انتقامِ حسین لیا جائے۔

جناب محمد بن حنیفہ کو جب اس تحریر کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا! اگر چہ ہم ایسی کوئی تحریر نہیں بھیجی تاہم اس کام کو درست سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی نواسہ رسول کا انتقام لیتا ہے تو ہمیں کیا اعتراض ہے۔ مختصر یہ کہ مختار ثقفی کی تحریک چلتی رہی اور زور پکڑتی گئی۔ کوفہ کے لوگ اب اپنی غلطی پر پچھتا رہے تھے اور تلافی کے طور پر اس تحریک کو مضبوط کرتے گئے۔ بالآخر ابن زیاد کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا گیا۔ اور قاتلوں نے ہی قاتلوں سے انتقام لینا شروع کر دیا۔ اور خدا کے اس حکم کی عملی تفسیر بن کر سامنے آ گئی جو قومِ موسیٰ کو بچھڑا پُوجنے کی سزا پر ہوا تھا۔

قال موسیٰ لقومه یقوم انکم ظلمتم
انفسکم باُتخاذکم العجل فتوبوا الیٰ بارئکم
فد '.' انفسکم

موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا اے میری قوم تم نے بچھڑا بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے تو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع لاؤ تو آپس

میں ایک دوسرے کو قتل کرو۔

بہر حال مختار ثقفی کا عہد آ چکا ہے اور نامور قاتلانِ حسین کا انتقام شروع ہو چکا ہے۔

شمر ملعون کا انجام

شمر کو جب گرفتار کر کے مختار کے سامنے لایا گیا تو مختار کی آنکھیں غصہ سے سرخ ہو گئیں۔ غضبناک ہو کر کھڑا ہو گیا اور شمر سے کہا! جس ہاتھ سے گردنِ حسین پر خنجر پھیرا تھا وہ اٹھا۔

شمر نے رو کر کہا ! کہ میں پیاسا ہوں پہلے تھوڑا سا پانی پلا دو۔

مختار نے کہا ! بد بخت تو نے اہلِ بیتِ مصطفیٰ پر پانی بند کیا تھا اور اب پانی مانگتا ہے۔ پھر پہلے نیزے مار مار کر اُس کا بند بند زخمی کیا اور پھر قتل کر کے لاش کتوں کے آگے پھنکوا دی۔

ایک روائت میں ہے کہیہ پہاڑیوں میں چھپتا پھرتا تھا تو اس کو نیزے مار مار کر ہلاک کیا تھا۔

حُرملہ کا انجام

حُرملہ وہ بد بخت اور ملعون شخص تھا جس نے جنابِ علی اصغر کے حلق پر تیر چلایا تھا۔ جب مختار ثقفی کے سامنے آیا تو اُس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ معصوم اصغر کا گلا چیرنے والے حرامزادے کے گلے پر تیر چلاؤ۔ اس کی

گردن کو تیروں میں پرو کر پھر اس کے ہاتھ کٹوائے پھر پاؤں کاٹنے کا حکم دیا۔ اور پھر آگ جلا کر اس میں پھینک دیا۔ یہ ہے خونِ علی اصغر کا انتقام۔

خولی بن یزید

اس شیطان کو جب دربارِ مختار میں پیش کیا گیا تو اس نے کہا کہ یہی وہ مردود ہے۔ جس نے سرِ شبیّر کو نیزے پر چڑھایا تھا۔ یہ کہہ کر اس نے پہلے داہنا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور پھر بایاں ہاتھ کٹوا دیا۔ پھر دونوں پاؤں کاٹ کر اس کا دھڑ اسی طرح باہر پھینک دیا۔

مالک بن بشیر

یہ بھی امام عالی مقام پر تیر برسانے والوں میں پیش پیش تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر چھوڑ دیا اور اسی طرح تڑپتا ہوا واصل جہنم ہو گیا۔

سنان بن انس

اس شقی القلب نے امام عالی مقام کے سینے کے آر پار نیزہ بھی کیا تھا۔ اور آپ کے سر کو بھی کاٹا تھا۔

یہ آگے آگے بھاگتا اور پناہ گاہیں تلاش کرتا پھرتا تھا۔ اور مختار کی فوج اس کے پیچھے چڑھی ہوئی تھی۔ یہ پہلے بصرہ گیا وہاں سے قادسیہ اور پھر قادسیہ اور عذیب الہجانات کے درمیان گرفتار کر لیا گیا۔ اس کی پہلے انگلیاں کاٹی گئیں پھر ہاتھ کٹے پھر پاؤں کی انگلیاں کاٹی گئیں اور پھر پاؤں کاٹے گئے پھر اس

کے کان چیر دیے گئے پھر خنجر سے آنکھیں نکالی گئیں اور روغن زیتون کی دیگ چڑھا کر اس میں زندہ ڈال دیا گیا۔

حکم بن طفیل

اس ملعون نے حضرت امام حسین کا لباس اتارا تھا۔ اور جنابِ عباس علمدار پر بازو قلم ہونے کے بعد تیر چلایا تھا۔ اس کو مختار کے فوجی افسر عبداللہ بن کامل نے گرفتار کیا اور پھر اس پر تیر چلا کر واصلِ جہنم کر دیا۔

ابن زیاد ملعون

یہ مردود بھی چھپا ہوا تھا۔ جب مختار کے لشکر نے گھیراؤ کیا تو مقابلہ کرتا رہا۔ آخر گرفتار ہو کر اسی دارالامارت کے سامنے لایا گیا جہاں بیٹھ کر اہلِ بیت کے ساتھ ظلم کرنے کے احکام جاری کرتا تھا۔ اس کو گرفتار کر کے کس کر مشکیں باندھی گئیں تھیں اور سپاہی اسف کے منہ پر طمانچے مار مار کر لا رہے تھے۔

جب مختار کے سامنے آیا تو اس نے پہلے اس کے جسم کی ایک ایک بوٹی کاٹنے کا حکم دیا۔ جب اس کا ایک ایک عضو کٹ گیا تو پھر اس کی لاش پر گھوڑے دوڑائے گئے۔ پھر اس کا سر کاٹ کر رکھ لیا گیا۔ اور لاش کو آگ میں پھینک دیا گیا۔

اس کا سرا ابھی لوگوں کے سامنے ہی پڑا ہوا تھا کہ ایک سانپ آیا اور اس کے ایک نتھنے میں گھس کر دوسرے نتھنے سے باہر آ گیا۔ اس سانپ نے ایسا کئی بار کیا اور پھر غائب ہو گیا۔

یہ تھا خونِ حسین کا انتقام۔ ہر شخص اپنے اپنے ظلم کی سزا بھگت رہا تھا۔ لیکن انتقامِ آخرت ابھی باقی ہے۔

جس روز ابنِ زیاد کو اپنی کرتوتوں کا بدلہ لینا پڑا اُس روز بھی یومِ عاشورہ تھا۔ یہ دس محرم ۶۶ھ کا واقعہ ہے۔

اس کے ساتھ یزید نے وعدہ کیا تھا کہ جب تم میرے راستے سے حسین ابن علی کا کانٹا ہٹا دو گے تو میں تمہیں خراسان کا حاکم بنا دوں گا لیکن نہ تو وہ وعدہ ہی پورا ہوا اور نہ ہی کوفہ و بصرہ کی گورنری باقی رہی۔ بالآخر کتوں کی موت مرا اور قیامت ابھی باقی ہے۔

درسِ عبرت ہے اہلِ نظر کے لیے

یزید کا آخری کارنامہ

اور

اس کا انجام

حجاز مقدس میں امام حسینؑ کی شہادت کا بے حد گہرا اثر ہوا اور لوگوں نے یزید سے متنفر ہونا شروع کر دیا۔ خون حسین علیہ السلام پوری رعنائی اور دل آویزی کے ساتھ اپنے اثرات مرتب کر رہا ہے جن لوگوں کو دھوکے سے بیعت یزید قبول کروائی تھی وہ بھی اور جنہوں نے کر لی تھی وہ بھی اب یزید کی بیعت توڑ کر جناب عبداللہ بن زبیر کے ہاتھوں پر بیعت کر رہے تھے۔

یزید کے جاسوسوں نے جب اسے حرمین شریفین میں بسنے والوں کے بیعت توڑنے کے متعلق اطلاع دی تو وہ بہت سٹپٹا گیا اور پھر اس نے عامل مدینہ ولید کو معزول کر کے اس کی جگہ محمد بن عثمان کو مدینہ کا گورنر بنا دیا مگر لوگ بدستور یزید سے اظہار نفرت کرتے رہے یزید تو وہی یزید تھا جو پہلے تھا فرق صرف یہ ہے کہ امام عالی مقام اس کے فسق و فجور اور حدود اسلامیہ کو توڑنے کے متعلق پہلے ہی جانتے تھے۔

اور لوگوں کو اب معلوم ہوا اہل مدینہ سے کئی لوگ دمشق جا جا کر

کی عیاشی اور فحاشی کے کرتوتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ آئے تھے جب عثمان گورنر بن کر آیا تو اس نے مدینہ کے بزرگ لوگوں کو بلا کر سمجھایا کہ یزید کے متعلق آپ تک غلط افواہیں پہنچی ہیں اس لئے آپ اس کی بیعت نہ توڑیں یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے صحابہ کرام کی زندگیوں کے نمونے دیکھے ہوئے تھے آسانی سے کیسے مان جاتے۔

تاہم انہوں نے وعدہ کر لیا کہ ہم خود جا کر تصدیق کرتے ہیں اگر یزید حدود شریعت کی خلاف ورزی کرتا ہوا نہ پایا گیا تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں چنانچہ ان بزرگ ہستیوں کا وفد دمشق کو روانہ ہو گیا گورنر نے اپنے آدمی پہلے ہی روانہ کر دیئے تا کہ یزید کو اس وفد کی آمد کی اطلاع پہلے ہو جائے اور وہ ان کے سامنے اپنی حرکات سے باز رہے یزید اپنی حرکات کیسے چھوڑ سکتا تھا جو قبیحات اس کی گھٹی میں پڑ چکی تھیں ان سے کیسے بچتا ہاں البتہ اس نے اتنا ضرور کیا کہ اس وفد کی دل کھول کر شاہانہ ٹھاٹھ سے ان کی خدمت کی اور کافی تحائف وانعامات دے کر انہیں واپس کر دیا

وہ انہیں کوفی اور شامی لوگ سمجھا تھا جن کو خزانوں کے منہ کھول کر جب چاہے خریدا جا سکتا تھا اور یہی اس کی غلطی تھی وہ مدینۃ الرسول کا وفد تھا اور یہ وہ لوگ تھے جن کے سامنے صحابہ کرام کی مقدس زندگی کی تصویر تھی یہ لوگ مدینہ منورہ میں پہنچے تو انہوں نے صاف طور پر عوام الناس کو بتا دیا کہ معاویہ کا بیٹا فاسق فاجر اور تارک نماز ہے کتوں اور بندروں کا شکاری اور لہو

لعب کا رسیا ہے شراب کھلے بندوں پیتا ہے محرمات کو جائز سمجھتا ہے اور اس کے زانی ہونے کے متعلق بھی ہمیں لوگوں نے بتایا ہے وہ شریعت کے قوانین کی ہرگز پرواہ نہیں کرتا اور اپنی من مانی کرتا ہے اس کا فسق و فجور اس قدر ظاہر ہے کہ اس کی کوئی تاویل نہیں ہوسکتی۔

مدینہ منورہ کے لوگوں نے سنا تو انہوں نے ایک دم اس کی بیعت توڑ کر عبداللہ بن زبیر کے ہاتھوں پر بیعت کر لی اور پھر عبداللہ بن زبیر مکا معظمہ کے عدیل بن گئے یزید کے لئے حجازیوں کی مخالفت سوہان روح بن گئی اب وہ ابن زیاد کو بھی اس کام پر مامور نہیں کرسکتا تھا کیونکہ امام حسین کے قتل کے عوض اسے خراسان کی حکومت دینے کا وعدہ کر کے یزید نے انحراف کرلیا تھا اور اس کے بجائے اسلم کو وہاں کا گورنر بنا دیا تھا

ابن زیاد بدنہاد کو حکومت کس طرح مل سکتی تھی! یہ تو قدرت کا انتقام تھا۔

بہر حال! اب ابن زیاد بھی یزید سے متنفر ہو چکا تھا اور اس کے کسی بھی کام کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اب یزید نے بڑی سوچ و بچار کے بعد مسلم بن عقبہ کو لشکر جرار دیکر مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے کا حکم دے دیا مسلم بن عقبہ جسے مسرف بن عقبہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے کو یزید نے جو حکم دیا وہ معتبر روائتوں کے مطابق یہ تھا کہ مدینہ کے لوگوں سے ہرگز ہرگز کسی نرمی کا سلوک نہ کیا جائے۔

ان لوگوں سے بے سر قلم کر دینا تمہیں ان لوگوں پر فتح حاصل کرنے کے

لئے تمہیں قسم کی کاروائی کی اجازت ہے چنانچہ خبیث ومردود مسرف بن عقبہ نے مدینۃ الرسول پر فوج کشی کر دی۔ غسیل الملائکہ حضرت حنظلہ کے صاحبزادے مدینہ کے لوگوں کو ساتھ لے کر مقابلہ میں آئے مگر یزید کی فوج بہت زیادہ تھی۔ بڑے بڑے مقتدر اور ذی وقار لوگ شہید کر دیے گئے، اور بالآخر فوج یزید مدینہ منورہ پر قابض ہوگئی اور پھر مدینہ پاک کی جو بےحرمتی فوج یزید نے کی وہ حد بیان سے باہر ہے،

انہوں نے مسجد نبوی شریف میں گھوڑے باندھے، محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر شریف کو غلاظت سے آلودہ کیا۔ خدا کی مار ہوان لوگوں پر۔ جنت کی کیاریوں میں ان لوگوں کے گھوڑے لید اور پیشاب کر رہے تھے ،اور وہ وحشت اور بربریت کی انتہا کرتے ہوئے مدینۃ الرسول کی بہو بیٹیوں کی عصمت لوٹ رہے تھے۔

تاریخوں میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک ہزار سے بھی زیادہ پاک بازوں کی عصمت دری کی حجرۂ رسول کے باہر ستر ہزار ملائکہ ایک طرف درود و سلام کے ہدیے پیش کر رہے تھے اور دوسری طرف یزید کے بد معاش ذلالت اور رزالت کی انتہا کر رہے تھے۔

یہ تھا یزید کا دوسرا کارنامہ! لعنت ہو خدا کی، ایسی فوج بھیجنے والے پر اور ایسی فوج پر۔ مدینہ منورہ کی بے حرمتی کرنے کے بعد لشکر یزید نے مکہ معظمہ پر چڑھائی کر دی مسرف بن عقبہ ملعون راستے ہی میں مر گیا اور یزید

کے حکم کے مطابق اس کی جگہ ایک دوسرے ملعون نے لے لی اور پھر مکہ معظّمہ میں جا کر انہوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور جگہ جگہ آگ لگا دی۔

منجنیقوں میں رکھ رکھ کر کعبۂ معلیٰ پر پتھر برسائے اور کعبے پر آگ پھینکی جس سے غلاف کعبہ جلنے لگا۔ علیٰ ھذ القیاس ظلم وستم کی کوئی ایسی حد نہیں جو لشکر یزید نے نہ توڑی ہو۔ اور یہ سب کچھ حکم یزید سے ہوا تھا کربلائے معلیٰ کے واقعات میں یزید کو ملوث ہونے سے بچانے والے اس ظلم کا کیا جواز پیش کریں گے۔

مدینہ منورہ میں جو قیامت برپا ہوئی اس کو چھوڑ دو صرف یہ بتا دو کہ مدینہ منورہ پر فوج کشی کی اسلام اجازت دیتا ہے یا نہیں مدینہ والوں کو خوفزدہ کرنے والوں کے لئے قرآن کی کیا تعزیر ہے خواہ مخواہ ایک مردود وملعون اور راندۂ نگاہ کی حمایت کرنے سے سوائے ذلالت ورزالت اور آتش جہنم کے اور کیا حاصل ہوگا ادھر غلاف کعبہ جل رہا تھا ادھر یزید دم توڑ رہا تھا اس کی حکومت کو تین سال اور آٹھ ماہ ہو چکے تھے

اس نے اپنی عیاشی اور فحاشی کے علاوہ ان تین سالوں میں یہ تین عظیم کارنامے سرانجام دیئے تھے نواسہ رسول اور ان کی اہل بیت کو شہید کروایا شہر رسول کو لوٹا اور اس کی بے حرمتی کی مولد رسول کو آگ لگائی اور کعبہ کے غلاف کو جلایا اور اب وہ حمص میں قولنج کے شدید ترین درد تڑپ رہا ہے شاہی حکیموں کی سب دوائیں بیکار ثابت ہو رہی ہیں دو تین دن سے اٹھ رہا

ہے اور مسلسل بڑھتا جا رہا ہے اور آخر اسی عذاب الیم میں گرفتار ہو کر جہنم میں داخل ہو گیا۔

لعنۃ اللہ وانصارہٖ واعوانہٖ بنو عباس کی حکومت آئی تو انہوں نے اس کی ہڈیاں جلانے کے لئے اس کی قبر کھودی تو وہ پہلے ہی جلی ہوئی اور سیاہ تھیں اس کی قبر پر لوگ پتھر پھینکا کرتے تھے

اور باب الصغیر دمشق میں جہاں اس کی قبر تھی اب وہاں شیشے کا کارخانہ ہے اور ٹھیک اسی جگہ شیشہ گالنے والی بھٹی بنی ہوئی ہے ملعون کو دونوں طرف سے آگ نے گھیر رکھا ہے اور اس کی سزا ابھی یہی تھی

جتھے جتھے یزید دی ٹیک لگی رہنا ایں اوس ستون چوں سیک اوندا
جا کے ویکھ لو اج وی دمشق اندر اج وی قبر ملعون چوں سیک اوندا

ندائے یارسول اللہ اور استمداد و استعانت

پر

عظیم تحقیقی شاہکار

المدد یا رسول اللہ

تصنیف لطیف

کشتہ عشق رسول خاکپائے اولاد بتول

حضرت علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ

چشتی کتب خانہ

ارشد مارکیٹ جھنگ بازار فیصل آباد 646756

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے

ایمان پر بابرکت دلائل

ایمان ابی طالب

تصنیف لطیف

کشتہ عشق رسول خاکپائے اولاد بتول

حضرت علامہ **صائم چشتی** رحمۃ اللہ علیہ

چشتی کتب خانہ

ارشد مارکیٹ جھنگ بازار فیصل آباد 646756

سیرت سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا

پر

ایمان افروز کتاب

البتول

تصنیف لطیف

حضرت علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ

چشتی کتب خانہ

ارشد مارکیٹ جھنگ بازار فیصل آباد 646756

سیرت حیدر کرار علیہ السلام

پر

عظیم تحقیقی کتاب

مُشکل کُشا

تصنیف لطیف

حضرت علامہ **صائم چشتی** رحمۃ اللہ علیہ

چشتی کتب خانہ

ارشد مارکیٹ جھنگ بازار فیصل آباد 646756

ابتلائے انبیاء واہل بیت کا دردناک بیان
گریہ وفغاں اور درد والم کی جانگداز تصویر

روضۃ الشہداء

مصنف

حضرت علامہ ملا حسین واعظ الکاشفی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

حضرت علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ

چشتی کتب خانہ

ارشد مارکیٹ جھنگ بازار فیصل آباد 646756